"تم سب کو معلوم ہے کہ ڈاکٹر مَنتّ کو کس نے پرُپوز کیا ہے؟" ڈاکٹر سارہ تقریباً گرتی پڑتی ڈاکٹرز رُوم میں آئی لیکن سب ڈاکٹرز پر قطعی اثر نہ ہوا۔

"انکو تو ہر روز کوئی نہ کوئی کرتا ہی رہتا ہے، کوئی نئی بات بتاؤ" ڈاکٹر رضا نے گویا ناک سے مکھی اڑائی۔"ہاں مگر تم سب کو یہ نہیں معلوم کہ اس بار کون کر رہا ہے۔"ڈاکٹر سارہ نے پھر وہی ڈرامائی انداز اپنا لیا۔

"ڈاکٹر صدیق، ڈاکٹر عمران یا پھر ہارٹ سرجری والے ڈاکٹر فاران کیونکہ پیچھے بچتے تو یہی ہیں۔"ڈاکٹر آمنہ نے ہنس کو کہتے ہوئے اپنی ہی بات کا مزا لیا۔

" اِن میں سے کوئی بھی نہیں بلکہ ہمارے ڈائریکٹر ڈاکٹر مُصطفیٰ غوری نے۔"ڈاکٹر سارہ نے اب کی بار رُوم میں دھماکہ کر دیا اور سب حیرت کی زیادتی سے بتُ بن گئے اور جب سب کا سکتہ ٹوٹا تو سب کی زور دار قِسم کی "کیا" باہر راہداری میں بہُت دُور تک گئی۔

"سچ کہو، ایسے کیسے ہو گیا۔ڈاکٹر مُصطفیٰ تو آنکھ اٹُھا کر کسی کو دیکھتے تک نہ تھے تو پھر کیسے؟" حیرت کے بادل چھٹے تو ڈاکٹر آسیہ نے صدمے سے کہا۔

"شاید اسِ لیئے کیونکہ ڈاکٹر مُنتّ بھی کسی کی طرف نہیں دیکھتی ہیں۔"یہ کہنے والی ڈاکٹر مریم تھی جسے ڈاکٹر مَنتّ کی خوبصورت اور مضبوط شخصیت سے بڑا پیار تھا۔سب ڈاکٹرز لاکھ ڈاکٹر مَنتّ سے جیلس ہوں اسِ بات پر سب مُتفق تھے۔

"ڈاکٹر مَنتّ نے کیا جواب دیا؟" ڈاکٹر رضا نے یاد آ جانے پر پوُچھا تو سب چونک کر ایک بار پر ڈاکٹر سارہ کی سِمت متوجہ ہوگئے سوائے ڈاکٹر مریم کے کیونکہ وہ جانتی تھی کہ۔۔۔

"ڈاکٹر مَنت کو ابھی معلوم نہیں۔"ڈاکٹر سارہ نے مُنہ کے زاویے بگاڑتے ہوئے کہا۔یہ بات بھی سب کے لیئے عام سی تھی سُو سب ہی دوبارہ سے فائلوں پر جُھک گئے۔ڈاکٹر مریم نے ایک تاسف بھری نگاہ سب پر ڈالی اور رُوم سے باہر نکل کر ڈاکٹر مَنت کی تلاش میں چل پڑی۔۔۔

-----@----@-----@-----@َ---@َ---َ-َ@--

"ڈاکٹر مَنّت" اپنے نام کی پُکار پر اس نے پلٹ کر دیکھا تو ڈاکٹر مُصطفیٰ کو کھڑا پایا۔مَنّت کے تاثرات میں کوئی تبدیلی آتے نہ دیکھ کر ڈاکٹر مُصطفیٰ دو قدم آگے بڑھ کر ٹھہر گیا اور کچھ لمحے وہ مَنّت کے معصوم، بے ریا چہرے کو دیکھے گیا۔

"ڈاکٹر۔"مَنّت کی آواز نے اُسکا سحر توڑ دیا۔یہ وہی آواز تھی جو مُقابل کو ایک حد میں رہنے کی تلقین کرتی تھی۔اُس کی آواز میں چُھپی تنبیہ ہر کسی کے حوصلے ہلا دیتی تھی۔وہ بھی چونک کر سنبھلا اور دو قدم پیچھے ہو گیا۔

"مُجھے آپ سے بات کرنی تھی کچھ" اُس نے گویا تمہید باندھی، مَنّت کے چہرے پر ایک طنزیہ مُسکراہٹ اپنی چھب دِکھا کر غائب ہو گئی۔

"میں تقریباً سب سے سُن چکی ہوں آپ کی بات۔"کہہ کر وہ جانے کے لیئے پلٹی۔مُصطفیٰ جو یک دم ساکت ہوا تھا تیزی سے آگے بڑھا اور اس کے عین آگے آ کھڑا ہوا۔مَنّت کو ٹھہر جانا پڑا۔اس کے چہرے پر اب کوئی تاثر نہ تھا بس آنکھوں میں ایک عجیب سی ٹھنڈک تھی۔

"آپ کا کیا جواب ہے، میں ابھی سُننا چاہتا ہوں۔"اس نے بے چینی سے کہا۔

"وہی جو سب جانتے ہیں۔"ہنوز اسی سپاٹ سے لہجے میں کہہ کر وہ اس کے برابر سے ہو کر نکلتے چلی گئی اور مُصطفیٰ ساکت دِل لیئے وہیں کھڑا رہ گیا۔

-----@-----@----@----@-----@----

"حدید! یار کہاں جا رہا ہے؟" کیپٹن زاور نے دُور جاتے میجر حدید کو دیکھ کر اوُنچی آواز میں کہا اور حدید فوراً ٹھہر کر پلٹا۔

"بس وہ بابا جان نے بلایا ہے ہاسپٹل ریاض والے کیس کے سلسلے میں آج کسی نیوروسرجن سے بریفنگ لینی ہے۔"زاور کے قریب آنے پر اس نے ہاتھ میں تھامی کیپ سَر پر جماتے ہوئے رسان سے کہا۔

"چل واپس آ جا پھر کچھ بات کرنی ہے تجھ سے۔"زاور نے اسکا کندھا تھپک کو سلیوٹ مارتے ہوئے کہا تو وہ مُسکراتا ہوا اپنی جیپ کی سِمت بڑھ گیا۔

اس کی جیپ تیزی سے ہاسپٹل کی پارکنگ لاٹ میں آکر رُکی۔جیپ لاک کر کے وہ تقریباً دُوڑتا ہوا لفٹ کی سِمت بڑھا۔یہ آرمی کا ہاسپٹل تھا سُو کتنے ہی آرمی کی وردی میں ملبوس اہلکاروں نے اسے سلیوٹ کیا۔سَر کو ہلکا سا خم دیتا ہوا وہ راہداری کی سِمت مُڑا جہاں جلّی حروف میں "میٹنگ رُوم" لکھا تھا۔اس ہاسپٹل میں آنا جانا اسکا کیسز کے لیئے لگا ہی رہتا تھا سُو معمولی سی دستک دے کر وہ دروازہ دھکیل کر اندر کی سمت آ گیا۔میٹنگ شروع ہو چکی تھی۔سبھی نے دروانے کی سمت دیکھا سوائے ڈاکٹر مَنّت کے جو کہ فائل پر کچھ لکھتی ہوئی ساتھ بریف بھی کر رہی تھی۔وہ ہاتھ سے معزرت کرتا ہوا آگے بڑھتا گیا۔

سب کے یک دَم خاموش ہو جانے پر مَنّت نے بھی چونک کر سَر اُٹھایا اور اسکے بالکل سامنے والی کرسی پر بیٹھتا حدید وہیں ساکت ہو گیا۔اسکو لگا وہ کبھی سانس نہیں لے سکے گا دوبارہ کیونکہ سامنے وہ ہستی تھی جس کو حدید کی نظر نے آٹھ سالوں سے کہاں کہاں نہ ڈھونڈا تھا۔ہر چہرہ، ہر شہر، ہر گلی، ہر مُلک مگر یہ چہرہ حدید کی نظریں نہ پا سکیں تھیں۔

یہ وہ چہرہ تھا جسے یاد کرتے وقت وہ دِن رات کا فرق بھلا دیا کرتا تھا۔جس چہرے کو دیکھنے کے لیئے میجر حدید نے اپنی زندگی کے آٹھ سال یونہی پھُونک ڈالے تھے وہی سامنے طمراق سے براجمان اس پر نگاہ جمائے ہوئے تھا۔

ایک پل کے لیئے مَنّت اِمام کی آنکھوں میں شناسائی کی لہر ابھری مگر صرف کچھ پل کے لیئے اور پھر اس نے دوبارہ سے نگاہ فائل پر جُھکا لی تو حدید کا سکتہ بےساختہ ٹوٹا۔

"ڈاکٹر مَنّت یہ میجر حدید ہیں اور میجر شی اِز نیورو سرجن۔"ڈاکٹر قریشی نے تعارف کی رسم نبھائی۔

"اسلام و علیکم۔"ڈاکٹر مَنّت نے ہلکے سے مُسکرا کر کہا۔اس آواز کو حدید کی سماعتوں نے آٹھ سال کے طویل اِنتظار کے بعد سُنا تھا۔تب وہ آواز شرارت سے لبریز تھی اور آج پر اعتماد، سپاٹ اور بےتاثر۔وہ جیسے سنبھل کر بیٹھا۔"وعلیکم اسلام۔"اس نے اِنتا مدھم سا کہا کہ شاید صرف وہی سُن سکا۔اس کے سارے الفاظ جیسے اپنی موت آپ مر گئے تھے۔

عمر گُزار دی ہم نے اِسی خیال کے پیچھے۔۔۔ شاید کہ ہو افسردہ وہ بھی ہمارے بغیر

پہلے وہ زندگی سے بھرپور ہوا کرتی تھی اور اب حدید کو اس میں زندگی کی کوئی رمق تک نظر نہ آئی۔اس کے چہرے پر کوئی پہچان، کوئی شناسائی تک نہ تھی جیسے اسے سِرے سے حدید قوسین یاد ہی نہ ہو۔یہ سُوچ کر اس کا دِل بے ساختہ ڈوب کر ابُھرا۔

"ایکسکیوز مِی۔"لیفٹیننٹ جنرل قوسین نے حیرت سے اپنے بیٹے کو جاتے دیکھا۔سوائے ڈاکٹر مَنّت کے سب حیران سے دروازے کی سمت دیکھ رہے تھے اور وہ چہرے پر بنا کوئی تاثرات لائے اہم نکُات اسی روانگی سے لکھتی رہی، بوُلتی رہی۔

یعنی تمہارے بعد مجُھے موت آ گئی؟؟ بے رُوح سا وجود میرے پاس رہ گیا

----@-----@-----@-----@----

وہ جس طرح جیپ دوڑاتا ہوا کینٹ میں آیا زاور نے اِنتہائی حیرت سے اسے دیکھا۔اسِ سے پہلے کہ وہ حدید کو آواز دیتا وہ تیزی سے اپنے آفس میں داخل ہوا اور ریوالونگ چیئر پر بے دم سا ہو کر ڈھے گیا۔اس کے اعصاب ابھی تک شل تھے۔وہ خوشی اور افسردگی کے درمیان پنڈولم کی طرح گھوم رہا تھا۔

زاور اس کے آفس میں آیا تو اس کی دگرگوں حالت دیکھ کر پریشان سا اس کی سِمت بڑھا۔"حدید۔" اس نے حدید کا کندھا ہلایا مگر اس نے جیسے محسوس ہی نہیں کیا۔

"میجر حدید۔"اب کی بار زاور نے اسے زور سے جھنجھُوڑا۔ایک گہرا سانس لے کر اس نے جب آنکھیں کھُولیں۔زاور اس کی ضبط سے انگارہ ہوتی آنکھوں کو دیکھ کو دہل گیا۔یہ حالت اس کی ایک خاص موقعے، خاص ذکر پر ہوا کرتی تھی۔

"کیا بات ہے یار، کیوں اِتنا پریشان ہے؟ اللہ سب خیر کرے گا۔"زاور نے نرمی سے کہا۔وہ اس کے دُکھ اور تکلیف کا عینی شاہد تھا۔

"اب کچھ بھی ٹھیک نہیں ہو گا زاور، اس نے گویا مُجھے پہچانا تک نہیں، ایک ہلکی سی شناسائی کا تاثر تک نہیں۔اسے تو یاد بھی نہیں کہ سید حدید قوسین بھی کوئی تھا۔"وہ جیسے گہرے دُکھ اور ملال کے زیرِ اثر تھا۔زاور کا چونک اُٹھنا واجب تھا

۔"کس کی بات کر رہا ہو تُو؟" زاور نے بے یقینی سے پوچھا تو وہ دھیرے سے ہنس پڑا۔

"جیسے تو جانتا نہیں، مَنّت کی بات کر رہا ہوں۔"نام لیتے ہی اس کے چہرے پر شدید اذیت بھرے تاثرات ابُھر آئے، زاور کو برُی طرح جھٹکا لگا۔

"کیا۔۔۔بھابھی سے مِلا ہے تُو؟ کیسے، کہاں، کب؟؟ اس کے بے یقین سوالوں کی ایک لمبی قطار تھی جس کا جواب حدید دینے کے قابل نہیں تھا۔

"تیری تلاش ختم ہو گئی ہے یار پھر تُو اِتنا اُداس اور پریشان کیوں ہے؟؟" دوسری چیئر پر بیٹھتے ہوئے وہ حیرت بھری سنجیدگی سے بولا۔

"تلاش ختم ہوئی ہے میرے دوست، آزمائش نہیں۔"وہ ایک گہری آہ بھر کر رہ گیا۔

ے جس سے مِلنے کی تمنا میں کٹی عمر

ہاتھ جب اسُ نے بڑھایا تو مِلایا نہ گیا۔۔۔

زاور نے دُکھ سے اپنے جگری یار کو دیکھا جو بے حد بے چین تھا اور جو نا جانے کب سے اپنی عمر گنواتا آ رہا تھا۔

----@-----@-----@-----@----

ؔروزِ محشر خُدا سے کہوں گی رحم کر سائیاں

میں تیرے ماننے والوں کو جھیل کر آئی ہوں۔۔۔

گھر آتے ہی اس نے تمام بتیاں جلا دیں۔ آہستہ روی سے چلتے ہوئے آ کر اس نے اپنا بیگ سینٹرل ٹیبل پر رکھا اور خود بھی دھپ سے صوفے پر جا بیٹھی۔ جیسے ہی میٹنگ روم میں کسی کی کرسی دھکیل کر جانا یاد آیا تو بوُجھل دِل کے ساتھ اس نے سَر جھٹکا۔

"مُجھے تم مُصیبت کے وقت کیوں نہیں مِلے سب کی طرح حدید قوسین۔"وہ دھیرے سے بڑبڑاتے ہوئے مُسکرائی۔ وہ بس یوں اکیلے میں ہی مُسکراتی تھی کیونکہ گھر کا سناٹا اسُکے کانوں کو بے حد بَھلا لگتا تھا۔ بَھرے پڑے گھر میں رہنے والی مَنّت اِمام کو اکیلے، دُور سناٹوں میں رہنے کا عادی بننے میں محض دو ماہ لگے اور اب تو وہ آٹھ سالوں کا طویل عرصہ گُزار آئی تھی۔

سب جھٹک کر وہ اوپن کچن کے کاونٹر کے سامنے رکھے ہوئے سٹول پر آ بیٹھی اور پانی گلاس میں ڈال کر گھونٹ گھونٹ پینے لگی۔

وہ ماضی کو فراموش کر ہی چکی تھی، اسُ آسیب سے آزاد ہو گئی تھی مگر آج اسُ شخص کا آنا پھر سے مَنتؒ اِمام کو کانٹوں پر دھکیل گیا تھا۔

----@----@-----@-----@----

بیسمنٹ میں کھڑا شخص جس کی روشنی کی سمت پشت تھی اور رُخ اندھیرے کی طرف وہ مکمل کالے لباس میں ملبوس تھا، سیاہ کالا۔ وہ آدھا جُھکا ہوا کچھ کرنے میں مصروف تھا۔ اور پھر وہ بالکل سیدھا ہو

کر پلٹا اور اس نے ہاتھ مار کر بیسمنٹ کی ساری روشنیاں جلا ڈالیں۔

ایک طرف بنے ریک کو کھول کر اسُ نے تیزی سے دو پھل والے چاقو نکالے اور جھک کر باری باری دونوں گھٹنوں پر لگے اِسٹریپ میں اڑاس لیئے۔پھر وہ ایک شیشے کے بنے ہوئے خلا کی سمت آیا جس کے اندر طرح طرح کی جدید بندوقیں، پسٹلز اور مختلف قسم کا اسلحہ تھا۔شیشے کو کھول کر اس نے دو جدید پستول نکال کر انھیں لوڈ کیئے اور انھیں بھی کالی جیکٹ کے ہک میں اڑاس لیئے۔

مکمل تیاری کے بعد وہ دوبارہ اندھیرے میں گیا اور وہاں سے کچھ پہن کر جب وہ روشنی میں آیا تو اسکے سَر پر کالا ہڈ اور چہرے پر سفید ماسک تھا۔ویسا ہی ماسک جو جادوگر وغیرہ پہن کو اپنا شو کرتے ہیں۔ماتھے سے لے کر ٹھوڑی تک اسکا مکمل چہرہ ماسک تلے تھا۔ہاتھوں میں سیاہ دستانے پہن کر اس نے اُنکا تکہ بنایا اور پھر تیزی سے بیسمنٹ کی سیڑھیاں پھلانگ کر باہر نکل آیا۔

وہ شاید گھر یا کسی سٹوریج ہاوس کا پچھلا حصہ تھا۔وہاں سے آ کر اس نے شیڈ کے نیچے کھڑی ہیوی بائیک سے ہیلمٹ پہنا اور بیٹھ کر کِک لگائی۔"زوں" کی تیزر آواز کے ساتھ اسکا بائیک بندوق سے نکلی ہوئی

گولی کی طرح نکلا اور اپنی منزل کی جانب رواں دواں ہو گیا۔

----@------@------@------@-----

اسی کیس کی فائل جو وہ اس دن آرمی کے ساتھ ڈسکس کر رہی تھی آج اسی کی حتمی رپوٹرت جمع کروانے کے لیئے وہ یہاں دوبارہ موجود تھی۔

"لیفٹیننٹ جنرل قوسین صاحب یہاں آج موجود ہیں؟ کاونٹر پر کھڑے ہوکر اس نے پوچھا تو کاونٹر گرل نے مُسکرا کر اسے اندر جانے کا اِشارہ کیا۔

انکے آفس کا دروازہ کھٹکا کر جب وہ اندر آئی تو اُن کے سامنے سَر جُھکا کر بیٹھے شخص کو دیکھ کر ایک پل کے لیئے اسکا دِل ساکن ہوا تھا مگر پھر رواں دواں ہو گیا اور وہ ماضی کو جھٹک کر دھیرے سے مُسکراتے ہوئے آگے بڑھی۔قوسین صاحب کی باتوں کے جواب میں "ہوں ہاں" کرتے ہوئے اُس نے قدموں کی آہٹ پر سَر اٹھا کر دیکھا تو نگاہ وہیں ٹھہر گئی۔

"اسلام و علیکم سَر، میں یہ فائل آپ کو دینے آئی ہوں فائنل فورنسیک رپورٹ کے ساتھ۔"انکو فائل تھماتے ہوئے اُس نے مودبانہ لہجے میں

کہا۔

"وعلیکم اسلام، بیٹھ جاؤ بیٹا۔"انہوں نے فائل پکڑتے ہوئے خوشدلی سے کہا تو وہ سَر ہلا کر انکے سامنے والے صوفے پر بیٹھ گئی۔وہ شاید واقعی میجر حدید کی موجودگی کو بھُلا بیٹھی تھی جو اِردگرد سے بےپرواہ بس دُکھ اور مُحبت سے اُسے دیکھے جا رہا تھا۔

قوسین صاحب نے ایک سِرسِری نگاہ حدید پر ڈالی تو چونک کر اُسکی نگاہوں کے تعاقب میں دیکھا۔ حدید بِنا پلک جھپکے بہت غور اور اپنائیت سے سائیڈ پر بیٹھی ڈاکٹر اِمام کو فرصت سے دیکھ رہا تھا اور پھر انہوں نے ڈاکٹر اِمام کو دیکھا جو عام سے تاثرات کے ساتھ اُن کو کیس کے بارے میں تھوڑا سا بریف کر رہی تھی۔

"کہیں یہ وہی لڑکی تو نہیں؟" اُنھوں نے چونکتے ہوئے ڈاکٹر مَنّت کو اب کی بار غور سے دیکھتے ہوئے سُوچا کیونکہ میجر حدید نے آج تک

کسی کو بھی نظر بھر کر اِتنی فرصت سے دیکھا تک نہ تھا سوائے ایک ہستی کے تو کیا وہ وہی تھی؟؟ ؟ اور اُدھر حدید کے کانوں میں اُس کی پُرجوش سی آواز گونجی۔"اُو تو آپ آرمی والے ہیں، تبھی میں سوچوں کے بدمعاشوں کو اِیسے کون دُھو سکتا ہے۔"مُسکراتی ہوئی آواز پر کیپٹن حدید نے دِلچسپی سے اُس کی چمکتی آنکھوں کو دیکھا اور بےساختہ ہنس پڑا کیونکہ وہ اُس ڈری سہمی لڑکی سے اب کافی مُختلف لگ رہی تھی۔

"سچ بتائیں وہ کالے نقاب میں جو بندہ تھا جس نے تین بار میری مدد کی وہ آپ ہی تھے نہ؟؟"
آنکھوں میں ڈھیروں تجسس اور یقین کے جگنو لیئے وہ حدید کے دِل میں اپنی جڑیں مضبوط کر چکی تھی۔اُسکے پُریقین لہجے پر وہ بےساختہ چونکا۔

"آپ سے کس نے کہا اِیسا؟" جوس کاٹِن اُس کی سِمت بڑھاتے ہوئے حدید نے دِلچسپی سے پوچھا۔اور اُسکے اِس سوال پر جوس پکڑتے ہوئے وہ کھکھلا کر ہنسی اور پھر ہنستی چلی گئی۔حدید قوسین جوس پینا بُھول کر ڈھیروں اِشتیاق لیئے اُسے دیکھتا رہا۔

"آپ نے مُجھے اِیسا ویسا سمجھ رکھا ہے کیا، کافی ذہین ہوں میں۔ آپکو آپکی آنکھوں سے پہچانا ہے۔یہ کلر کافی یونیک سا ہے شاید اس لِیئے۔"اِنتہائی سادگی سے مُسکراتے ہوئے اُس نے حدید کی تھوڑی سرمائی رنگ کی کانچ کی مانند چمکتی ہوئی آنکھوں کی سِمت اِشارہ کیا۔اُس دِن حدید قوسین کو معلوم ہوا کہ

اُسکی آنکھوں کے رنگوں کا اِمتزاج عام لوگوں سے مُختلف سا ہے۔"اچھا اور آپ کا نام کیا ہے؟" کئی بار کے ٹکراؤ کے بعد نام پُوچھنے کا موقعہ بلا آخر اُسے مل ہی گیا تھا۔

"میرا نام" وہ شرارت سے مُسکرائی۔شاید بات بات پر مُسکراتے رہنا اُس کی عادت تھی۔

"رضیہ" یہ کہہ کر وہ ایک بار پھر ہنستی چلی گئی۔دُور دُور تک پھیلے مارگلہ کے پہاڑوں سے ٹکراتی اُس کی آواز حدید کے کانوں کو بے حد بھلی محسوس ہوئی تھی۔"رضیہ۔"حدید نے زیرِ لب دُھرایا تو وہ مُسکراہٹ چُھپانے کو رُخ مُوڑ گئی۔

"مَنّت۔"اپنے نام کی پکار پر وہ ہڑبڑا کر چونکی اور پیچھے دیکھا۔حدید نے بھی نا سمجھی سے اُسکی نگاہوں کا تعاقب کیا اور پھر اُس کو دیکھا جو کھسیا کر اُٹھ کھڑی ہوئی تھی۔

"مَنّت کی بچی، کہاں تھی تم؟ سب تمہیں کب سے ڈھونڈ رہے ہیں۔"اُسکی بیسٹ کزن مائدہ نے اُسکا ہاتھا کھینچ کر اُسکے لتّے لیئے۔حدید جو ہونق سا نا سمجھی سے کھڑا تھا اِک دم اُسکا اپنا نام بتا کر ہنسنے کی وجہ سمجھ آنے پر قہقہ لگا کر ہنس پڑا۔

مائدہ نے ستائش اور اُلجھن سے جبکہ مَنّت نے بے چارگی سے اُسکو دیکھا جو اپنی ہنسی رُوکنے کا نام نہیں لے رہا تھا۔

"آرمی والے کو چُونا لگا رہی تھی آپ مِس مَنّت۔"بے تحاشہ ہنسی کے ساتھ کہتے ہوئے وہ دیکھتے رہنے کے قابل لگ رہا تھا۔مائدہ نے توصیفی نظروں سے اُس کو تکتے ہوئے مَنّت کو کہنی ماری جو شرمندگی سے کھسیانہ سا مُسکرا رہی تھی۔

"کون ہے یہ ہینڈسم بندہ؟" مائدہ کی منہ پھٹ زبان کسی خوبصورت چہرے کو دیکھ کر نہ پھسلے، ناممکن۔ مَنّت کے چہرے کے سارے رنگوں کو

اُڑتے دیکھ کر حدید کا ایک اور قہقہ لگانے کو جی چاہا۔

"بکو مت، یہ میری کزن ہے مائدہ اور یہ کیپٹن حدید۔" دونوں کو سلام

دُعا کا موقعہ دیئے بغیر وہ جلدی سے مائدہ کا ہاتھ پکڑ کے وہاں سے بھاگ کھڑی ہوئی۔اور حدید دونوں بازو عقب میں باندھے مُحبت سے اُسے لمحہ بہ لمحہ خود سے دُور جاتے دیکھ رہا تھا۔دِل جیسے سرشار اور کچھ بے چین سا تھا۔اُس کو معلوم نہ تھا کہ تقدیر دوبارہ اُس کو کس حال میں اُس لڑکی سے مِلوائے گی جسے دیکھتے رہنے کی خواہش حدید قوسین کو ہو چلی تھی۔

یہ تیرا ہجر کوئی اور ہی غم ہے ورنہ زخم جیسا بھی ہو کچھ روز میں بھر جاتا ہے۔۔۔

"حدید" اپنے نام کی پُکار پر وہ چونک کر سنبھلا۔ایک نظر بابا جان پر ڈال کر اُس نے اپنی سِمت سپاٹ سے تاثرات سے دیکھتی مَنّت کو دیکھا۔یہ وہی مَنّت تھی جس کے چہرے کو دیکھتے رہنے کی خواہش آٹھ سال پہلے حدید کے دِل نے کی تھی۔مَنّت دوبارہ سے اپنے کام میں مشغول ہو گئی تھی اور وہ قوسین صاحب کے کچھ بتانے پر بس نا سمجھی سے سَر ہلائے جا رہا تھا۔

-----@-------@------@------@-----

"بیٹا، میرے بہترین دوست کا آپریشن ہے۔کیا آپ اُس کا کیس لے سکتی ہیں؟" لیفٹیننٹ جنرل قوسین کے کہنے پر وہ بے ساختہ چونکی۔

"سَر اُنکا آپریشن ڈاکٹر رضا نے کرنا ہے، اُنکا کیس پہلے بھی ڈاکٹر رضا نے ہی ہینڈل کیا تھا۔"اُس نے ان ُ کی سِمت فائل بڑھاتے ہوئے نا سمجھی سے کہا۔

"میں اُنکا آپریشن چاہتا ہوں کہ آپ کریں، رسِکی آپریشن ہے اور میں کسی پر اِیسے بھروسہ نہیں کر سکتا۔"قوسین صاحب کی بات پر اُس نے سمجھ کر سَر ہلایا۔

"میں سمجھ سکتی ہوں سَر کہ انکی سرجری بہت پیچیدہ ہے مگر آپ جانتے ہیں کہ میرے ہاسپٹل سے یہاں بس ڈاکٹر رضا ہوتے ہیں۔زندگی اور موت تو ویسے بھی اللہ کے ہاتھ میں ہے سَر اور وہ بہت قابل ڈاکٹر

ہیں، آپ پریشان نہ ہوں۔"اُس نے نہایت نرمی سے ان ُ کو تفصیلاً سمجھایا جو کے اُسکے اصولوں کے خلاف تھا

۔"آپ وہاں کیا ہیں؟" اُس نے انکے سوال پر انکو بغور دیکھا۔

"جی۔"اُس کے سوالیہ انداز پر اس ِ سے پہلے کہ وہ جواب دیتے، دروازہ کھٹکھا کر کوئی اندر آیا اور قوسین صاحب مُسکرا کر بےساختہ اُٹھ کھڑے ہوئے

۔"ارے بیٹا، آج آف ڈیوٹی ہو؟" اُس کے سلام پر انُہوں نے اُسے بیٹھنے کا اِشارہ کیا تو وہ کسی کو بیٹھا دیکھ کر ٹھٹھکا۔

"بابا جان آپ مصروف ہیں تو میں بعد میں آ جاتا ہوں۔"حدید نے اُس مصروف سی لڑکی کو اِک نظر دیکھ کر آہستگی سے کہا۔

"ارے بیٹھو بیٹا، میں ڈاکٹر اِمام سے یاور کی سرجری کے بارے میں ڈسکس کر رہا تھا بس۔" انکے کہنے پر وہ بے چین دِل لیئے صوفے پر بیٹھ گیا۔

"مَنّت بیٹا، آپ یہاں آ جائیں۔" اُنھوں نے حدید کے برابر بیٹھتے ہوئے اُس سے کہا۔ وہ فائلز اُٹھا کر اُن دونوں کے عین سامنے والے صوفے پر آ بیٹھی اور فائلز ساری ٹیبل پر رکھ دیں۔ وہ خود پر مُسلسل کسی کی بے یقین نظریں محسوس کر سکتی تھی۔

"پھر آپ یہ سرجری لیں گی؟" انُھوں نے بات وہیں سے ازسرِ نَو شروع کر دی تو مُنّت کا جی چاہا اپنا سَر پیٹ لے۔ حدید نے سَر اُٹھا کر توسین صاحب کو دیکھا۔

"میں نے آپکو بتایا نہ سَر کہ پھر یاور صاحب کو ہمارے ہاسپٹل شفٹ کرنا ہو گا اور کیونکہ یہ کیس ڈاکٹر رضا کا ہے تو اگر وہ مجُھے ہینڈ اُوور کر دیں تو مجُھے کوئی اِعتراض نہیں ہو گا۔" پُروفیشنل سے لہجے میں کہتے ہوئے اُس نے انُھیں قائل کرنا چاہا۔ حدید دُوبارہ سے سَر جُھکا کر ٹیبل کی سطح کو گھورنے لگ گیا۔

"بیٹا اگر میں آپکو یہاں جاب کرنے کا کہوں؟ آپ کا اُس ہاسپٹل میں کیا ڈیزیگنیشن ہے؟" انہوں نے اصل مُدعا کھُولا۔ حدید نے حیرانگی سے انکو دیکھا۔

"میں ہیڈ آف ڈیپارٹمنٹ ہوں سَر اور مجُھے ڈاکٹر مُصطفیٰ نے بتایا ہے مگر میرے وہاں بہت سے آپریشنز پینڈنگ ہیں۔" مَنّت نے نرمی سے بات رفع دفع کرنی چاہی۔

"چلیں پھر میں آپکو کچھ وقت دے دیتا ہوں آپ سُوچ لیں بیٹا۔" وہ بھی جیسے بضد تھے۔

"جی ضرور، پھر میں چلتی ہوں سَر جزاک اللہ۔" آہستگی سے کہہ کر وہ اُٹھ کھڑی ہوئی۔

"پھر میں ڈاکٹر رضا سے آپکے فیصلے کے بارے میں پوُچھ لونگا بیٹا۔"وہ جیسے ہتھیلی ہر سَرسوں جمانا چاہ رہے تھے۔وہ محض سَر ہلا کر اپنا بیگ کندھے پر ڈالتے ہوئے انکے آفس سے نکلِ گئی۔

اُس کے جاتے ہی قوسین صاحب نے حدید کو دیکھا جو سَر جُھکائے بیٹھا نہ جانے کن خیالوں میں مگن تھا۔

"حدید! کیا بات ہے بیٹا؟" انُہوں نے اسُکے کندھے پر ہاتھ رکھ کر اسُکے خیالوں کا تسلسل رُوک دیا۔

"کچھ بھی نہیں باباجان۔"وہ چونک کر سیدھا ہوا۔

"اور کسی معاملے میں مُجھے تمہارا چہرہ کچھ بتائے یا نہ بتائے مگر صرف ایک ذکر پر تم کُھلی کتاب کی مانند ہوجاتے ہو۔"انُہوں نے مدہم آواز میں کہا تو حدید نے بےساختہ نگاہ چُرائی۔

"کب تک زندگی اُس کی خاطر پھُونک ڈالتے رہو گے بیٹا، آٹھ سال ایک بہت طویل عرصہ ہوتا ہے۔"انُھیں اُس پل ساتھ بیٹھے اپنے اکلوتے بیٹے سے بےپناہ ہمدردی محسوس ہوئی تھی۔وہ اسُی طرح سَرجُھکائے خاموش سا بیٹھا رہا۔

"تمہاری ماں تمہاری شادی کی حسرت لیئے اسِ دُنیا سے چلی گئی اب تو تم شادی کر لو بیٹا۔"انہوں نے وہی تیر چُھوڑا جو جا کر سیدھا نشانے پر جا لگتا تھا۔وہ یک دم بے چینی سے پہلو بدل کر رہ گیا۔

"وجہ آپ بھی جانتے ہیں بابا جان کہ میں شادی کیوں نہیں کرتا پھر بار بار مُجھ پر زور ڈال کر مُجھے اذیت نہ دیں پہلے ہی میرے اوپر بہت بوُجھ لدا ہوا ہے۔"وہ جیسے عاجز آ کر بولا۔قوسین صاحب نے اسُکو ترحم بھری نظروں سے دیکھا جو آٹھ سال سے ایک ہی جگہ ٹھہر گیا تھا

"تم وقتی قول کی وجہ سے اپنی زندگی برباد کر رہے ہو بیٹا، وہ لڑکی نہ جانے کہاں ہو گی۔ اسکو صرف تمہارے نام کی ضرورت تھی، تمہاری نہیں۔ نکل آؤ بیٹا اُس ماضی سے۔" انہوں نے آج آخری بار کوشش کرنے چاہی۔

"وہ میری مُحبت تھی اور ہے باباجان اور میں اپنی زندگی میں اسکے علاوہ کسی اور کو لانے کا تصور بھی نہیں کرسکتا۔ اب ہی تو کچھ امید بندھی ہے اسکے مِل جانے کی اور آپ کہہ رہے ہیں نکِل آؤں اُس ماضی سے۔" وہ کیسے کچھ دُکھ کچھ مُبہم سی اُمید کے تحط بولا۔ "مطلب؟ کہاں مِلی وہ تمھیں؟" وہ حیرت اور خوشی سے مکمل اُس کی سِمت مُڑ گئے تو حدید کے چہرے پر دھیمی سی مُسکراہٹ رینگ گئی۔ "کبھی فُرصت میں بتاؤں گا آپکو۔" کہہ کر وہ اُٹھ کھڑا ہوا۔ قوسین صاحب نے اثبات میں سَر ہلانا ہی مُناسب سمجھا انہوں نے تسلیم کر لیا تھا کہ وہ حدید کو کم ازکم مجبور نہیں کر سکتے تھے کسی بھی معاملے میں۔ وہ جیسے ہی دروازے پر پہنچا اُسے ٹھہر جانا پڑا۔

"اُو ہاں بیٹا! بات سُنو۔" قوسین صاحب کی آواز پر وہ فوراً پلٹا اور انکی طرف آیا جو اب ایک بکُ شیلف کے آخری دراز میں کچھ تلاش کر رہے تھے۔

"کیا بات ہے بابا جان؟ پھر کوئی ٹِپ مِلی ہے کیا؟" سب کچھ بھُول بھال کر وہ انکے عقب میں کھڑا تجسس سے پوُچھ رہا تھا۔

"ہاں دوبارہ آج مُجھے صبح آفس آتے ہوئے کوریر سے بھیجی گئی ہے اور بھیجنے والے نے ہمیشہ کی طرح اپنے آپکو ظاہر نہیں کیا۔" انہوں نے ایک کالے رنگ کا لفافہ اسُکی سِمت بڑھاتے ہوئے ہوئے کہا جسے اسُ نے ڈھیروں تجسس اور حیرت سے تھام لیا۔

"میں چاہتا ہوں اسِ کیس پر تم ہی کام کرو، میں ریاض والا کیس ہاسپٹل آ کر خود ہی ہینڈل کر لوں گا۔کل مِیٹنگ میں بھی زیادہ تر تمہارا ہی کہہ رہے تھے اور پھر یہ جو کوئی بھی ہے ہماری مدد کرنا چاہتا ہے کہیں پہنچنے کے لیئے اسِ لیئے پچھلے دو، تین سالوں سے بغیر کسی غرض کے ہمیں ٹپِ دے رہا ہے اور اسِ نے قانون بھی ہاتھ میں نہیں لیا۔"انُہوں نے حدید کو تیزی سے مُختلف صفحے اور ایک یو-ایس-بی لیپ ٹاپ میں پلگ کرتے دیکھ کر کہا۔وہ حدید کا دھیان اسُ لڑکی سے ہٹانا چاہتے تھے اور وہ جانتے تھے کہ اسِ کیس کو لے کر حدید کتنا سنجیدہ تھا ہمیشہ سے مگر تب کیس حدید کو ہینڈ اوُور کرنے کے آڈرز نہیں تھے۔

"یہ جو کوئی بھی ہے مجُھے تمہاری طرح ہی سَر پھرا، بہادر اور خوامخواہ میں بِنا کسی ڈر کے مشکل معاملات میں کود پڑنے والا لگتا ہے۔"انہوں نے مسُکرا کر کہا تو حدید بے ساختہ ہنس پڑا۔

"بالکل اور اسِ لیئے یہ اِنجان مددگار یا دشمن میرا تجسس اور کھُوج کو مزید بڑھا رہا ہے۔خیر ایک بات تو طے ہے کہ دشمن کا دشمن دوست ہوتا ہے لگتا ہے اسِ انجان شخص اور میرا ٹارگٹ ایک ہی ہے۔"مسُکراتے ہوئے اسُ نے یو-اِیس-بی نکال کر اپنی پاکٹ میں ڈالی اور فائلوں میں وہ کالا لفافہ ڈالتے ہوئے کہا۔

"سہی ہے پھر۔بیسٹ آف لک تمہیں برَخوردار۔"انہوں نے آگے بڑھ کر اسُکا کندھا مُحبت اور فخر سے تھپکتے ہوئے کہا تو حدید نے سَر کو ہلکا سا خم سے کر بڑے پرُزور انداز میں انکو سلیوٹ مارا اور "خداحافظ

سَر" کہتا ہوا انکے آفس سے نکل گیا۔

-----@-----@------@-----@-----

"تم نے اسُ لیفٹیننٹ جنرل تک وہ کوریر بھجوا دیا تھا بخیر سُومیں نے تمہارے اکاؤنٹ میں پیسے ڈلوا دیئے ہیں۔"کالی جیکٹ اتارتے ہوئے اس نے کوریر والے کو کال پر کہا۔

"ضرورت پڑتی رہے گی تمہاری آگے بھی اِیسے ہی، اللہ حافظ۔"بغیر اسکی بات سُنے اس نے کال ڈراپ کر کے کان سے بلُوٹوتھ نکال کر سامنے پڑے سیاہ ٹیبل پر پھینکا اور پھر دستانے بھی اتار کر ساتھ ہی پھینکے پھر صوفے پر بیٹھ کر سامنے پڑے لیپ ٹاپ کو اپنی سِمت دھکیل کر روشن کیا۔گُو کہ اسکا چہرہ سفید ماسک سے ماورا تھا مگر لیپ ٹاپ کی مدہم روشنی اسکے چہرے کے نقوش دِکھانے میں ناکام ثابت ہو رہی تھی۔وہ جو "ہمزاد" تھا اندھیرے اسکے ساتھی اور وہ اندھیروں کا ساتھی تھا۔روشنی سے اسکا دُور دُور تک کوئی واسطہ نہیں تھا۔اسکے اندر اور باہر دُور دُور تک اندھیرے پھیلے ہوئے تھے۔ایک بات جو اسکی سب سے جُدا تھی کہ ہمزاد اندھیروں کو ہی نگلتا تھا۔روشنیوں کو ہمیشہ کے لیئے روشن رکھنے کے لیئے وہ اندھیرے نگل جاتا تھا۔وہ سب سے الگ تھا۔

----@-----@-----@-----@-----

اپنے کمرے میں بیٹھا وہ کافی کے سِپ لیتا ہوا اِنتہائی اِنہماک سے انُ ساری فائلز کا مطالعہ کر رہا تھا کہ وہی کالا لفافہ فائلز میں سے نیچے گِر کر اسکی توجہ کھینچ گیا۔کافی کا کپ سائیڈ ٹیبل پر رکھ کر اس نے جُھک کر وہ کالا لفافہ اٹُھا لیا۔کچھ تجسس سے اس نے لفافہ چہرے کے قریب کیا۔وہ لفافہ سَرد تھا، بہت سَرد اور اس سے ایک عجیب سی خوشبو آ رہی تھی۔کچھ چونک کر وہ لفافہ چہرے کا قریب لیا مگر اس خوشبو کو وہ کوئی نام نہ دے پایا۔کچھ الُجھ کر اس نے لفافہ کھُولا اور اس کی نگاہ اندر موجود سفید

کاغذ سے ٹکرا گئی، جلدی سے اس نے وہ کاغذ نکالا اس کو کُھولا تو اس میں انگریزی کے چند حرفوں پر اسکی نگاہ

پھسلتی چلی گئی۔"(Fake it, until you make it.... Silence!)"

وہ دھیرے سے مُسکرایا۔دوبارہ، سہہ بارہ وہ انُ انگریزی کے حرفوں کو پڑھتا رہا اور اسکی مُسکراہٹ گہری ہوتی گئی۔

"مَنّت کے بعد یہ پہلا انجان شخص ہے جو میری توجہ کھینچ رہا ہے۔میرے اسِرار کو بڑھا رہا ہے۔" لفافے کو الُٹ پلٹ کرتے ہوئے وہ مدہم سا زیرِلب بولا۔اس نے لفافے کے کونے کو انگلی سے چُھوا تو ایک عجیب سا اِحساس ہوا۔وہ جگہ باقی لفافے کی نِسبت تھوڑی مُلائم اور

پھسلن ذدہ تھی۔اسکے دماغ میں یک دم سپارک ہوا اور وہ تیزی سے اُٹھ بیٹھا۔سائیڈ کی دراز سے لائیٹر نکال کر وہ لفافے کے قریب لایا۔

"موم" دھیرے سے کہتے ہوئے اس نے لائٹر جلا کر لفافے سے اِتنا ہی دُور رکھا کہ بس آگ کی گرمائش اس کونے تک پہنچ پائے۔وہ موم ہی تھی۔جیسے جیسے وہ پگھلتی گئی حدید قوسین کا تجسس اور اشتیاق بڑھتا گیا۔اور آخرکار تین سال بعد حدید قوسین اپنے والد کی ہر موقع پر مدد کرنے والے کا نام جان ہی گیا۔"ہمزاد۔۔۔۔"

----@-----@-----@-----@-----

"ایم سُوری ڈاکٹر مَنّت! اس دن آپکو پرُپوز کرنے کے بارے میں، میں اپنی بہن سے بات کر رہا تھا اور شاید تب کسی نے سُن لیا اور بات کو پھیلا دیا۔" پریشانی اور شرمندگی سے پیشانی مسلتے ہوئے مُصطفیٰ نے کہا تو ڈاکٹر مَنّت نے صرف سَر ہلانے پر اِکتفاء کیا اور اُٹھ کھڑی ہوئی۔

"میں اِسی ہاسپٹل میں رہنا چاہتی ہوں اور ڈاکٹر رضا سے میں نے بات کرلی ہے سُو اُنھوں نے مجھے قوسین صاحب کے دوست کا کیس ہینڈ اوُور کر دیا ہے۔" فائلز اُٹھا کر وہ مصروف انداز میں بولی اور پھر ڈاکٹر مُصطفیٰ کے آفس سے نکلتی چلی گئی۔

مُصطفیٰ تادیر دروازے کو دیکھتا رہا جہاں سے وہ گئی تھی وہ جو اسکے دِل کی سب سے اونچی مسند پر بڑے ہی طمراق سے براجمان تھی۔ وہ ایک باشعور اور اِنتہائی ذمہ دار ڈاکٹر تھا اور زندگی میں عورت ذات سے بھی اسکی دِلچسپی بالکل سِفر تھی مگر مَنّت اِمام وہ سب سے جُدا تھی جو لاکھوں پہروں اور بندوشوں کو توڑتے ہوئے اسکے دِل میں دھڑلے سے گُھس آئی تھی اور وہ چاہ کر بھی کوئی احتجاج نہ کر سکا تھا شاید وہ کوئی احتجاج کرنا بھی نہیں چاہتا تھا۔ ایک دُنیا اسکو جانتی تھی، ایک نام تھا اسکا، ایک پہچان تھی مگر جس کی نظروں میں وہ اپنا نام اور مقام دیکھنا چاہتا تھا اس نے کبھی مُصطفیٰ پر ایک بھرپور مُکمل نظر تک نہ ڈالی تھی۔ وہ مُنتظر تھا کہ کب وہ اس پر نگاہ ڈالے، وہ تاعمر اِنتظار کے لیئے تیار تھا۔ اُمید کے ساتھ، مُحبت کے ساتھ مگر وہ

نہیں جانتا تھا کہ وہ صدا مُنتظر ہی رہے گا۔۔

تُجھ کو چاہ رہے ہیں گرچہ ہمارا نہیں ہے تُو ؎

اے شخص! تُو ہماری دریا دِلی تو دیکھ۔۔۔

------@------@------@------@------

اسکا جی چاہ رہا تھا کہ وہ آج ہاسپٹل کا چکر لگا ہی آئے۔دو دن ہو گے تھے اسکو دُور سے ہی صرف دیکھے۔آٹھ سالوں سے مُسلسل صبر کرنے والے سے دو دن گُزارنے مُحال تھے۔وہ کیا کرے، کیسے وہاں جائے؟ کوئی راہ ہی سُجھائی نہیں دے رہی تھی۔وہ ہاسپٹل کسی کیس کے سلسلے میں بہت مُشکل سے وقت نکال کر جایا کرتا تھا۔وہ بھی بابا جان بُلا بلا کر تھک جاتے تب کہیں جا کر وہ بامُشکل پندرہ منٹ کے لیئے آ پاتا۔اب جیسے فرصت ہی فرصت تھی۔آج وہ جانا چاہ رہا تھا تو کوئی اسے بلا کیوں نہیں رہا تھا؟ زاور سے اسکی بے چینی پوُشیدہ نہیں تھی۔وہ اسکے سب حالوں سے واقف تھا۔وہ اسکو بس اِدھر اُدھر بے چینی سے ٹہلتے دیکھ سکتا تھا اور دیکھ رہا تھا

۔"یار کیا کروں، کیسے جاؤں وہاں خُدایا۔"یک دم رُک کر اس نے زاور کو دیکھ کر پھر اوپر کی سِمت دیکھتے ہوئے بے بسی سے کہا۔

"یار میں اسکو حقیقت بتانا چاہتا ہوں، میں چاہتا ہوں کہ جو اس سے چُھپایا گیا تھا وہ سب بتاؤں۔وہ میری سِمت نہیں دیکھتی ہے زاور، یار صرف ایک بار دیکھا تھا اس نے اور میں شرمندہ ہو کر رہ گیا تھا۔اسکی آنکھوں میں نہ سوال تھے، نہ گِلے، نہ شکایتیں۔یار کچھ تو ہو۔"وہ جیسے تھک ہار کر بیٹھ گیا۔

زاور نے اسکے کندھے پر نرمی سے ہاتھ رکھا اور اُٹھ کھڑا ہوا۔

"چل یار، فِلحال تو پرائیوٹ ہاسپٹل جانا ہے علی کو دیکھنے پھر وہاں سے انکل سے مِلنے چلتے ہیں۔"زاور کے کہنے پر وہ چونک کر اٹھا اور پھر جیسے کچھ فیصلہ کر کے جیپ کی چابی اٹُھائی۔

"چل پھر۔"زاور کو ایک گُونہ تسلی ہوئی اور پھر وہ بھی اسکے پیچھے چل پڑا۔

سامنے ہاسپٹل کی عمارت پوری شان سے کھڑی تھی۔عام ہاسپٹل کی طرح یہاں لوگوں کا جم غفیر نہ تھا شاید کیونکہ یہ ایک مہنگا ہاسپٹل تھا۔وہ دونوں اس وقت ان ڈیوٹی تھے سُو اس خاکی وردی میں ملبوس تھے جسے دیکھ کر ہر پاکستانی کے دِل کی دھڑکن تیز ہو جایا کرتی ہے۔اب بھی کئی لوگوں نے پلٹ پلٹ کر انکو اِحترام، عقیدت اور دِلچسپی سے دیکھا مگر حدید سب کی نظروں سے بے نیاز پرسوچ سا اندر کی طرف بڑھ رہا تھا جبکہ زاور ضرور مُسکرا کر داد وصول کر رہا تھا۔کاونٹر سے علی کا روم نمبر پوچھ کر وہ لفٹ میں آگئے، اسِ سے پہلے کے لفٹ بند ہوتی ایک لیڈی ڈاکٹر تیزی سے بھاگتی ہوئی آئی اور مُسکرا کر لِفٹ میں گُھس گئی۔

"ایم سُوری، میں جلدی میں ہوں۔ذرا سی دیر ہو گئی تو ہماری ہیڈ بہت غصہ کریں گی۔"وہ لڑکی معصومیت اور بے چارگی سے بولی۔زاور نے خوشدلی سے سمجھ کر سَر ہلایا تو وہ سائیڈ ہر کھڑی ہو گئی۔ اِتنے میں اسی ڈاکٹر کا فون گُنگنا اٹُھا۔کھسیا کر اسُ نے ان

دونوں کو دیکھا اور تیزی سے کال اٹینڈ کی۔وہ شاید ہاوس جاب کرنے والی کوئی نئ ڈاکٹر تھی تبھی اِتنی بدحواس دِکھ رہی تھی۔

"ہاں میں آ رہی ہوں، کیا سَر مُصطفیٰ بھی آئیں گے وہاں؟ خدا کا واسطہ ہے اب اس معاملے کو سب بھول جاؤ ڈاکٹر مَنّت تک تم لوگوں کی حرکتیں پہنچ گئیں نہ تو پھر دیکھ لینا انُکا غصہ۔منہ سے کچھ نہیں کہیں گی نظروں سے ِگرا دیں گی۔"بے چارگی اور بے بسی سے وہ اوُنچا کہہ گئی۔جہاں زاور چونک کر حدید کو دیکھنے لگا وہیں حدید بھی سنبھل کر کھڑا ہو گیا۔اب اسکے تاثرات سپاٹ نہیں تھے۔

"افُ افُ، تم ڈاکٹر ہو یا نیوز کاسٹر فضول اِنسان۔ڈاکٹر مُصطفیٰ نے ڈاکٹر مَنّت کو پرپوز کیا تھا مُجھے نہیں۔جا کر ان سے جواب مانگو یا پھر ڈاکٹر مریم سے اپنی طبیعت صاف کراؤ۔"کھری کھری سُنا کر اس نے اگلے کی سُنے بغیر فون کاٹ کر اپنے ڈاکٹرز گاؤن میں گُھسایا۔لِفٹ کے کُھلتے ہی وہ بدحواسی سے تیر کی طرح تیزی سے بھاگ گئی۔زاور نے سُن کھڑے بے چین سے حدید کا شانہ ہلایا۔وہ جیسے کسی خواب سے جاگا تھا۔زاور نے باہر نکلنے کا اِشارہ کیا پھر وہ دونوں خاموشی سے راہداری میں آگے بڑھتے جا رہے تھے۔زاور خاموش تھا اور حدید، اسکے کانوں میں بس یہی الفاظ گونج رہے تھے "ڈاکٹر مُصطفیٰ نے ڈاکٹر مَنّت کو پرپُوز کیا تھا۔"اور اِن ہی الفاظ کی گردان جاری رہنی تھی اگر علی کا روم نہ آجاتا۔اس نے زاور کے دروازہ کھُولنے پر سَر کو بے اِختیار جھٹکا اور سنبھل کر اندر آیا۔ابھی وہ پچھلے حملے سے سنبھل نہ پایا تھا کہ سامنے اسی کو کھڑے دیکھ کر ہاں ڈاکٹر مَنّت اِمام کو کھڑے دیکھ کر اسکا دِل پھر سے دھڑکنا بھُول گیا جیسے کئی سال پہلے بھُول گیا تھا۔وہ ساکن دِل لیئے اس کو اپنے ساتھی ڈاکٹرز سے کچھ کہتے ہوئے سُن رہا تھا بِنا پلک جھپکے۔اِردگرد کا ہر منظر دُھندلا گیا تھا اور اس نے خود کو اور مَنّت کو مارگلہ کے پہاڑوں کے بیچ ایک کُھلی جگہ پر پایا۔ہاں وہیں جہاں سے سب شروع ہوا تھا اور جہاں سید حدید قوسین نے خود کو کھُو دیا تھا۔جہاں سامنے کھڑی لڑکی کی معصوم، بے ریا مُسکراہٹ نے اسے ہمیشہ کے لیئے اپنا پابند کر دیا تھا۔

"حدید۔۔۔"اپنے نام کی دُور سے آتی پکار اسکو اس سحر سے آزاد کروا لائی جس میں وہ پھر سے جکڑنے والا تھا۔چونکے بِنا اس نے نگاہوں کا زاویہ بدل کر زاور کو دیکھا جو علی کے سِرہانے کھڑا تاسف سے اسکو دیکھ رہا تھا۔

"سَر آپ کیوں آ گئے یہاں؟" علی اسکو دیکھ کر اُٹھ بیٹھا تھا۔اس نے پھر مَنّت کو دیکھا جو شاید بہت مصروف تھی وہ ہلکا سا مُسکراتا ہوا علی کی طرف آیا۔

"لیٹے رہو یار، شرمندہ نہ کرو کہو کیا پروگرس رہی؟" اس نے علی کے کندھے پر ہاتھ رکھتے ہوئے دوستانہ انداز میں پوچھا۔علی انکی فیلڈ کا نہیں تھا بس ایک ایکسیڈنٹ میں جو کہ کچھ روز پہلے ہی ہوا تھا میں انکے سامنے زخمی ہوا تھا۔سَر پر لگنے والی شدید چوٹ کے باعث وہ دونوں اسکو قریبی نجی ہاسپٹل لے آئے تھے۔

"اب تو آپریشن کے بعد کافی بہتر ہوں اللہ کا شکر سَر۔"علی کے کہنے پر اس نے مُسکرا کر سَر ہلایا۔ اسِ سے پہلے وہ کچھ کہتا درواز کُھلنے کی آواز پر وہ ٹھہرا اور پھر۔۔۔

"ڈاکٹر مُصطفیٰ، جذاک اللہ آنے کے لیئے۔میں نے آپکے پیشنٹ کی رپورٹ تیار کر دی ہے۔"وہ اسی مخصوص ٹھہرے ہوئے لہجے میں بولی جو اسکا اب خاصہ تھا۔جو حدید کے علاوہ باقی سب کے لیئے نیا نہیں تھا۔حدید بے اِختیار پلٹا۔سامنے وہی ڈاکٹر مُصطفیٰ تھا، وہی جس نے ڈاکٹر مَنّت کو پرپوُز کیا تھا۔وہ بہت فرصت سےڈاکٹر مُصطفیٰ کو دیکھ رہا تھا۔وہ اس شخص کو جانتا تھا مگر پھر بھی حدید کو تکلیف ہوئی تھی۔مَنّت تھی وہ لڑکی جس کا مُصطفیٰ ذکر کیا کرتا تھا۔بے حد اپنائیت سے، بہت مُحبت سے۔ابھی بھی مُنّت کو دیکھتے ہوئے مُصطفیٰ کی آنکھیں کچھ اور روشن ہو گئیں تھیں۔زاور بھی حیران، پریشان کھڑا تھا اسِ اِتفاق پر۔

"ارے میجر! تم یہاں یار۔"ڈاکٹر مُصطفیٰ کی اس پر اچانک نظر پڑی تو وہ خوشگواریت سے حدید کی طرف بڑھا جو ابھی تک ساکِن اور بےیقین کھڑا تھا۔۔سب نے ایک ساتھ میجر حدید کو دیکھا ڈاکٹر مَنتّ

نے بھی آخرکار مگر بے حد سَرسَری سا۔

"بس علی سے مِلنے آئے تھے۔"وہ بامُشکل سنبھل کر بولا۔

"ٹرانسفر کب ہوا تمہارا یہاں؟" وہ اس سے مصافحہ کرتے ہوئے مُسکرا کر بولا۔مَنتّ کچھ چونکی تھی نامحسوس طریقے سے۔

"بس کچھ ماہ پہلے۔"یہ کہتے ہوئے مَنّت نے اسکے چہرے کو یک دَم

سفید پڑتے دیکھ کر رُخ بدل لیا۔

"کسی دِن کینٹ آنا نہ۔"وہ اب بالاآخر مُسکرا کر بولا۔

"ضرور یار اور تمہارے پیشنٹ دوست کی کنڈیشن۔ڈاکٹر اِمام کیا صورتحال ہے؟" وہ اب سنجدگی سے مَنّت کی سَمت متوجہ ہوا جو سب کے لیئے بس ڈاکٹر اِمام تھی۔

"ٹھیک ہیں۔آپریشن اچھا رہا بس کچھ دِن انکو مزید انڈر ابزرویشن رکھنا ہو گا۔ڈاکٹر ارباب۔"یہ کہہ کر وہ اسی جونئیر ڈاکٹر کی سِمت مُڑی جو حدید اور زاور کے ساتھ لِفٹ میں آئی تھی۔ابھی بھی اسکے چہرے پر ہوائیاں اڑُ رہی تھیں۔وہ تیزی سے آگے آئی۔

"یس میم۔"تھوک نگِل کر وہ بامُشکل بولی۔

"آپ نے علی کو دیکھتے رہنا ہے یکسُوئی سے، رائٹ؟" اسُ نے ارباب کے پسینے سے اٹے ہاتھوں کو دیکھ کر دوٹوک لہجے میں کہا وہ محض سَر ہی ہلا سکی۔ یہ کہہ کر وہ ارباب کے پاس سے گُزرتے ہوئے ٹھہری اسُکے بھیگے ہاتھوں میں ٹشو پیپر پکڑا کر اِنتہائی آہستگی سے کچھ کہہ کر اسُ روم سے باہر چلی گئی۔ ڈاکٹر ارباب نے ہاتھ صاف کرتے ہوئے حیرت سے بند ہوتے دروازے کو دیکھا۔ آج پہلی بار ڈاکٹر مَنتّ نے اس سے کچھ کہا تھا جب سے وہ یہاں آئی تھی۔ اور جو بھی کہا تھا وہ پروفیشنل باتوں سے ہٹ کر تھا۔ اسُ نے بے اِختیار اِدھر ادُھر دیکھا مگر کوئی اسکی سِمت متوجہ نہیں تھا۔ ڈاکٹر ارباب کو معلوم نہیں تھا کہ اس سے کچھ ہی فاصلے پر کھڑے شخص نے بھی سُن لیا تھا۔ حیرت سے، تعجب سے، مَلال سے۔۔۔

-----@-----@-----@-----@-----

"اپنے خوف کو چُھپانا سیکھو۔" حدید کے کانوں میں ایک بار پھر مَنّت کا سَرد، خون مُنجمند کر دینے والا لہجہ گونجا۔ حدید کو مَنّت کے لہجے میں جیسے زمانوں کا تجربہ، صدیوں کا سبق سُنائی دیا تھا۔ وہ نہیں جانتا تھا کہ وہ آٹھ سالوں سے کہاں تھی، کِن حالات سے گُزری تھی مگر اس نے مَنّت کو پھر بھی ہر جگہ ڈھونڈا تھا۔ اور اسُکا انِتظار لاحاصل ہی رہا۔ اسکو نہ مِلنا تھا نہ وہ دوبارہ حدید قوسین کو کبھی مِلی کیونکہ وہ تو حدید قوسین کے گمان سے بہت پرے شہر اِقتدار سے بےاِنتہا دُور اِن سوات کے پہاڑوں میں آبسی تھی۔ آخر مَنّت یہاں کیسے؟ اسکی تو شہر اِقتدار میں جان ہوا کرتی تھی۔ وہ سُوچتا جاتا اور مزید الُجھتا جاتا۔ اسکے کانوں میں مائدہ کے الفاظ پھر سے گُونجنے لگتے۔

"آپکی ہر کوشش بے کار رہے گی۔ میں اسکی قریب ترین دوست اور کزن ہوں۔اس نے مُجھے صاف کہا تھا کہ وہ آپکی شکل تو کیا آپکا ذکر بھی نہیں سُننا چاہتی اسِ لیئے یہاں سے گئی ہے وہ۔"وہ جانتا تھا کہ مائدہ بہت مُنہ پھٹ ہے مگر وہ ہمشہ مَنتّ کی وجہ سے اسُکے لہجے اور الفاظ برداُشت کرجاتا تھا کہ وہ مَنتّ کو بے حد عزیز تھی۔اسُکا ذکر کرتے ہی مَنتّ کے مُنہ میں جیسے مٹھاس سی گھل جاتی تھی۔اِیسی تھی وہ مَنتّ اِمام کے لیئے۔مگر اس بار کا آخری لہجہ مائدہ کا اسکے دِل میں گڑ گیا۔اور تابوت کی آخری کیل ثابت ہوا تھا۔

"یہ کاغذات میں آپکے ہاتھوں میں تھما رہی ہوں جبکہ اس نے کہا تھا کہ آپکے مُنہ پر دے ماروں۔ اس میں نہ سہی مُجھ میں اِتنی اِخلاقیات ہیں کہ اپنی بہن جیسی کزن کے شوہر سے پیار سے بات کروں۔"وہ مُسکرا کر کہہ رہی تھی مگر حدید اسُکو اندر تک جانتا تھا۔اس کے ہر ہر انداز میں حدید کے لیئے نفرت ہی نفرت تھی۔آخر کیوں وہ مَنتّ کو بتا نہیں سکا تھا؟؟ آخری الفاظ کہتے ہوئے اسکا لہجہ بہت عجیب ہو گیا تھا۔اِتنا عجیب کے حدید بھی اسُکو جاننے کے باوجود اسکے اس مکّر کو نہ سمجھ سکا۔وہی عورت کا مکّر جس کی طرف قران نے اِشارہ کیا ہے۔

"مَنتّ کا شوہر" کہتے ہوئے اسکے لہجے میں حسد اور جلن کی ایک آنچ سی تھی جسے وہ محسوس کر کے بھی نظر انداز کر گیا۔انُ کاغذات کو کھُول کر بھی حدید کے اِرادے متزلزل نہ ہوئے تھے۔اس نے پھر بابا جان اور زاور کو شادی کا چیپٹر کھُولتے دیکھ کر بہت عرصے بعد کہا تھا کہ "میں یوں مَنتّ کو نہیں گنوا سکتا۔معجزہ جو بے یقینی سے رُونما ہوا تھا اسکو میں اسِ طرح سے رائیگاں جانے نہیں دے سکتا۔اگر میرا کوئی انداز، کوئی لہجہ، کوئی بھی بات مَنتّ کا دِل دُکھا گئی ہے تو میں اسکے قدموں میں

بیٹھنے تک کا روادار ہوں۔ بس مَنّت کہیں سے تو آئے بابا۔ کیا حدید کی مُحبت کا اِتنا حق نہیں ہے کہ اسکو بتایا جائے کہ اس سے کونسی خطا ہوئی تھی۔ اِن گزرے برسوں میں، میں نے اپنے اندر ہر برائی، ہر نئ خطا، ہر غلطی کو تراشا مگر سب بے سُود مَنّت نہیں آئی کبھی۔ میری ماں مر گئی، میری جان سے پیاری بہن گئی مگر میں پھر بھی مَنّت کو تلاشتا رہا۔ بہن گنوائی تھی سُو مَنّت بھی گئی بابا۔" اور پھر وہ بہت رُویا تھا۔ جیسے وہ اپنی ماں اور بہن کی جدائی پر بھی نہ رُو سکا تھا۔ یوں جیسے اُس دِن ہی حدید نے اپنی زندگی کے تین محبوب رشتے گنوائے ہوں۔۔۔

کون تھا جو رہا اپنے شب و روز میں گُم ؎ مَر گئے کس کی مُنڈیروں پہ کبوتر میرے۔۔۔

-----@-----@------@-----@------

وہ سَردیوں کی ایک سَرد ترین رات تھی جس میں وہ اپنا ہیوی بائیک سُنسان سڑک پر دُوڑاتا ہوا منزل کی سِمت رواں دواں تھا۔ پہاڑوں میں کاٹ کر بنائی گئی سڑک سے جب اسُکا بائیک گُزرا تو وہاں عجیب سی گونج اور شور سا مچ گیا۔ اس وقت فضا میں کوئی چرند پرند بھی نہ تھے۔ صرف وہ تھا کالے لباس میں ملبوس اس سیاہ رات کا اٹوٹ انگ محسوس ہو رہا تھا۔ آخرکار اس نے بائیک ایک سِمت جھاڑیوں کے قریب روکا اور پھر گھسیٹ کر اسکو خاردار جھاڑیوں میں چُھپا کر وہ تقریباً دُوڑتا ہوا آگے بڑھ رہا تھا مگر اسکے قدموں کی آواز سُنائی نہیں دے رہی تھی۔ وہ پھرتی سے ایک پتھر کی اوٹھ میں ہو گیا اور پھر اُوٹھ سے نکل کر دوسری سِمت کا منظر دیکھنے لگا۔ جاں گُسل انتظار ختم ہو ہی گیا۔ مُختلف گاڑیوں اور پھر ایک بڑے سے ٹرک کی آواز نے رات کے پرسکون ماحول میں شور سا برپا کر دیا۔ وہ لگ بھگ چار جیپیں تھیں اور ایک ٹرک۔

"میرے ہوتے ہوئے یہ کام تمہارا نہیں ہو سکتا۔" وہ دھیرے سے بڑبڑایا۔ اسکی آواز بھاری تھی سَرد، اِنتقام سے بھرپور۔ آنکھوں سے لپکتے شعلوں نے اسکی نفرت کو کچھ اور اجاگر کر دیا تھا۔ وہ سَر جھٹک کر محتاط قدموں سے آگے بڑھنے ہی لگا تھا کہ اچانک اسکو ٹھہر جانا پڑا کیونکہ اسکی تیز حسیات نے کسی اور کی موجودگی کا سگنل اسے فوراً دیا تھا۔ گردن گھمائے بغیر اس نے نظریں تیزی سے اپنی اُلٹی طرف گُھمائیں۔ وہ بھی پتھر کی اوٹھ میں تھا۔ اسی کی طرح کالے لباس میں ملبوس۔ چہرے پر سفید ماسک چڑھائے، بے حد محتاط۔ چاند کی روشنی اس شخص پر پڑھ کر اسکو مزید ہولناک بنا رہی تھی۔

"کہیں یہ ہمزاد تو نہیں۔" حدید کے دماغ میں پہلا خیال اسی کا آیا تو وہ مزید چوکنّا ہو گیا۔ اب حدید کو دو محاذوں پر لڑنا تھا کیونکہ وہ نہیں جانتا تھا کہ دوسرا شخص ہمزاد ہے بھی یا نہیں اور اگر ہے تو وہ حدید کا دشمن بھی ہو سکتا ہے۔ خیر وہ اسِ ہمزاد سے بعد میں نبٹ لے گا۔ اس پر سے نگِاہ ہٹا کر وہ تیزی سے آگے بڑھنے لگا بِنا اسکی نظروں میں آئے۔

ایک درخت کے قریب ہو کر اس نے کندھے پر پہنے بیگ سے کچھ نکالا اور مُنہ میں لے جا کر اسکی پنِ نکالنے ہی لگا تھا کہ حیرت سے وہ دنگ رہ گیا۔ بے اِختیار غصے سے اسکی آنکھیں پھیل گئیں۔

"ستیاناس، میرے سارے بچھائے جال کو مٹی میں مِلا دے گا یہ پاگل اِنسان۔" بیگ بند کر کے پہنتا ہوا وہ جھاڑیاں پھلانگتا ہوا ہمزاد تک آیا جو تقریباً ہر پتھر کو ہٹاتا ہوا اِنتظار سے اُکتا کر ایک آدمی کی گردن پر بٹ مار کر اس کو بے ہوش کر چکا تھا۔ حدید تیزی سے اس تک آیا اور ان لوگوں کے سَرغنہ کے پلٹنے سے پہلے ہمزاد کو لے کر سائیڈ پر پتھر کی اُوٹ میں ہو گیا۔

"بے وقوف انسان! تم میرا بنا بنایا پلان فلاپ کرنے آئے ہو۔" اسکے ہاتھ سے پستول چھین کر وہ غُرا کر بولا۔ ہمزاد کی اندھیرے کے باعث آنکھیں واضح نہیں تھیں مگر وہ اسِ مداخلت پر ناخوش نظر آتا تھا۔ بنا حدید کو جواب دیئے وہ سَر نکال کر پھر سے ان لوگوں کو دیکھنے لگا، نفرت سے۔

"تم ہمزاد ہو نہ۔" حدید کے دھیمے لہجے پر ہمزاد نے پلٹ کر اس شخص کو دیکھا جس کا چہرہ کالے نقاب نے چُھپا رکھا تھا۔

"مُجھے نہیں معلوم کہ تم میرے دوست ہو یا دشمن بے شک ہمارا ٹارگٹ ایک ہے۔ مگر میں اسِ لمحے کا آٹھ سالوں سے مُنتظر تھا۔ اِن لوگوں کو ختم میرے ہاتھوں سے ہونا ہے سُو بہتر ہے کہ تم شرافت سے پلٹ جاؤ۔" اسکا لہجہ دھیما مگر برف کی طرح سَرد تھا، ٹھٹھرا دینے والا۔ ہمزاد نے اسکے لہجے اور الفاظ پر اندھیرے میں بغور اسکو دیکھنا چاہا مگر وہ بے اِنتہا نفرت لیئے اسُ کے عقب سے انُ لوگوں کو دیکھ رہا تھا۔ اسکی آنکھوں سے لپکتے نفرت اور اِنتقام کے شعلوں نے ہمزاد کو ساکت کر دیا تھا۔ یہ وہی نفرت تھی ہوبہو جو وہ کئی سالوں سے اپنے دِل میں دبائے بیٹھا تھا۔

"آج انکے سَرغنہ کو پکڑ کر میں ہر روز، اسے پل پل موت کا ذائقہ چکھا کر اپنے خاندان کا اِنتقام لونگا۔" وہ نہ جانے اِنتقام اور نفرت کے کس درجے پر کھڑا تھا کہ اسکے مُنہ سے اِیسے الفاظ نکل گئے ورنہ اس نے اپنے یہ زخم کسی کو نہ دِکھائے تھے۔ یہ درد اسکے اندر تک گڑا اسُکی روح کو نئے سِرے سے روز تار تار کرتا تھا۔ ہمزاد کی سماعتوں میں جیسے عذاب اتُر آیا۔ حدید اسکی حیرت اور بے یقینی سے پرے اسکو وہیں ساکت و جامدِ چھُوڑ کر اندھیروں میں تیزی سے آگے بڑھتا چلا گیا اور ہمزاد وہیں

کھڑا ازحد حیرت سے اسے نظروں سے اوُجھل ہوتے دیکھتا رہا۔رات کچھ اور پھیل گئی تھی۔سیاہ رات کچھ اور رازوں کو چُھپاتے ہوئے مزید گہری ہوتی جا رہی تھی۔

-----@-----@------@-----@-----

اے حسنِ دل آویز! عجب مُختصری ہے۔۔۔۔ میں آنکھ جھپکتی ہوں تو منظر نہیں رہتا

"سَر میں نے آپکے فرینڈ کی سَرجری کی تاریخ انکے فیملی ممبرز کو دے دی ہے۔آج سے دو دن بعد ہے کیونکہ انکے ابھی کچھ اور ٹسٹز رہتے ہیں ضروری۔"ریاض والے کیس کے سلسلے میں آج اسُکی آرمی کے ساتھ آخری بریفنگ تھی سُو وہ دے کر واپسی پر اسُے توسین صاحب اپنی گاڑی کی سِمت جاتے نظر آئے، وہ مَنتّ کو دیکھ کر مُسکراتے ہوئے رُک گئے تھے۔

"بہت شکریہ بیٹا، میں ابھی یاور سے مَلنے ہی آیا تھا اسُے آج آپکے ہاسپٹل شفٹ کر دیا گیا ہے۔میں اسُکو تسلی دے کر آیا ہوں کہ تمہارا علاج پاکستان کی بہترین نیوروسَرجن کر رہی ہے سُو بےفکر رہے۔" انُہوں نے شفقت سے مُسکرا کر کہا تو اسُ نے مِحض سمجھ کر سَر ہلایا۔انُہوں نے بغور ڈاکٹر اِمام کے چہرے کو دیکھا۔جب سے انُہوں نے ڈاکٹر مَنتّ کو پرُوفیشنلی جانا تھا وہ انکو کبھی زیادہ مُسکراتی ہوئی نظر نہ آئی تھی۔بس سیدھے، سپاٹ سے تاثرات ہوتے تھے اسُکے۔انُہوں نے آگے بڑھ کر اسُکے سَر پر محبت اور شفقت سے ہاتھ رکھا تو مَنتّ بےاِختیار چونکی۔کئی برسوں بعد اسُ نے پدِرانہ شفقت کو محسوس کیا تھا۔وہ اسُکے ساتھ کیا سب کے ساتھ ہی بہت محبت اور حلاوت سے پیش آتے تھے۔
یہی ہاتھ کئی برسوں پہلے انُہوں نے اسُکے سَر پر نکاح کے موقعے پر رکھے تھے مگر تب نہ مَنتّ نے انُھیں دیکھا تھا نہ انُہوں نے مَنتّ کو۔پھر بھی توسین صاحب کو معلوم تھا کہ انُکے بیٹے کی محبت کیسی

ہو سکتی ہے۔وہ پہلے نہیں جانتے تھے کہ ڈاکٹر مَنتّ کو دیکھ کر انھیں کیوں اپنے اندر باپ کی شفقت اور مُحبت کا ٹھاٹھیں مارتا سمندر محسوس ہوتا تھا۔آج وہ جیسے سمجھ گئے تھے۔

"خوش رہا کرو بیٹا۔"اسُکا سَر تھپتھپا کر وہ آگے گاڑی کی سِمت بڑھ گئے۔مَنتّ نے ساکِت دِل سے انُھیں مضبوط قدموں سے دُور جاتے دیکھا اور پھر سَر جھٹک کر وہ بھی اپنی گاڑی کی سِمت بڑھ گئی۔

-----@-----@-----@----@-----

"صاف صاف بتاؤ مَنتّ، کون تھا وہ بندہ؟" مائدہ نے اسُکے ہاتھ سے کتاب چھینتے ہوئے تفتیشی لہجے میں پوُچھا۔ایک پل کو مَنتّ کا دِل ڈگمگا گیا۔اسُ نے فوراً مائدہ کے چہرے سے نگاہیں پھیر لیں۔مائدہ اسُکو چُبتی ہوئی، اندر تک پڑھ لینے والی نظروں سے دیکھ رہی تھی۔اسُکے اسِ طرح نگائیں پھیر لینے پر اسُکے چہرے ہر ایک طنزیہ مُسکراہٹ چھب دِکھا کر غائب ہو گئی۔

"وہی، ایک فوجی کو چُونا لگا رہی تھیں آپ والا؟" مائدہ نے طنزاً کہا تو مَنتّ نے چونک کر مائدہ کو دیکھا جس کے تاثرات مَنتّ کو ناسمجھ میں آنے والے لگے۔

"میں نے تمھیں بتایا تھا نہ کہ کسی نے میری مدد کی تھی جب میں مارگلہ کے پہاڑوں میں گُم ہو گئی تھی سجاول کے بندوں سے بچتے ہوئے۔"اسُ نے بہت آہستگی سے کہا تو مائدہ ایک گہرا سانس لے کر اسُکے برابر آ بیٹھی۔

"تم سے کتنی بار تو کہا ہے مَنتّ گاؤں میں رہو گی تو خیر سے رہو گی۔معلوم ہے کِتنا ڈھونڈ رہے تھے تمھیں میں اور مُجاہد۔سب پریشان ہو گئے تھے یار۔"مائدہ نے اسُکے ہاتھ پر نرمی سے ہاتھ رکھتے ہوئے کہا تو مَنتّ نے کسی قدر حیرت سے اسُے دیکھا۔

"مگر میں سب کو بتا کر، آغا جان سے اِجازت لے کر، فاران بھائی کے ساتھ بس پہاڑوں تک گئی تھی پھر انکے دوست وہاں سے گُزر رہے تھے تو وہ اسُکے ساتھ مصروف ہو گئے تھے، مُجھے کیا معلوم تھا کہ سجاول وہاں بھی پہنچ جائے گا۔"اسُ نے دُکھ اور افسردگی سے کہا۔مائدہ کی مُسکراہٹ بے ساختہ تھی۔

"ارے میری جان! آدھا گاؤں تو تمہارے پیچھے پاگل ہے ذرا سنبھل کر نکلِا کرو یہ نہ ہو کہ کسی اور لفنگے کو اپنے پیچھے لگا لو۔"مائدہ نے اسُکے گال پر چُٹکی بھرتے ہوئے شرارت سے کہا۔

"ہشت بدتمیز، شرم کیا کرو۔کچھ بھی بولے چلی جاتی ہو۔"وہ خفت سے سُرخ پڑی تو مائدہ نے ہنستے ہوئے بہت توجہ سے اسُکا اناری چہرہ دیکھا۔

"اسِ ادا پر کون تمہارا دیوانہ نہ ہو لڑکی۔"مائدہ نے پھر اسُکو چھیڑا تو اسُ نے مائدہ کو ایک تھپڑ کاندھے پر رسید کیا۔اسِ سے پہلے کے مائدہ جوابی کاروائی کرتی مُجاہد انکو ڈھونڈتا ہوا دروازہ کھٹکا کر اندر آیا تو مَنتّ نے جلدی سے سنبھل کر سُرخ شیشوں والی چادر کچھ اور چہرے پر سرِکا لی اور رُخ مُوڑ کر بیٹھ گئی۔

"آئندہ سب کو بتا کر اِحتیاط سے باہر نکلِا کرو، اِیسے ہی پریشان کر دیتی ہو۔"مُجاہد نے اسُکے آگے اِشفاق احمد کی "ایک مُحبت سو افسانے" پھینکتے ہوئے دھیمے مگر تادیبی لہجے میں کہا۔مائدہ نے اپنے بھائی کی سنجیدہ صورت کو دیکھ کر مَنتّ کو دیکھا جو مُجاہد سے بے نیاز کتاب اٹُھا کر اسُکے ورق الُٹ رہی تھی۔

مَنتّ خاندان کے لڑکوں سے بالکل بات نہیں کیا کرتی تھی کیونکہ زیادہ تر کی والدائیں سردار ولیّ خان اور آغا جان کی لاڈلی مَنتّ کو پسند نہیں کرتی تھیں۔سُو اسِ لیئے وہ کسی کی بات کا جواب نہیں دیتی

تھی۔مائدہ کے کانوں میں پہاڑوں میں گُونجتی مَنتّ کی بےاِختیا ہنسی کی آواز لہرائی تو اسُ نے پلٹ کر اپنے عزیز ازَ جان بھائی کو دیکھا۔

"اچھا اب جاؤ مُجاہد، آئندہ میں ساتھ رہوں گی مَنتّ کے۔"مائدہ کے کہنے پر مُجاہد نے سَر ہلایا اور پھر دِل کے ہاتھوں مُجبور ہو کر اسُ دِلربا کو دیکھا جو بس کتاب میں گُم تھی۔مُجاہد کیا کوئی بھی گھر کا لڑکا اسُکے لیئے معنی نہیں رکھتا تھا۔وہ اسُی سنجیدگی سے پلٹ گیا جو اسُکا خاصہ تھی۔

تیری طلب بھی نہ آئی ہمارے حصّے میں ۔۔۔ کسی کے بخت میں لکھا گیا مُکمل تو۔۔۔

-----@-----@-----@-----@----

"مَنتّ" اپنا نام وہ بھی اسِ طرح پکُارے جانے پر وہ چلتے چلتے ساکِن ہو گئی۔وہ کیا پورا ہاسپٹل حیرت زدہ سا، دَنگ کھڑا رہ گیا۔اسُکے ساتھی ڈاکٹرز بھی حیرت سے پلٹ کر اسُ شخص کو دیکھنے لگے جس نے اسِ قدر اپنائیت اور بے تکلفی سے ڈاکٹر مَنتّ اِمام کو پکُارا تھا۔وہی جو سب کے لیئے صرف ڈاکٹر اِمام تھی۔اسُکا دِل دھڑکنا بھُول گیا تھا۔کوریڈور سے گزرتا ڈاکٹر مُصطفیٰ بھی دھچکے سے رُک گیا۔اسِ نام سے، اسِ اپنائیت اور اسِتحقاق سے تو ڈاکٹر اِمام کو وہ پکُارنا چاہتا تھا۔کوئی پہلے ہی پکار چکا تھا۔

ڈاکٹر مَنتّ اِمام کو لگا اِردگرد کی سار آوازیں، سارے لوگ سب ایک ایک کر کے منظر سے ہٹ گئے ہوں۔وہ ایک ٹرانس، ایک کیف میں بےساختہ آہستگی سی پلٹی اور اسُکا دِل ایک ہچکی کھا کر اندر کہیں ڈوبتا چلا گی۔وہی منظر تھا نگاہوں کے سامنے جو اسُکے تخیل نے کبھی تراشا تھا۔وہی کہ وہ سامنے اپنے مضبوط شانوں پر "چاند ستارہ" سجائے اسُکو دُور سے ہاسپٹل کے ہال میں پکُارے گا اور وہ ایک وجدان میں ڈاکٹرز سفید گاؤن پہنے اپنے محرم کی آواز پر ایک دِلنواز مُسکراہٹ سے پلٹ کر فخریہ نظروں سے

اسکو دیکھے گی جس کی نگاہوں کا واحد مرکز "مَنت حدید" ہو گی۔اِرد گرد کے لوگ، انکی ستائش، انکی تحسین "مَنت حدید" کا ڈھیروں خون بڑھا دے گی مگر ہر کسی کو مکمل جہاں نہیں مِلتا، ہر خواب تکمیل کو نہیں پہنچ جایا کرتے۔

وہ خواب، وہ تخیل کی مضبوط پرواز ہوا میں کہیں تحلیل ہو گئی تھی۔اسُ کی بصارت نے آٹھ سالوں کے طویل دِل شکن اِنتظار کے بعد وہ تخیل کا نظارا دیکھ ہی لیا تھا مگر نامکمل، ادھورا سا۔۔۔وہی مَنت تھی ڈاکٹرز سفید گاؤن پہنے، وہی حدید تھا خاکی وردی میں شانوں پر "چاند ستارہ" سجائے مگر ڈاکٹر مَنت اِمام کے چہرے پر وہ دِلنواز مُسکراہٹ نہیں تھی وہاں وحشت تھی۔میجر حدید کی ہونٹوں پر دِلکش، محبت بھری مُسکراہٹ نہ تھی وہاں تھکن تھی، لاحاصل آٹھ سالوں کے اِنتظار کی۔آٹھ سالوں کے فرق سے وہ بالآخر ایک دوسرے کے سامنے تھے۔لیکن انکو تو اسِ منظر میں ایک دوسرے کی سنگت میں وقت گُزارتے ہوئے ہونا تھا نہ۔۔مگر بدقسمتی سے انُ دونوں کے اٹھ سال الگ الگ تھے، بالکل جُدا۔

اُسکی اُمیدِ ناز کا ہم سے یہ مان تھا کہ آپ عمر گُزار دیجیئے، عمر گُزار دی گئی۔۔۔

----@-----@-----@-----@-----

وہ قدم بہ قدم اُسکی سِمت بڑھ رہا تھا۔مَنت اِمام اسُکو آہستگی سی، ٹھہر ٹھہر کر اپنی طرف آتا دیکھ رہی تھی۔ہر زمانہ جیسے پیچھے بہت کہیں رہ گیا تھا۔وہ خالی آنکھوں سے اسُکو دیکھ رہی تھی جو آج بھی ویسا ہی سائبان سا تھا، اپنی ذات میں ایک مکمل تحفظ،جو مَنت اِمام کو صرف کچھ لمحوں کے لیئے مُیسر آیا تھا۔ایک مَنظر مَنت کی یاداشت سے نکِل کر آنکھوں کے راستے پھیلتا چلا گیا۔

"آپ گھر کیوں نہیں آئے تھے، بابا جان اور آغا جان سے مِل لیتے تو اُنکا دِل کچھ اور صاف ہو جاتا آپکی طرف سے۔" مَنّت نے اسکے برابر بیٹھتے ہوئے کہا جو دھیمی سی مُسکراہٹ کے ساتھ اسُی کو دیکھ رہا تھا۔ مَنّت کی بات پر سنجیدہ ہو کر سامنے دیکھنے لگ گیا۔

"جب تک وہ مائدہ ہے نہ وہاں، میرے لیئے تمہارے گھر والے کبھی اچھا نہیں سُوچ سکتے۔" حدید کے چہرے میں محسوس کی جانے والی دِلگرفتی تھی۔ مَنّت اُٹھ کر اسُکے آگے آ کھڑی ہوئی۔ وہ جو پہاڑوں کی اوُٹ میں ڈھلتے سُورج کو پلکیں سُکیڑ کر دیکھ رہا تھا مَنّت کے یوں سامنے آ جانے پر اسُکو ہر مَنظر مکمل ہوتا محسوس ہونے لگا۔

"کیا بات ہے حدید؟" وہ اسُکو پریشانی اور تفکر سے دیکھتے ہوئے مزید اپنی مُحبت میں مُبتلا کرتی چلی گئی۔ "حدید" یہ لفظ اسُکے کانوں سے ہوتا ہوا دِل میں اتُر گیا تھا۔ حدید نے مُسکراتے ہوئے آنکھیں بند کر لیں۔ مَنّت نے نا سمجھی سے اسُکو دیکھا جو اب آنکھیں بند کر کے دِلکشی سے مُسکرا رہا تھا۔

"حدید" مَنّت نے دوبارہ اسُکو پُکارا تو اسُکی مُسکراہٹ صبح کے اجُالے کی طرح مزید پھیلتی چلی گئی۔

"بس تم اسِ طرح میرا نام لیتی رہو اور عمر تمام ہو جائے۔" آنکھیں کھُول کر اسُ نے مَنّت کو دیکھتے ہوئے بہت مُحبت سے کہا تو وہ بےساختہ جھینپ کر رُخ پھیر گئی۔ اسُکو اسِ طرح رُخ پھیرتے دیکھ کر وہ مُسکرا کر اٹُھ کھڑا ہوا۔ مارگلہ کی پہاڑوں نے اسُ خوبصورت مَنظر کو ہمیشہ کے لیئے اپنے رازوں میں دفن کر لیا تھا۔

"کبھی تو سنجیدہ ہو جایا کریں حدید۔" ہلکا سا ہنستے ہوئے وہ بولی اور کھڑے ہو کر ڈوبتے سُورج کی سِمت رُخ کر کے کھڑی ہو گئی تو حدید چلتا ہوا اُسکے برابر آ کھڑا ہوا۔ مَنّت کو اُس وقت ہر پریشانی، ہر خوف فضا میں کہیں تحلیل ہوتے محسوس ہونے لگے۔ وہ جیسے اُسکے برابر کھڑے ہو کر سب بھُولنے لگی۔

"تمہارے لیئے تو میں ہمیشہ سے بہت سنجیدہ ہوں مِسز۔" وہ اُسکی طرف قدرِ جُھک کر مُحبت سے بولا۔ لہجے میں محسوس کی جانے والی مُحبت اور عقیدت سیدھا دِل کو جا لگتی تھی۔

"تمہارے معاملے میں میرا دِل کبھی نہیں بدل سکتا، یہ یاد رکھنا مَنّت۔" وہ اُن پہاڑوں کو گواہ بنا کر عہد دے رہا تھا اُسے۔ مَنّت نے چہرہ پھیر کر اُس سائبان کو دیکھا جو اُسکی سِمت جُھکا ہوا تھا۔ جس نے اُسکو ذِلت و رُسوائی سے بچا کر اپنے دامن میں چُھپا لیا تھا۔

وہ اُس شخص کے نِکاح میں آئی تھی جو اُسے دُنیا میں ہر شے، ہر رشتے سے زیادہ پیارا تھا۔ جس نے اُس پر تب یقین کیا تھا جب سب اُسکو مشکوک نظروں سے دیکھ رہے تھے۔ وہ اُسکے لیئے تب آگے بڑھا تھا جب اُسکے والد ولیّ خان بھی قدم نہ اُٹھا سکے تھے کوئی۔ ہاں تب حدید قوسین نے بہت سے اُسکے اپنے مگر اجنبی لوگوں میں اُسکو اپنا نام دے کر ہمیشہ کے لیئے معتبر کر دیا تھا۔

اُس شام وہ دونوں آنے والے لمحوں سے بے نیاز ایک دوسرے کے ساتھ، مُحبت کے ساتھ بے اِنتہا خوش تھے۔ دونوں اُس بات سے انجان تھے کہ وہ دوبارہ کبھی اِس طرح ایک دوسرے کے ساتھ نہیں کھڑے ہو سکیں گے، بہت فاصلے آ جائیں گے اور اُن دونوں میں سے کوئی بھی اُن فاصلوں کو ختم نہیں کر سکے گا۔

بڑی دیر میں یہ خبر ہوئی

کوئی چال وقت ہی چل گیا۔۔۔ ۔۔۔۔۔-----@-----@------@------@------

"مُجھے تم سے کچھ ضروری بات کرنی ہے مَنّت۔"وہ آخرکار زمانوں کا سفر طے کرتا ہوا اسُکے رُوبرو آ کھڑا ہوا تھا۔خود کو ڈھیروں تسلیاں اور حوصلہ دے کر وہ یہاں آیا تھا۔وہ جانتا تھا کہ اکیلے میں وہ اسُکے پُکارنے کو نظرانداز کر دے گی مگر یوں اِیسے اپنے سٹاف کے سامنے نہیں۔بالاآخر اسُکے سامنے آ کھڑا ہوا تھا۔وہی جو اسُکی محبتوں کی ہمیشہ سے مَرکز تھی۔وہ حدید قوسین کا مَحور تھی جس کے گِرد وہ آٹھ سالوں سے دیوانہ وار چکراتا پھر رہا تھا بالکل کسی چکور کی طرح جو چاند کے گِرد دُور سے چکراتا رہتا ہے۔بنِا تھکے، بِنا اِحساس کیئے۔قریب آنے پر اسُے مَنّت کی آنکھوں میں دُور دُور تک کچھ نظر نہ آیا تو اسُے برسوں کا سفر رائیگاں ہوتا محسوس ہونے لگا۔پورا ہاسپٹل ساکِن سا انُ دونوں کو دیکھ رہا تھا جنہیں کسی اور کی خبر ہی نہیں تھی۔جو ہر زمانے سے بے خبر تھے۔

" کہیئے۔"مَنّت نے خود کو بہت سنجیدگی سے، بِنا کسی تاثر کے کہتے سُنا۔حدید کی آنکھوں کی جُوت اِیسا جواب سُن کر بجُھ سی گئیں۔

"ضروری بات کرنی ہے تم سے مَنّت۔"اسُ نے گویا ایک آس لہجے میں سُمو کر کہا۔"مَنّت" یہ نام کہتے ہوئے اسُکے لہجے میں آٹھ سالوں بعد بھی وہی مُحبت اور مُٹھاس تھی مگر مَنّت اِمام برسوں ہوئے اسِ فریب سے نکلِ آئی تھی۔اسُکے پاس اب گُنجائش نہیں رہی تھی۔

"کیس کے سلسلے میں؟" سوال اب بھی بے تاثر تھا۔حدید ایک قدم حیرت سے پیچھے ہو گیا۔وہ اسُکی مَنّت جیسی کیوں نہیں لگ رہی تھی۔مَنّت اسُکو سَرد پڑتی نظروں سے دیکھے گئی جو صدمے میں تھا۔

"کیا میں تم سے کچھ بات کر سکتا ہوں؟" اب کے اسُ نے آہستہ سی آواز میں سوال کیا۔حدید قوسین اب کہیں جا کر آٹھ سالوں کی دُوری کو جیسے سمجھا تھا۔ضروری نہیں ہوتا کہ آپ ہمیشہ صفِ اوّل پر ہی ہوں، دِل کے اسُی مقام پر۔وقت اور حالات بدلتے ہیں تو دِلوں کے مقام بھی تبدیل ہو جایا کرتے ہیں۔جو کبھی ضروری اور اہم ہوتا ہے وہ ایک وقت آتا ہے اہمیت اور کشش کھو بیٹھتا ہے وقت اور حالات کے وسیلے سے۔مُقدر کی ہوا چلے تو دِل کے خوبصورت رشتے وقت کی دُھول میں مَاند پڑنے لگ جاتے ہیں۔

حدید قوسین کو ہمشیہ سے لگتا تھا کہ وہ مَنتّ کو سب بتا دے گا۔ہر تکلیف، ہر دُکھ، ہر اذیت، ہر راز مگر اب وہ سمجھا تھا کہ وہ وہی حدید قوسین تھا مگر "مَنتّ حدید" وہ نہیں رہی تھی وہ "مَنتّ اِمام" تھی جو اسُکے سامنے سَر اٹُھائے، بے تاثر کھڑی تھی۔اور پھر حدید قوسین کا دِل دھک سے رہ گیا کیونکہ وہ بِنا کچھ کہے، سُنے اپنی منزل کی طرف چل پڑی تھی اور حدید قوسین بہت پیچھے کہیں رہ گیا تھا۔حیرت ذدہ سا، پرُملال سا۔

وہ اسُکو لمحہ بہ لمحہ خود سے دُور جاتے مضبوط قدموں سے دیکھتا رہا۔انُ قدموں میں کوئی لڑکھڑاہٹ، کوئی مَلال نہ تھا۔وہ بے اِنتہا مضبوط تھے۔حدید قوسین نے سانس رُوکے اسُے نظروں سے اوُجھل ہوتے ر آٹھ سالوں بعد دیکھ ہی لیا تھا کیونکہ آٹھ سالوں سے "مَنتّ حدید" کا قیام حدید کی آنکھوں میں ہی تو تھا اور اب وہ اوُجھل ہو گئی تھی۔

ہم خاک نشینوں پر بے زاری موافق تھی ہم خاک نشینوں پر فرصت سے زوال آیا۔۔۔ ۔۔۔۔۔@۔۔۔۔۔@۔۔۔۔۔@۔۔۔۔@۔۔۔۔

اور پھر دوبارہ سے حدید قوسین کی طرف سے گہری خاموشی چھاگئی تھی۔اسُ نے دوبارہ اس ہوسپٹل کا رُخ بھی نہ کیا جس نے اسُکا دِل ایک بار پھر چھلنی ّ کر دیا تھا۔نہ چاہتے ہوئے بھی مَنتّ ہر آہٹ، ہر دستک پر چونک چونک جاتی۔اب کی بار اسُ نے حدید کو خود پرے دھکیلا تھا اپنی سَردمہری سے۔
آہٹ پر وہ چونکی اور اسُ نے اپنے کانپتے ہاتھوں کو باہم مِلا کر انکی کپکپاہٹ کو کم کرنی چاہی پھر سَر اٹُھا کر اسُ نے لیفٹینٹ جنرل قوسین صاحب کو دیکھا جو حیرت سے اندر آنے والے کو دیکھ رہے تھا۔اسُ نے ایک زوردار سلیوٹ مارا۔
"اسلام و علیکم سَر۔"زاور کے پرُجوش سلام کا جواب دیتے ہوئے وہ اٹُھ کھڑے ہوئے۔
"حدید کہاں ہے دو ہفتوں سے زاور؟ کال کرتا ہوں اٹُھاتا نہیں، پیغام پہنچاتا ہوں کے ہاسپٹل آئے مگر نہیں آتا۔کہاں ہے وہ؟" خدشات سے انُکا دِل بیٹھتا جا رہا تھا۔مَنتّ کا دِل دھک سے رہ گیا۔
"مجُھے خود بھی معلوم نہیں ہے سَر۔وہ مِشن میں ایک دم سے بہت مصروف ہو گیا تھا۔"زاور نے بھی تفکر سے کہا۔مَنتّ یوں ہی سَر جھُکائے بیٹھی رہی۔قوسین صاحب جیسے اسُکی موجودگی یکسر فراموش کر بیٹھے تھے۔
"آخری بار کب دیکھا تم نے اسُے؟" کہہ کر وہ دراز میں سے کچھ ڈھونڈنے لگے ساتھ ساتھ۔
"دو ہفتے پہلے ہی سَر۔وہ پہلے بھی بہت پریشان سا دِکھ رہا تھا سَر مگر پھر اچانک سے وہ ویسے ہی ہو گیا تھا جیسے۔۔۔"وہ کہتے کہتے کچھ سُوچ کر ٹھہر گیا۔قوسین صاحب کے تیزی سے چلتے، کچھ ڈھونڈتے مضبوط ہاتھ ساکن ہو گئے، انُہوں نے سَر اٹُھا کر زاور کو دیکھا تو مَنتّ کو انکو آنکھوں میں بہت خوف سا نظر آیا جسے محسوس کر کے اسُکا دِل بےساختہ ڈوب کر ابُھرا تو وہ فوراً اٹُھ کھڑی ہوئی مگر وہ اسُ

سے یکسر انجان خدشات سے زاور کو دیکھ رہے تھے۔"جیسے۔۔۔"انُھوں نے سَرسَراتی ہوئی آواز میں کہا جیسے وہ کسی بھی وقت ڈھے جائیں گے۔"جیسے وہ آٹھ سال پہلے ہو گیا تھا جب شاہسوار، حُرمت اور بھابھی والا حادثہ ہو گیا تھا۔"زاور کی آواز بہت پَست ہو گئی تھی۔مَنتّ نے بےاِنتہا بےیقینی سے پلٹ کر زاور کو دیکھا اور سید قوسین صاحب وہ دِل پر ہاتھ رکھے کرسی پر بےدَم ہو کر ڈھے گئے۔ زاور فوراًانکی سِمت بھاگا۔مَنتّ اسُکا تو جیسے دِل دھڑکنا بھُول گیا تھا اور وہ سَر سے پیر تک نمک کا مُجسمہ بن گئی تھی۔

"انکل سنبھالیں خود کو۔"زاور نے انکو پانی کا گلاس پکڑاتے ہوئے تفکر سے کہا۔انُ دونوں کو مصروف دیکھ کر مَنتّ خاموشی اور غیر محسوس طریقے سے وہاں سے نکلِ گئی۔زاور نے پلٹ کر اسُکو کچھ سُوچ کر جاتے دیکھا اور پھر انکل قوسین کی سِمت متوجہ ہو گیا۔

------@-----@------@-----@-----

کالی قمیض شلوار میں ملبوس اسُ نے ہاتھوں میں پکڑا سُرخ گلابوں کا گُلدستہ سامنے قبر کے کتبے کے پاس رکھا۔اسُکی آنکھوں کی سطح تیزی سے گیلی ہونے لگی تو وہ بےدَم سا ہو کر پنجوں کے بل بیٹھ کر اسُ کچی قبر کو دیکھے گیا جسکا صرف کُتبہ پکا تھا۔اسِ سے پہلے کہ وہ دُعا کو ہاتھ اٹُھاتا قبر کے ساتھ، کُتبے کے بالکل پیچھے پڑے گُلدستے کو دیکھ کر وہ چونک اٹُھا۔یہ گُلدستہ اسُکو ہر سال ہی نظر آتا تھا کیونکہ اسِ قبر تک آنے کی وہ سال میں صرف ایک بار ہی ہمت پاتا تھا۔اسُ نے گُلدستے کو قریب لا کر سُونگھا تو وہ تازہ تھے۔انکو قبر کے اوُپر رکھ کر اسُ نے قبرستان میں مُکمل نگاہ دُوڑائی مگر دُور دُور تک وہاں کسی ذی رُوح کا نام و نشان تک نہ تھا۔قبرستان پرُسکون تھا بہت سے محبوب چہروں کو خود

میں مدفون کیئے۔ اسُ نے پاس پڑے شاپر سے گُلاب کی پتیاں نکال کر ساری قبر پر الُٹ دیں اور پھر نرم ہاتھوں سے انکو پھیلانے لگا اور اُسکے آنسو ٹوٹ ٹوٹ کر قبر کی کچی مٹی میں جذب ہونے لگے۔ اسُکی ذرا سی پریشانی پر بےچین ہو جانے والی اب کیسے شان سے اسُ سے غافل، قبر میں سُو رہی تھی۔ حدید قوسین کا جی چاہا وہ دھاڑیں مارمار کر رُوئے اور قبرستان کو تہس نہس کر کے اسُکو باہر نکال لائے ،اسُکو اپنی آٹھ سالہ تکلیفوں اور دُکھوں کا بتائے جو وہ اسُکے علاوہ کسی کو نہیں بتا سکتا تھا۔

"حُرمت! وہ مُجھے جواب دیئے بغیر ہی چلی گئی۔ تم جانتی ہو نہ کہ اسُکے لیئے میرا دِل کس قدر وسیع ہے، کیا مقام ہے اسُکا میری زندگی میں۔ تمہیں تو سب معلوم تھا نہ یار۔" وہ جیسے بہت آہستہ آہستہ اسُکو اپنے زخم دِکھا رہا تھا۔ جو اسُکے سب رازوں کی امین تھی، اسُکی جڑواں ماں جائی حُرمت قوسین۔۔۔ وہ جیسے کہیں بہت پیچھے جانے لگا وقت کی قید سے آزاد ہو کر وہ اسُ وقت میں آ دھمکا جب وہ آسکے ساتھ ہوا کرتی تھی زندگی سے بھرپور، بات بات پر مُسکراتی ہوئی، بے ریا، پُرخلوص

"یار حدید تم جیسا بھی ڈرپوک ہر کوئی نہیں ہو سکتا، اِیسے ہی کیپٹن بنے پھِرتے ہو۔ اِتنی بار مدد کرنے کے باوجود مُنہ سے پھُوٹ کیوں نہ دیا یار۔" وہ مصنوعی خفگی سی کفِ افسوس مَلنے لگی اور وہ مُسکراتا ہوا اسُکے چہرے کے تاثرات کو دِلچسپی سے دیکھ رہا تھا۔

"ہاں ہاں چھوٹے، اِیسے ہی صدا ہنستے اور مُسکراتے رہنا تب بھی جب وہ کسی اور کے آنگن میں دُلہن بن کر اتُر جائے گی تمہارے مُحبت سے انجان رہتے ہوئے۔" اسُکو مُسلسل مُسکراتے دیکھ کر وہ چبا چبا کر خفگی سی بولی تو حدید کا قہقہ بے ساختہ تھا۔ حُرمت نے شرر بار نظروں سے حدید کو دیکھا اور اسِ سے پہلے کے وہ مزید گُوہر افشانی کرتی، شاہسوار کو آتے دیکھ کر اسُکی مُسکراہٹ فوار اًسمٹ گئی۔ حدید

نے مُسکراتی نظروں سے حُرمت کو دیکھ کر سامنے سَر جُھکا کر آتے شاہسوار کو دیکھا اور اُسکی سِمت بڑھ گیا۔ حُرمت کے قدموں نے اُسکا ساتھ دینے سے ہمیشہ کی طرح آج بھی اِنکار کر دیا تھا اور وہ وہیں ٹھہر کر لمحہ بہ لمحہ قریب آتے "سید شاہسوار عالم" کو دیکھ رہی تھی۔

"شاہسوار! یار کہاں غائب ہے آج کل۔ بڑے تایا سے تمہارا دو دن سے پوُچھ پوُچھ کر تھک گیا ہوں۔" مُسکرا کر کہتے ہوئے حدید اسُ سے بغلگیر ہو گیا جس نے بس دھیما سا مُسکر کر اُسکی پشُت تھپکی اور حُرمت مَسحور سی اسُ شخص کو دیکھے گئ جو کم کم مُسکراتا تھا وہ بھی صرف حدید کے ساتھ، اُسکے سامنے۔

اسُ سے الگ ہو کر شاہسوار نے غیر اِرادتاً سامنے دیکھا اور اُسکی مُسکراہٹ کو تیزی سے سِمٹتے دیکھ کر حُرمت نے نہ صرف اپنی نظروں کا زاویہ بدل لیا بلکہ خود بھی تیزی سے پلٹ کر اندر کی سِمت بڑھ گئ۔ حدید نے سنجیدہ نظروں سے شاہسوار کو دیکھا جو اب تک وہیں دیکھ رہا تھا جہاں حُرمت گئ تھی۔ حدید کو اپنی سِمت متوجہ پا کر وہ سنبھل کر آہستگی سے مُسکرایا۔

"بس یار تھوڑا کام کی وجہ سے مصروف، معلوم تو ہے تمہیں گھر آؤں تو نیا محاذ کھڑا ہو جاتا ہے بس اسِ لیئے۔" وہ اسُی مدھم لہجہ میں بولا جو اُسکا خاصہ تھا، حدید کے چہرے پر بھی تفکر چھا گیا۔

"اسِ لڑائی کا کیا انجام ہو گا بھلا، چُھوٹی تائی جان اپنی ضد چُھوڑتی نظر نہیں آ رہی ہیں۔" حدید نے پریشانی سے اسُے دیکھ کر کہا جو اب خاموشی سے اُسکے ساتھ چل رہا تھا کیونکہ حدید کی بات کا اُسکے پاس کوئی جواب نہ تھا۔

"چلو میں پھر ذرا امی جان سے سلام دُعا کر لوں پہلے ورنہ ایک اور تماشہ نہ کھڑا ہو جائے۔" ہلکے سے مُسکرا کر اسُ نے کہا تو حدید

نے بےساختہ اسُکے تھکے تھکے سے چہرے کو دیکھا۔وہ حدید کا سب سے "محبوب کزن اور دوست" تھا مگر اسُکے دِل کے راز سے وہ واقف نہیں ہو پا رہا تھا یا پھر شاہسوار عالم جان بوُجھ کراسُکو رسائی نہیں دے رہا تھا کیونکہ وہ حدید قوسین کے جگر گوشے "حُرمت قوسین" کو دُکھ دے کر حدید کو بھی اذیت نہیں دینا چاہتا تھا۔اسُ نے جیسے ہی ہینڈل پر ہاتھ رکھا اندر سے کھُولے جانے پر وہ بےساختہ دو قدم پیچھے ہوا۔حُرمت جو تیزی سے باہر نکلِ رہی تھی اسُی تیزی سے ٹھہر گئی ورنہ تصادم یقینی تھا، وقت نے بےبسی سے مغلوب ہو کر خود کو رُکتا پایا۔

"اسلام و علیکم۔" مدہم سا اسُکو سلام کہہ کر وہ فوراً پیچھے ہوئی، ساکت سے کھڑے شاہسوار میں بےساختہ ہلچل ہوئی تھی اور وہ اسُکے بالکل قریب سے "وعلیکم اسلام" کہہ کر ازلوں کی بےنیازی سے گزُر گیا۔حدید نے تاسف سے حُرمت کے جھُکے سَر کو دیکھا مگر وہ اسُ سے چند مَنٹ بڑی تھی سُو فوراً سنبھل گئی۔

"ہاں بھئی چھُوٹے! کھانے کے بعد میں تمہیں سو گرُ سِکھاؤں گی جن کی مدد سے تم مُنتّ کو رام کر سکو گے اور وہ پھر تمہارے سحر سے کبھی نکلِ نہیں پائے گی۔" دِلکشی سے کھنکتے لہجے میں کہہ کر اسُ نے حدید کو بوُجھل دِل سے بھی مُسکرانے پر مجبور کر دیا اور کسی کے جاتے تھکن ذدہ وجود کو اسُکے کھنکھتے لہجے نے کچھ اور تھکا کر مُضمحل کر ڈالا تھا، وہ تیزی سے سیڑھیاں عبور کرتا ہوا اوپر چلا گیا جہاں اسُکی ماں تھی۔

حدید نے اپنی گیلی ہوتی آنکھوں کو بے ساختہ رگڑ ڈالا۔ماضی ہوا میں جیسے سُنہرے رنگ کی مانند تحلیل ہو گیا اور سامنے قبر کی تختی پر نگاہ پڑتے ہی اسُکا بوُجھل دِل کچھ اور بھی چھلنی ہو گیا تھا۔وہ آہستگی سے کُتبے کے قریب ہوا اور اسُ پر سَر ٹکا کر پھوُٹ پھوُٹ کر رُوتا چلا گیا۔دِل تھا کے پھٹنے کے قریب تھا۔ہوائیں رُک کر افسردگی سے اسُ مضبوط نظر آتے نوجوان کو یوں کُتبے سے لپٹے رُوتے دیکھ کر ٹھہریں اور پھر چل پڑیں۔

امُو جان کی قبر پر دُعا مانگ کر پلٹتی مَنتّ اسکو دیکھ کر ٹھٹھک گئی اور حدید قوسین کو اسُ قبر سے لپٹتے دیکھ کر اسُکا دِل دھک سے رہ گیا۔کوئی کیا اسِ شدت سے بھی رُو سکتا ہے، وہ بھی کوئی مَرد۔۔۔یہ دیکھنے کا اسُکا دوسری اِتفاق تھا۔پہلے اسُ نے اپنی عزیز از جان بھائی کو اسِی قبرستان میں بے طرح رُوتے دیکھا تھا اور اب حدید قوسین۔جس کو مَنتّ اِمام نے ہمیشہ مضبوط چٹانوں کی طرح کھڑا ہی دیکھا تھا۔

مَنتّ اسُ شخص کو دو ہفتوں بعد دیکھ رہی تھی وہ بھی یوں رُوتے تڑپتے۔وہی شخص جو مَنتّ کی دُعاؤں کا حاصل ہوا کرتا تھا، اسُکا ایمان۔کچھ لمحے بعد وہ سنبھل کر پیچھے ہوا تو مَنتّ کی نگاہ اسُ کُتبے سے ٹکرا گئی اور اسُ عجیب سی قبر کو دیکھ کر اور الُجھ گئی۔

"شاید کوئی جواں موت مارا گیا۔"وہ دِل میں الُجھ کر بوجھل ہوتے دِل سے بولی اور آخری بار اسُ لرزتے شخص کی پشُت اور قبر کو دیکھ کر تھکے ماندے قدموں سے پلٹ گئی۔حدید نے گھرا سانس لے کر اسُ کُتبے کو دیکھا جس پر مرنے والی کا نام کہیں کندہ نہیں تھا۔بس ایک ہی عبارت لکھی ہوئی تھی۔دِلگیر، پرُملال اور

اعصاب شکن عبارت۔۔۔

"عمرِ رواں۔۔۔۔خُدا حافظ"

۔۔۔۔۔۔@۔۔۔۔۔@۔۔۔۔۔۔@۔۔۔۔۔@۔۔۔۔۔۔

وہ آپریشن تھیٹر سے باہر نکلی تو باہر کھڑے لیفٹینینٹ جنرل قوسن صاحب کو دیکھ کر انکو تسلی دی تو انُھوں نے فقط "شکریہ" کہہ کر اسُکے سَر پر شفقت بَھرا ہاتھ رکھا تو اسُ نے کچھ چونک کر انکی سِمت دیکھا۔انکی آنکھوں میں آنسو تیر رہے تھے۔بہت تھکن ذدہ بھی لگ رہے تھے۔مَنتّ نے انُھیں کبھی یوں نہیں دیکھا تھا۔وہ تو عمر کے اسِ حصّے میں بھی بہت ہنس مُکھ اور گریس فلُ تھے۔

"کچھ دِن انکو ابزریونشن میں رکھا جائے گا۔"انکو اسِ قدر مُتفکر اور بےچین دیکھ کر اسُ نے دِل کے ہاتھوں مجبور ہو کر نرمی سے کہا۔قوسین صاحب نے مُسکرا کر محض سَر ہلایا۔وہ شاید اسُ وقت کچھ بھی کہنے کی حالت میں نہ تھے۔ڈاکٹر مَنتّ اِمام جیسے سمجھ کر رہداری کی سِمت بڑھ گئی۔کچھ دیر بعد وہ گھر جانے کے لیئے نکِل رہی تھی تو آپریشن گاؤن کے بجائے لال چھوٹی قمیض اور اسُکے نیچے گھیر والی شلوار اور سَر پر کالا حجاب پہنے ہوئے تھی۔وہ اب کافی مُختلف لگ رہی تھی اسُ آپریشن تھیٹر والی مَنتّ سے۔سنجیدہ اور سپاٹ سی۔

راونڈ لے کر آتے ڈاکٹر مُصطفیٰ نے اسُکو آتے دیکھا تو ٹھٹھک کر ٹھہر گیا۔اسُکے ذہن میں ہفتوں پہلے کا مَنظر لہرا گیا جس میں اسُ شخص نے بےتکلفی سے مَنتّ اِمام کو پکُارا تھا جسے ڈاکٹر مُصطفیٰ بخوبی جانتا اور پہچانتا تھا۔اسُ نے پہلے بار ڈاکٹر اِمام کے چہرے اور آنکھ وں میں کوئی تاثر، کوئی جذبہ سا ہلکورے لیتے دیکھا تھا مگر تب وہ اسُکو کوئی نام نہ دے پایا تھا۔مگر مُصطفیٰ کی اسُ حس نے جو "مُحبت" نے اسُے

عطا کی تھی یہ ضرور اسُ پل بتا دیا تھا کہ اسُ آواز کی پکُار پر ڈاکٹر اِمام ساکت ہو کر اپنی ہستی بھُلا بیٹھی تھی۔جب تک وہ آواز دینے والے کی سِمت پلٹی نہیں ڈاکٹر مُصطفیٰ نے اسکو بے اِنتہا مُضطرب پایا یوں جیسے وہ اچانک اور تیزی سے پلٹ کر پکُارنے والے کو دیکھ لینا چاہتی تھی۔مگر جب وہ پلٹی تھی تو بے اِختیار ڈاکٹر مُصطفیٰ بھی پلٹا تھا اور مُصطفیٰ نے اسُ پل خواہش کی تھی کہ کاش وہ نہ ہی پلٹتا مگر بے اِختیاری ہوتی ہی اِیسی ہے ہمارے اِختیار سے پرَے اپنے کام سَر انجام دینے والی۔

مُصطفیٰ کو یوں محسوس ہوا تھا کہ جیسے ڈاکٹر اِمام اور میجر حدید کے لیئے گویا وقت تھم گیا تھا۔وہ جیسے برسوں کے شناسا لگ رہے تھے جو برسوں کا سفر طے کر کے رُوبرو آئے ہوں گویا۔بہت حوصلوں اور دِقتوں سے مُصطفیٰ نے سامنے کھڑے خاکی لباس میں ملبوس اسُ شخص کو دیکھا جو مُصطفیٰ کا بہت اچھا دوست تھا۔مگر وہ دونوں اسُکی حالت سے بالکل انُجان تھے۔۔۔اسُکی سوُچ کو لگام مَنتّ کے بجتے سیل فون نے ڈالی تھی۔کچھ چونک کر وہ ٹھہری تھی اور ڈاکٹر مُصطفیٰ ساکن دِل لیئے اسکو دیکھنے لگ گیا اور اسُکو اب کہیں جا کر میجر حدید اور ڈاکٹر اِمام کا ٹھہر جانا یاد آیا اور وہ بے اِختیار سمجھ گیا کہ جب کوئی جان سے پیارا ٹھہرتا ہے تو ہم پر بھی ٹھہر جانا لازم ہو جایا کرتا ہے، ہر چیز کا ہی اسُ پل ٹھہر جانا بے حد ضروری بنَ جاتا ہے پھر وہ وقت ہو یا دھڑکن کیا فرق پڑتا ہے۔مُصطفیٰ سے ہمیشہ کی طرح بے خبر ڈاکٹر اِمام کو اسُ نے اچانک بہت سا مُسکراتے دیکھا۔وہ فون پر بات کرتے ہوئے بے اِنتہا خوش تھی۔مُصطفیٰ نے پہلی بار اسُکو مُسکراتے اور اسِ طرح بے حد خوش ہوتے دیکھا تھا اور یہ ایک بہت ہی پیارا اور خوبصورت منظر تھا مُصطفیٰ نے تسلیم کیا۔

-----@------@-------@------@------

"ہمدی بھائی! اُو میرے خُدا، یار کہاں غائب تھے آپ؟ معلوم ہے نہ میں کس قدر پریشان تھی آپکے لیئے۔" مَنتّ کی ساری خفگی اسُ سے بات کرتے ہوئے کہیں دُور جا سُوئی تھی۔ اِیسا ہی ہوتا تھا "ہمدی بھائی" سے ناراضگی، انُکی آواز سُنتے ہی بھاگ جاتی تھی۔ اور وہ جیسے نیئے سِرے سے تروتازہ ہو جاتی تھی۔ فون پر موجود شخص کی بات سُن کر وہ بے ساختہ کِھلا کر ہنس پڑی۔ اینٹرنس پار کر کے اندر آتا حدید قوسین تکلیف سے وہیں بِلبلا کر رُک گیا۔ کتنی دُعائیں مانگ کر آیا تھا کہ آج اسُکے قدم زنجیر نہ ہوں، بس آج وہ مَسحور نہ ہو مگر جب سامنے مَنتّ ہو تو حدید کا مَسحور ہو جانا، سِحر زدہ ہو جانا یقینی تھا، فرض تھا گویا۔

؎ وہ بھی قِسطوں میں دِکھاتا ہے اداَئیں اپنی وہ بھی ہونے نہیں دیتا مُجھے سارا پاگل۔۔۔

وہ اسُی طرح ہنس رہی تھی جیسے وہ حدید کے ہمراہ بے فکری سے کبھی ہنسا کرتی تھی۔ اسُی بے فکری کی ہنسی نے تو حدید قوسین کے دِل کو برسوں سے جکڑ رکھا تھا۔ سِحر کا ہالہ کچھ اور مضبوط ہوا تھا، مزید توانا۔

"ایک سیکنڈ، میں آپ سے ناراض ہوں اسُ دِن میں نے اِتنا مُشکل کام کیا مگر آپ کہاں غائب ہو گئے تھے۔ ٹھیک ہے میں گھر آکر آپکو بتاتی ہوں، اِتنے میں زبردست سا کھانا تیار رکھیں۔" مُسکرا کر کہتے ہوئے اسُ نے "اللہ کی اماَن میں" کہہ کر کال ڈارپ کی اور کچھ دیر "مُحبت" سے سیل فون پر چمکتے نام کو دیکھے گئی۔ اسُکا دِل اب کسی قدر مطمئن تھا ورنہ اسُکا دھیان ہمدی بھائی کی سِمت ہی لگا ہوا تھا جو تین، چار دِن سے پھر غائب تھے۔ سَر جھٹک کر مُسکراتے ہوئے وہ آگے بڑھی اور سَر اٹُھا کر اوپر دیکھا اور اسُکو ٹھہر جانا پڑا۔ اسُکو ٹھہرتے دیکھ کر حدید قوسین آگے بڑھا اور مَنتّ وہ سانس رُوکے اسُکو

اپنی سِمت آتے ہوئے دیکھ رہی تھی۔ آٹھ سال پہلے بھی ایک بار یوں ہی ہوا تھا اور اب بھی۔ تب بھی وہ اِیسے ہی سانس رُوکے خود کی طرف چل کر آتی مُحبت اور زندگی کو دیکھ رہی تھی اور خود پر تب خود ہی نازاں ہوئی تھی، اپنی خوش قسمتی کا ادراک تب ایک بار پھر مَنتّ کو ہوا تھا۔ ایک منظر یاداشت کے پردوں سے نکِل کر مَنتّ کی آنکھوں میں چھاتا چلا گیا۔

-----@------@-----@-----@-----

ہمیشہ وہ بعد میں آتی تھی اور حدید بیٹھا ہوتا تھا۔ آج وہ تھی اور حدید کو دیر ہو گئی تھی۔ لبوں پر دِلکش مُسکراہٹ لیئے دامنِ کوہ کے بلند و بالا پہاڑوں کے درمیان بیٹھ کر وہ اسُکے اِنتظار کے لیئے دِلجمعی سے تیار تھی۔ ڈھلتی دوپہر کو دیکھتے ہوئے اسُکی مُسکراہٹ لمحہ بہ لمحہ گہری ہوتی جا رہی تھی۔ اسِ اِنتظار میں بھی ایک لطُف تھا۔ اسُے اب سمجھ آیا تھا کہ حدید یہاں بیٹھ کر اسُکے آنے کا اِنتظار کیوں کرتا تھا۔ اپنی سُوچ کا خود ہی لطُف لے کر وہ خود ہی ہنس پڑی اور پھر ہر منظر میں جان پڑ گئی ہو جیسے۔

"سید حدید قوسین" اسُکی سمت بڑھ رہا تھا دِلنشیں مُسکراہٹ چہرے پر سجائے۔

قریب آنے پر مَنتّ کو یونہی یَک ٹکُ اپنی سِمت بِنا جھجکے، نثار ہو جانے والی نظروں سے دیکھتے پا کر حیرانگی سے ہنستا ہوا اسُکے عین سامنے آ رکا۔ مَنتّ کا اِرتکاز پھر بھی ماَند نہیں پڑا تھا۔ وہ یونہی سَر اٹُھا کر حدید کو ابھی بھی اسُی محویت سے دیکھ رہی تھی۔ حدید بے ساختہ جُھکا، مَنتّ کی نظریں بھی ساتھ ہی نیچے آئیں مگر اِرتکاز ابھی بھی قائم تھا۔ وہ بنچ پر بیٹھی ہوئی تھی اور حدید اب اسُکے بالکل سامنے اپنے چہرے کو اسُکے رُوبرو جُھک کر لے آیا تھا۔ دونوں کتنے ہی لمحے سِحر زدہ سے ہو کر ایک دوسرے کو دیکھتے رہے، خاموشی سے، بِنا کچھ بھی کہے۔

آج وہ یوں حدید کو اِتنے قریب سے عین رُوبرو پہلی بار فرصت سے دیکھ رہی تھی اور یوں بیٹھے بیٹھے عمر گُزار دینے کے حق میں تھی۔ حدید جو جُھک کر مُسکراتی نظروں سے محضوظ ہو رہا تھا بے ساختہ ہنس پڑا۔ مَنتّ اسکے اسِ طرح ہنسنے پر فدا ہو گئی تھی۔ حدید نے بے ساختہ کچھ اور آگے ہو کر اسُکے چہرے پر پھُونک ماری چونک اُٹھنے کے بجائے مَنتّ نے مُسکرا کر آنکھوں کو بند کر لیا۔ اسُکا رُوم رُوم اسُ پھُونک سے مُعطر ہو اٹُھا تھا اور وہ کِھلکھلا کر ہنس پڑی۔ مَنتّ کے یوں کِھلکھلانے پر حدید کی آنکھوں میں زندگی دُوڑ گئی تھی۔

"کیا بات ہے، آج بہت مُحبت اور نثار ہو جانے والی نظروں سے دیکھ رہی ہو تم۔" حدید نے اسُکے قدموں میں گُھٹنوں کے بل بَیٹھتے ہوئے کہا تو مَنتّ بِنا کچھ کہے سَر کو خم دے کر بس اسُی طرح مُسکرا کر دیکھتی رہی۔

"کیوں آج شاک پہ شاک دے رہی ہو یار، اِتنی محویت سے میرے کہنے پر تو نہیں دیکھا تم نے۔" حدید کے حیران سے تاثرات کو دیکھ کر مَنتّ کو یوں محسوس ہوا جیسے اسُ پر کسی نے گلابوں سے بَھری تھال پلٹ دی ہو۔ مَنتّ نے یوں کبھی بے خودی نہیں دیکھائی تھی حدید کے سامنے۔ حدید کے بہت کہنے پر بھی وہ بامُشکل اسکو لمحہ بھر کے لیئے دیکھ کر جِھجکتے ہوئے نظروں کا زاویہ بدل لیتی تھی سُو حدید کی حیرانگی جائز تھی۔ اپنے اِتنے گہرے ارِتکاز پر وہ خود بھی دِل میں حیران سی تھی۔

"یونہی اب تو آپ میرے مِحرم ہیں نہ، نظر بھر کر آپکو دیکھنا میرا حق ہے۔" وہ اسُی محویت اور مُحبت سے بولی تو حدید بے ساختہ مزید حیران ہو گیا۔

" مِحرم تو خیر میں تمہارا تب بھی تھا جب میں تمہیں کہتا تھا میری طرف دیکھو، کیا آج تمہارا اِرادہ میرا ہارٹ فیل کروانے کا ہے" اب وہ شاد ہوتے دِل کے ساتھ شرارت سے بولا تو مَنتّ کے چہرے پر خفگی بھرے تاثرات اُبھرتے دیکھ کر حدید نے اسُکے کہنے سے پہلے ہی ہار ماننے والے انداز میں دونوں ہاتھ اٹُھا لیئے۔

"ہاں آپ گاؤں سے ہو آئے نہ، سب خیریت تھی نہ گھر پر؟" یاد آ جانے پر اسُ نے بےساختہ پوُچھا تو حدید نے یونہی اسُکے قدموں میں بیٹھے ہی یاد آجانے پر جیکٹ کی جیب سے کچھ نکالا اور اسُکو کھُولنے لگا۔"اللہ کا شکر سب خیریت تھی، اِنفیکٹ حُرمت بہت زیادہ سلام کہہ کر تمہارا پوُچھ رہی تھی۔"مُسکرا کر کہتے ہوئے اسُ نے چھُوٹے سے ڈبے سے کچھ نِکالا اور ایک ہاتھ آگے رکھ کر، مُنتّ سے چھُپاتے ہوئے کھُولنے لگا تو مَنتّ اسُکی بچگانہ حرکت پر مُسکرائے بغیر نہ رہ سکی۔

"وعلیکم اسلام، میرا حُرمت سے مِلنے کا بہت زیادہ دِل کرتا ہے حدید ، کبھی لے کر آئیں نہ آپ حُرمت کو اِسلام آباد۔"مَنتّ نے کہتے ہوئے دِلچسپی سے آگے ہو کر دیکھنا چاہا تو حدید نے ہاتھ پیچھے کرکے تادیبی نظروں سے مَنتّ کو دیکھا تو وہ سَر ہلا کر مُسکراتی ہوئی پیچھے ہو گئی۔

"ہاں اِنشاءاللہ، مِلواؤں گا کسی دِن، وہ تو روز مجُھے بھڑکاتی رہتی ہے کہ مَنتّ کو رُخصت کروا کر لے آؤ جس نے راضی ہونا ہو گا خود ہی بعد میں ہوتا رہے گا۔"اسُکی سِمت دیکھتے ہوئے وہ مُسکرا کر بولا تو مَنتّ اب کی بار بےساختہ جِھینپ گئی۔حدید نے ٹھُہر کر اسُکے سُرخ پڑتے چہرے کو دِلچسپی اور مُحبت سے دیکھا اور اٹُھ کھڑا ہوا اور مَنتّ اب سَر جُھکا کر بیٹھ گئی۔

"کھڑی تو ہو نہ یار۔" حدید نے اسُے یونہی سَر جھکائے بیٹھا دیکھ کر مُسکرا کر کہا تو وہ ہڑبڑا کر اٹھ کھڑی ہوئی ی۔

"کیا ہوا؟" مَنّت کے چہرے پر دَر انے والے ہونق قسِم کے تاثرات بہت دِلچسپ تھے۔وہ دو قدم اسکی سِمت بڑھا تو مَنتؔ تین قدم پیچھے، حدید نے بے اِختیار مُسکرا کر ہاتھ بڑھا کر اسکو اپنے مقابل کھینچ کر کھڑا کر دیا۔

"نہیں کھاتا میں تمہیں، یہ لاکٹ تمہارے لیئے لایا تھا، وہی پہنانا چاہ رہا ہوں تمہیں، یہ پسند حُرمت نے کیا ہے مگر خریدا میں نے ہے۔" حدید نے لاکٹ پہناتے ہوئے اسکے چہرے کی اُڑتی ہوائیوں کو دیکھ کر کہا تو وہ بے ساختہ جھینپ گئی۔حدید پہنا چکا تو اس نے لاکٹ پکڑ کر تھوڑا اگے کھینچا۔اسُ لاکٹ پر چھوٹے چھوٹے ہیروں سے مزین اُردو میں "حدید" لکھا تھا اور باقی چین سُونے کی تھی۔مَنّت کے چہرے پر دَر انے والی ستائش اور محویت کو دیکھ کر وہ مُسکرا دیا۔اِتنے میں حدید کا سیل فون گُنگُنا اٹُھا اور چمکتے نام کو دیکھ کر اسکی مُسکراہٹ کچھ اور گہری ہو گئی۔مَنتؔ ہر شے سے بے نیاز دلچسپی سے لاکٹ ہر خوبصورتی سے کنندہ "حدید" کو دیکھ رہی تھی۔

"اسلام و علیکم یار، بہت بڑی زندگی ہے تمہاری۔ابھی لمحے پہلے تمہارا ہی ذکر چل رہا تھا۔" اسکے مسکراتے لہجے پر مَنّت نے سَر اٹُھا کر اسکو دیکھا۔"ظاہر ہے، مَنّت کے ساتھ۔" اسُ نے مَنّت کے مُسکراتے چہرے کو دیکھ کر کہا جو اب اِشارے سے اسکی بات کروانے کا کہہ رہی تھی۔

"لو یہ مَنّت سے بات کرو، اس سے پہلے کہ یہ مُجھ سے فون چھین لے۔" حدید نے کہتے ساتھ مَنّت کو سیل دیا جس نے فون حدید سے تقریباً جھپٹ لیا تھا۔

"ہاں اسلام و علیکم حُرمت، یار بہت جزاک اللہ اتنے قیمتی اور خوبصورت تحفے کے لیئے۔میں اِسکو کبھی خود سے الگ نہیں کرونگی۔"وہ اب ہنستے ہوئے حُرمت سے پرُجوش ہو کر بات کر رہی تھی اور حدید عقب میں بازو باندھ کر انکھوں میں ڈھیروں محبت لیئے اسُکی مُسکراہٹ، اسُکی جِگر جگر کرتی آنکھیں، اسُکے برُجوش معصوم چہرے کو محویت سے دیکھتا رہا۔حُرمت کے کچھ کہنے پر وہ بے ساختہ کِھلکِھلا کر ہنس پڑی اور حدید کے دِل نے انُ دو محبوب لوگوں کی ہنسی کے
دائمی ہونے کی دُعا کی تھی لیکن ہر دُعا قبول تو نہیں ہوتی نہ۔

-----@------@------@------@------@----

اور وہاں حُرمت لام میں گھاس پر بیٹھے، ہر دُکھ بھُلائے مَنّت کی باتوں سے محضوظ ہو کر ہنسے جا رہی تھی بس۔تیسری منزل کے ٹیرس پہ کھڑے شخص کو اسُکی دلفریب، ندگی سے بھرپور ہنسی نے مسحور سا کر کے جامد کر دیا تھا۔وہ وہیں کھڑا ساکت سا اسُ چہرے کو دیکھے گیا۔وہی چہرہ جو "سید شہسوار عالم" کو بے اِنتہا محبوب تھا۔بے ساختہ کبھی، کہیں پڑھا ہوا شعر شہسوار کو یاد ا گیا تھا۔

میرے محبوب! تیری صورت بہت پیاری ہے۔۔۔ مُجھ کو اِک خوف سا رہتا ہے تیرے بارے میں

شہسوار کا دِل اسُ چہرے کو دیکھتے ہی مختلف اندیشوں، وسوسوں کی آماجگاہ بن گیا تھا۔کیا کبھی وہ ماں کو ناراض کر کے اسُ لڑکی کی سِمت قدم بڑھا پائے گا جو اسُکی جان کو آئی ہوئی تھی؟؟ تھکے قدموں سے وہ اندر کی جانب پلٹ گیا تھا کیونکہ جواب شاید اسُکے دِل کے موافق نہ تھا، اور حُرمت نے اپنی نم آنکھوں کو صاف کر کے ٹیرس سے پلٹتے وجود کو دیکھ کر ایک گہری سانس لی۔اسُ شخص کی

موجودگی کی خبر اسکو ہوائیں دے دیا کرتی تھیں۔اِیسی ہی کچھ مُحبت تھی حُرمت قوسین کو شہسوار عالم سے جو بے نیاز تھا اور حُرمت نیازمند تھی۔

وقت یاور ہی نہ تھا، وقت مقرر ہی نہ تھا ورنہ وہ شخص ہمارا بھی تو ہو سکتا تھا۔۔۔

مَنتّ کی اواز نے اسُے چونکا دیا تھا جو اسُ سے کچھ کہہ رہی تھی سُو وہ سنبھل کر بیٹھ گئی۔

"کہاں گُم ہوگئی ہو حُرمت؟ میں کہہ رہی ہوں حدید کے ساتھ کسی دن اسلام آباد آنا نہ۔"اب کی بار اسُ نے مُسکرا کر کہتے ہوئے حدِید کو دیکھا جو اسُکی بات سُن کر چونک گیا تھا۔اور حدید کی سماعتوں میں بس یہی لفظ گونجتا رہا۔"کہاں گُم ہوگئی ہو حُرمت؟" وہ واقف تھا اپنی بہن کی "خاموش مُحبت" سے جو اسُکے دِل کا رُوگ بن چکی تھی۔

@----@-----@-----@-----@-----

"چلو پھر تم امی جان کو میرا سلام اور بہت پیار کہنا۔باباجان جس دن آئیں میری بات کروانا اُن سے۔"اُسکو یاد دہانی کرواکر اُس نے "اللہ حافظ" کہتے ہوئے سیل فون حدید کی سِمت بڑھایا جو چہرہ جُھکائے جوتے کی نوک سے مٹی کُھرچ رہا تھا۔مَنّت نے بغور اُسکو دیکھا اور پھر اُسکے قدموں کی حرکت کو۔۔۔

"حدید!" اُس نے قدرے اُونچی آواز میں پُکارا تو حدید نے چونک کر اُسکو اور پھر اُسکے بڑھے ہوئے ہاتھ کی سِمت دیکھ کر ہلکا سا مُسکراتے ہوئے سیل فون لے لیا۔

"کیا بات اُداس کر رہی ہے حدید؟" اُس کے نرمی اور مُحبت سے کہنے پر حدید بے ساختہ چونکا۔کم از کم مَنّت اور حُرمت سے وہ خود کو نہیں چُھپا سکتا تھا۔یہ سُوچ کر وہ بے اِختیار مُسکرا دیا۔

"کیا ہوا؟" مَنّت کے حیران لہجے پر وہ اپنی ہنسی بامُشکل دبا گیا تھا۔

"تم سے اور حُرمت سے میں کہیں نہیں چُھپ سکتا یار۔"ہنستے ہوئے اُس نے بے چارگی سے کہا تو وہ بھی دھیرے سے مُسکرا کر پھر سنجیدہ ہو گئی۔

"چُھپنے کی ضرورت ہی کیا ہے اور وہ بات بتائیں جو اُداس کر رہی ہے۔"مَنّت کی سُوئی وہیں اٹکی ہوئی دیکھ کر حدید بھی سنجیدہ ہو گیا تھا۔

"حُرمت نے تمھیں اسلام آباد آنے کے بارے میں کیا کہا؟" حدید کے پُوچھنے پر مَنّت بے ساختہ اُسکا مُضمحل ہوتا سنجیدہ چہرہ دیکھنے لگی۔

"کچھ نہیں، بس مُسکرا کر بات بدل دی۔"بلاشبہ مَنّت لوگوں کی نفسیات سمجھ کر اُنکو کُریدتی نہیں تھی۔

گہرا سانس لے کر حدید نے ڈھلتے سُورج پر نگاہیں جما لیں تھیں اور جب وہ بولا تو مَنّت کو اُسکی آواز بہت اُداس لگی، بے حد اُداس، دِلگرفتہ۔۔۔

"وہ اُس جگہ کو کبھی نہیں چھوڑ سکتی جہاں کبھی کبھار ہی سہی شاہسوار آتا تو ہے۔"حدید نے مدہم آواز میں کہہ کر سَر جُھکا لیا تھا۔مَنّت نے اُسکے جُھکے سَر کو بغور دیکھ کر اُسکے شانے پر تسلی اور اپنائیت بھرا اپنا ہاتھ رکھا تھا۔اُداسی کچھ کم ہو گئی تھی۔

" تو حُرمت شہسوار بھائی سے مُحبت کرتی ہے۔"مَنّت نے جیسے بہت سُوچ سمجھ کر کہا تھا۔وہ تو خود بھی مُحبت کی ماری تھی، مُحبت شناس۔اِس کیفیت کی گزرگاہ سے اُسکا آنا جانا لگا ہی رہتا تھا۔

"ہاں اور جب سے وہ دس سال کی تھی تب سے شاہسوار کے نکاح میں ہے۔"اُس نے اب کی بار کچھ اور اُہستگی سے کہا تھا۔مَنّت کو لگا اُس نے کچھ غلط سُن لیا تھا۔

حُرمت کا نکاح ہو چکا ہے؟" وہ اَزحد حیرانگی سے بولی تھی اور اُسکے چہرے کے تاثرات دیکھ کر حدید مُسکرا دیا۔

"حیران کیوں ہو رہی ہو جب ہمارا ناممکن سا نکاح ہو سکتا ہے وہ تو تب ممکن تھا۔"حدید کے کہنے پر مُنّت بے اِختیار جھینپ گئ تھی۔

"نہیں، میرا وہ مطلب نہیں تھا، میں کہنا چاہ رہی تھی کہ۔۔۔"اِس سے پہلے کہ وہ بات مکمل کر پاتی بہت دُور سے آتی آواز نے اُسکو ٹھٹھکا دیا تھا۔

"میم آپ۔"اُس کچھ جانی پہچانی آواز پر وہ جھٹکے سے ماضی سے نِکل آئی اور نگاہ اِرد گرد دُوڑائی وہ ہاسپتال کے راہداری میں کھڑی تھی اور اُسکے سامنے کھڑی جونئیرڈاکٹر اَرباب کھڑی فکرمندی سے اُسے پُکار رہی تھی۔اُس نے چونک کر اَرباب کو دیکھا تھا اور پھر اُسکو جو ڈاکٹر مَنّت اِمام پر ایک سَرسری نظر ڈال کر آگے بڑھتا چلا گیا تھا۔

"کچھ نہیں ہوا بچے، جذاک اللہ۔"مُحبت اور نرمی سے کہہ کر وہ ڈاکٹر اَرباب کو ورطہ حیرت میں ڈال کر چل پڑی تھی۔ڈاکٹر اَرباب نے حیرانگی سے پلٹ کر خارجی دروازے کی سِمت جاتی ڈاکٹر اِمام کو دیکھا تھا جنکے قدم آج بھی مضبوط تھے مگر بے حد تھکن ذدہ سے۔۔۔

-----@-------@------@-------@------@-----

"ادا سجاول! اچھا ہوا تم وہاں اُس رات کو نہیں گئے۔" بُوکھلایا بُوکھلایا سے فرید نے بھاگ کر اُسکے سامنے آتے ہوئے کہا تو وہ جو نخوت سے ٹانگ پر ٹانگ چڑھائے تنفر سے بیٹھا تھا جھٹکا کھا کر اُٹھ کھڑا ہوا۔

"ابے کیا بکواس کر رہا ہے تُو؟" ہمیشہ کی طرح اُس نے فرید کو لِتاڑا تھا جو اُسکے غصّے کے باعث پریشان سا ہاتھ باندھے کھڑا تھا۔

"وہی ہوا ادا سجاول، اِس بار پھر ہمزاد کے بجائے کسی اور نے حملہ کر کے ہمارا سارا مال جلّا ڈالا۔ میں وہاں سے بہت مُشکل سے جان بچا کر آیا ہوں سرکار۔" فرید نے گھگھیا کر کہا اور سُنتے ہی سجاول کا فشارِ خون بُلند ہو گیا تھا۔

"بے غیرتوں! تم لوگوں نے پھر میرا سارا مال گنوا دیا، کروڑوں کا نقصان کر دیا میرا۔" اُسکی دھاڑ سے حویلی کے در و بام تک سہم گئے تھے۔ اُس نے آگے بڑھ کر ایک زبردست لات سامنے سَر جُھکائے کھڑے فرید کو ماری تھی جو اِس حملے کے لیئے تیار نہیں تھا اور دُور جا گِرا۔ فرید کو لگا اُسکی ساری ہڈیاں چٹخ گئی ہوں مگر وہ تیزی سے سنبھل کر کھڑا ہوا اور پھر سے خوفزدہ مگر مُودب سا ہو کر سجاول کے رُوبرو کھڑا ہو گیا تھا۔

"تم منحوسوں کی وجہ سے مال بھی گیا اور گاہک بھی۔ تنخواہ کس بات کی لیتے ہو بغیرتوں۔" اب کی بار اُس نے فرید کے عقب میں کھڑی ہٹّے کٹّے دس، بارہ آدمیوں کو طیش میں آ کر کہا تھا جو سَر جُھکائے خوف سے کانپ رہے تھے۔ وہ سب جانتے تھے کہ سجاول ارمغانی کس قدر ظالم اور سِفاک شخص تھا۔

"ادا مُجھے سُن گُن ملی ہے کہ وہ ہمزاد نہیں تھا۔" فرید نے دوبارہ سے کچھ کہنا چاہا۔ سجاول جس کا چہرہ غصّے اور شدید تنفر سے سُرخ ہو رہا تھا یک دَم اُسکے چہرے کے تاثرات بدلے تھے اور اُس نے چونک کر فرید کو دیکھا تھا۔

"تُو بکواس کیا کرنا چاہ رہا ہے؟" اب کی بار بھی لہجے میں جلّال تھا مگر پہلے والی سنگینی اور دھاڑ مفقود تھی کیونکہ فرید اُسکے بہت کام کا اور بھروسے کا آدمی تھا۔ اُسکے سہارے سجاول نے بہت کچھ حاصل کیا تھا ورنہ اُسکے پاس فرید کے علاوہ بہت سے نالائق تھے اور صرف فرید ہی اِیسا تھا جو سجاول کے لیئے سَر دھڑ کی بازی لگا سکتا تھا۔۔۔ اِیسا سجاول کا ماننا تھا اور کچھ غلط بھی نہ تھا۔

فرید نے دیکھا کہ سجاول بات سُننے کو آمادہ ہے تو یونہی مُودب سا آگے آیا، اِک نظر سجاول کو دیکھنا چاہا مگر اُسکی لہو رنگ آنکھوں سے ٹپکتی رعونیت اور بربریت نے اُسکو لرزا کر آنکھیں جُھکا دینے پر مجبور کر دیا تھا۔

"وہ ہمزاد نہیں تھا ادا، میں پُریقین ہوں۔" فرید نے اب کی بار پُرسوچ مگر پُرتقین لہجے میں کہا تھا۔

"اب گھُونچو! آگے پھُوٹ منہ سے۔" سجاول نے تِلملا کر دانت پیسے تھے۔

"کیونکہ سرکار، ہمزاد سفید ماسک میں ہوتا تھا ہمیشہ جبکہ یہ شخص کالے نقاب میں تھا اور اُسکا انداز کافی محتاط قِسم کا تھا۔" اُس نے اب کی بار تفصیلاً کہا تو سجاول ٹھٹھکا مگر اِس سے پہلے کے فرید کچھ اور کہہ کر سجاول کو رام کرتا عقب کے دروازے سے سجاول کا "مُشیرِ خاص" داخل ہوا تھا۔ آج سے پہلے فرید نے اُسکو کبھی نہیں دیکھا تھا مگر اب دیکھ کر وہ بے اِختیار حیرت سے چونک گیا تھا۔

یہ شخص تھا سجاول کا 'ہامان'۔ وہی ہامان جو سجاول کو سارے خوفناک اور بھیانک مشوروں سے نوازتا تھا۔ ہامان نے ایک سَرسِری نظر ہاتھ باندھ کر حیرت ذدہ سے فرید پر ڈالی تھی اور پھر سجاول کو دیکھا تھا جو اُسکو دیکھ کر مُسکرا رہا تھا۔ پہلے والا جلال، غصہ اور رعونت کہیں بھی نہیں تھی۔

"کیا خبر ہے چُھوٹے؟" سجاول نے مُونچھوں کو تاؤ دیتے ہوئے شطرانہ مُسکراہٹ چہرے پر سجا کر دریافت کیا تھا۔

"یہ سہی کہہ رہا ہے سجاول۔ وہ ہمزاد نہیں تھا۔" اُس ہامان نے فرید کی بات کی تصدیق کرتے ہوئے کہہ کر فرید کے بُجھتے چہرے کی رونق بحال کر دی تھی۔ سجاول نے ایک نگاہ فرید پر ڈال کر پھر اپنے 'ہامان' کو دیکھا تھا۔

"یار کُھل کر بیان کر سب۔" سجاول بے چینی سے کہتا ہوا پیچھے پلٹ کر اپنی شاہانہ سی کرسی پر براجمان کو گیا تھا۔

"ہمزاد کُھل کر مارتا ہے جیسے سَر پر کفن باندھ کر نِکلا ہو جبکہ یہ شخص پورے پلان کے ساتھ آتا ہے جیسے ایک عرصے سے گھات لگا کر بیٹھا ہوا تھا اور جانتا تھا جیسے کہ یہ ڈیل ہماری بہت اہم اور مہنگی ہے۔" ہامان نے اُسی سنجیدگی سے کہا تھا جو اُسکا خاصہ تھی۔

"یعنی ہمارا ایک اور دشمن بھی ہے۔ ابھی ہمزاد کا معلوم نہ ہو سکا کہ کون ہے اور یہ دوسرا کہیں سے آٹپکا۔" رعونت سے مُٹھی بنا کر کہتے ہوئے اُس نے ٹانگ پر ٹانگ چڑھائی اور اُسکو جھلانے لگا تھا۔

"ایک کفن باندھ کر نِکلتا ہے اور دوسرا شاید ہمیں کفن میں باندھنا چاہتا ہے۔" وہ پُرسوچ لہجے میں بولا تھا۔ ہامان یونہی کھڑا رہا اور محض سَر ہلانے پر اِکتفا کیا تھا اُس نے۔

"ہمیں ہوشیاری کے ساتھ اِحتیاط سے بھی کام لینا ہو گا سجاول کیونکہ ہم اپنے دشمن اور اُنکے اِرادوں سے بے خبر ہیں اور یہ سب سے خطرناک بات ہے۔" ہامان نے پھر اِنتہائی بُردباری سے کہا۔ سجاول نے چونک کر اُسکو دیکھا جو اُسکا 'ہامان' تھا پھر جیسے سمجھ کر سَر ہلایا تھا اور پھر لمحے بعد اُسکے چہرے پر یک دم ایک مکرو اور شاطرانہ مُسکراہٹ اُبھر آئی تھی۔ ہامان اِس مُسکراہٹ کے مفہوم سے بخوبی واقف تھا اِس لیئے وہ بھی زیرِ لب مُسکرا دیا تھا۔ فرید نے قدرے حیرانگی سے ہامان کو دیکھا اور پھر سجاول کو اور وہ سارا معملا سمجھ گیا۔ سجاول اُسکا مَالک تھا اور فرید خادم اور خادم، مالک کی اِس مُسکراہٹ کو جانتا تھا۔ وہ کسی فیصلے پر پہنچ جانے والی مُسکراہٹ تھی۔

----@-------@-----@------@-----@-----

؎ ہم نے ہر طور تیرے درد کو تازہ رکھا
ہم نے گھر کی دَر و دیوار پہ لکھ دی 'ہائے'۔۔۔

اُس نے گاڑی پُورچ میں کھڑی کی اور باہر نکل کر 'ہمدی بھائی' کی بائیک کو کھڑا دیکھ کر وہ آسودگی سے مُسکراتے ہوئے اندر بڑھ گئی تھی۔ باہر شام کا وقت تھا مگر اُس گھر میں ہر جانب ایک غیر معمولی سی خاموشی تھی جو شاید اُس گھر کے مکین کے لیئے عام بات تھی اِس لیئے وہ یونہی اندھیرے اور خاموشی سے چلتی ہوئی آئی اور ایک دیوار کے سامنے آ کھڑی ہوئی، جو بظاہر ایک دیوار تھی۔ اُس نے کچھ فاصلے پر دیوار پر آویزاں پینٹنگ کو تھوڑا سا اپنی اصل جگہ سے ہلا کر واپس اُسی حالت میں کر دیا تھا اور اُس دیوار کے سامنے دوبارہ آ کھڑی ہوئی تھی اور پھر اُس دیوار کے مخصوص حصے پر اپنا دایاں ہاتھ پورا رکھا تو ہلکی سے کلِک کے ساتھ وہ دیوار منظر سے ہٹتی ہوئی ساتھ رکھے ریک کے پیچھے غائب

ہو گئی تھی۔اب سامنے لکڑی کا ایک آبنوسی دروازہ تھا اُسکو کھُول کر وہ اندر آئی تو بے اِختیار افسردگی سے مُسکرا دی تھی کیونکہ سامنے ہی وہ بڑی سی ایل۔ای۔ڈی سکرین کے سامنے سیاہ صوفے پر بیٹھا ہوا اِنہماق سے سکرین پر یکے بعد دیگرے دَر آنے والے مناظر کو دیکھ رہا تھا۔

"ہمدی بھائی۔"اُس نے مدھم مگر مُحبت بھری آواز میں پُکارا تھا اور وہ دیک دَم چونکتے ہوئے کھڑا ہو کر پلٹا تھا۔اندھیرے کے باعث اُسکے خدوخال واضح نہیں تھے مگر وہ کالی قمیض شلوار میں ملبوس ایک دراز قامت شخص تھا۔

"ارے مَنّت۔"اُسکے کہے جانے پر مَنّت نے سامنے پڑے کانچ کے ٹیبل پر اپنا بیگ رکھ کرسُوئچ بورڈ کو ہاتھ مارا تھا۔ایک جھماکے سے سارا ہال روشن ہوا اور اُس شخص نے آنکھوں کو بچانے کے لیئے اُنکے آگے ہاتھ رکھ لیا۔وہ شاید کئی دِنوں سے اندھیروں میں تھا۔اُس نے چہرے سے ہاتھ ہٹایا تو مَنّت کو دیکھ کر اُسکے چہرے پر مدھم، بہت ہی مدھم شفقت بھری مُسکراہٹ اپنی چھب دِکھا کر غائب ہو گئی تھی۔

"اسلام و علیکم، ہمدی بھائی!" مَنّت کے لہجے میں محسوس کی جانے اپنائیت اور مان تھا۔وہ قدرے آگے بڑھا اور ہمشیہ کی طرح 'وعلیکم اسلام' کہہ کر اُسکے سَر پہ ہاتھ پھیرا۔یہ وہ ہاتھ تھا جو سات سالوں سے مَنّت اِمام کے سَر ہر ہمہ وقت موجود رہا تھا۔

"کیا حال ہیں تمہارے؟" اب کے وہ صوفے پر بیٹھتے ہوئے پُوچھ رہا تھا۔مَنّت بھی اُسکی تقلید میں سامنے براجمان ہو گئی تھی۔

"میں تو ٹھیک ہوں الحمداللہ۔ناراض تھی آپ سے بہت سخت۔"اب اُسکے لہجے میں خفگی اور نروٹھا پَن در آیا تھا جسے محسوس کر کے ہمدی مُسکرا دیا تھا۔

"اور میں جانتا ہوں کہ میری پیاری بہن مُجھ سے زیادہ دیر تک کے لیئے ناراض نہیں رہ سکتی۔"وہ شرارت سے بولا تو مَنّت کِھکھلا کر ہنس پڑی تھی۔

"جی اور اِسی بات کا ناجائز فائدہ آپ ہمیشہ سے اُٹھاتے آ رہے ہیں۔"اُسکے مُسکراتے لہجے میں خفگی کا شائیبہ تک نہیں تھا۔

"سوری یار، بہت اہم کام تھا۔تم جانتی تو ہو۔"اب کے وہ سنجیدگی اور مطانت سے بولا تو مَنّت بھی فوراً سنجیدہ ہو گئی تھی۔

"مُجھے کرنے کی ضرورت ہی نہیں پڑی۔کسی اور نے کر دیا میرے حصے کا کام۔"وہ جیسے بہت سُوچ کر بُولا تھا۔مَنّت جہاں کام کے ہونے کا سُن کر پُرسکون ہوئی تھی وہیں اُلجھ بھی گئی۔

"کیا مطلب؟ آپ نے اِتنا اہم کام کسی اور کو سونپ دیا تھا۔وہ ہمارے اعتبار کا تو ہے نہ؟" وہ شدید ترین اِضطراب کے زیرِ اثر بولی تھی۔

"ریلکس یار۔اُسکی بھی مُجھے کوئی بہت پُرانی خاندانی دشمنی لگ رہی تھی اور اُسکا مقصد اُن لوگوں کو آسان موت مار دینا نہیں لگ رہا تھا۔"وہ اُسی آہستگی سے بولا تھا جو اُسکا خاصہ تھی اور مَنّت متفکر اور حیران رہ گئی تھی ہمدی کی بات سُن کر۔

"بہرحال اگلی بار میں آپکو اکیلے نہیں جانے دوں گی۔اللہ جانے وہ کون ہے۔مدد کرنے والا ہمیشہ خیرخواہ ہی تو نہیں رہتا نہ اور میں آپکو کسی مُشکل میں نہیں دھکیل سکتی۔"کہتے ہوئے اُسکی آواز بُہت

مدہم اور مضمحل ہو گئی تھی۔ وہ اُسکا بھائی تھا وہ اِیسے کیسے اُسے موت کے مُنہ میں اِتنی آسانی سے جانے دے سکتی تھی۔

"بچوں جیسی باتیں نہ کرو مَنّت۔ تم اچھے سے جانتی ہوں میں اِتنی آسانی سے ہار مان کر مَر نہیں سکتا۔ اللہ ہمارے ساتھ ہے۔" وہ بولا تو اُسکے لہجے میں سب کچھ جلا کر بھسم کر دینے والی تپش تھی۔

"میں پہلے بھی تو جاتی رہی ہوں تو اب کیا مسئلہ ہے؟" وہ کچھ جُھنجھلا گئی تھی۔ ہمدی نے اُسکو دیکھ کر ٹیبل ہر دھری فائل اُنگلی سے اُسکی جانب دھکیل دی تھی۔

"پڑھو اِسے اور سمجھنے کی کوشش کرو۔ پہلے کی بات اور تھی۔" وہ اب کی بار دو ٹوک لہجے میں بولا تھا۔ مَنّت نے بِنا کچھ کہے وہ فائل اُٹھا کر کھولی اور ایک پل کے لیئے اُسکا چہرہ بالکل سفید پڑ گیا تھا مگر ہمدی کی نظریں خود پر محسوس کرتے ہوئے وہ فوراً سنبھلی تھی۔

"تو کیا ہوا مجُھے کسی کا ڈر نہیں مارا ہوا۔" اُس نے فائل دوبارہ بند کرتے ہوئے مطمئن انداز میں کہا تھا مگر اُسکا دِل دھڑا دھڑ جل رہا تھا نفرت اور تکلیف سے۔

"تو کیا ہوا؟" ہمدی نے تمسخرانہ لہجے میں اُسکی بات دُوہرائی تو مَنّت نے بے نیازی سے کندھے اَچکا دیئے تھے۔

"وہ تمہیں نہیں بُھولے ہیں مَنّت۔ آٹھ سالوں میں وہ پاکستان کے سارے معروف شہر کتوں کی طرح کُھوج چکے ہیں اور میں جس کام میں بھی ہاتھ ڈالتا ہوں اُسکا سِرا اِس شخص سے جا مِلتا ہے۔ وہی جو ہمارا پہلا اور آخری ہدف ہے۔" اب کہ وہ اُونچی مگر سَرد آواز میں بولا تھا۔ اُسکے لہجے میں بے پناہ نفرت تھی جیسے محسوس کر کے مَنّت کا دِل ایک زینہ نیچے پھسلا تھا۔

"ٹھیک ہے مگر میں آپکی مدد تو کر سکتی ہوں نہ اِنڈیکٹرلی۔"اب کے اُس نے مانتے ہوئے لجاجت سے کہا۔ہمدی کے لیئے اُسکا ٹِک کر بیٹھ جانا بھی غنیمت تھا لیکن اِتنی آسانی سے ماننے کا اُسکا کوئی اِرادہ نہیں تھا۔

" کیا تم بُھول گئی ہو کہ وہ کیسا اِنسان ہے یا اُسکے دیئے ہوئے نقصانات بُھول چکی ہو جو اُس نے ہمیں دیئے ہیں۔"ہمدی کے لہجے میں تکلیف اور اذیت بول رہی تھی اور آنکھیں شدتِ تکلیف سے لہو رنگ ہو گئی تھیں۔
"کچھ نہیں بُھولی سب یاد ہے۔اِسی لیئے تو کہہ رہی ہوں۔میں آٹھ سال پہلے والی ڈری سہمی سہارے تلاش کرتی مَنّت ولّی خان نہیں رہی مَنّت اِمام ہوں میں۔"کہتے ہوئے اُسکے لہجے میں خوف کا دُور تک کوئی شائبہ نہیں تھا۔ہمدی نے چونک کر پُرسوچ مگر تولتے ہوئی نظروں سے اُسے دیکھا تھا۔
"میں آپکی شاگردہ ہوں، بُھول گئے ہمدی بھائی۔"اب کے اُسکا مُسکراتا لہجہ معنی خیز تھا جسے محسوس کرتے ہوئے ہمدی کے چہرے کو بھی ویسی ہی مُسکراہٹ چُھو گئی تھی کیونکہ وہ اُسکے ہر کام، ہر رازاور ہر کامیابی میں برابر کی شریک تھی۔
"میں تمہیں منع نہیں کر رہا مَنّت لیکن تمہیں تمہاری کہی ہوئی بات ضرور یاد کرواؤں گا کہ شکار کو ٹھنڈا کر کے کھاتے ہیں کیونکہ گرم گرم شکار اپنا ہی مُنہ جلا دیتا ہے۔"اب کے وہ مدھم، مُسکراتی آواز میں بولا تھا۔یہ اُسکا مان جانے کے بعد والا انداز تھا۔ساتھ مِل کر چلنے سے پہلے والی نصیحت جس

سے وہ کئی سالوں سے آشنا تھی سو اُسکے چہرے کو ایک پُراِسرار مُسکراہٹ چُھو گئی تھی۔تکلیف اور اِنتقام سے بھری۔

بعد میں بدلا ضروری ہے جناب!

ہاں میں پہلے وار کے حق میں نہیں۔۔

----@-----@-----@-----@-----@----

وہ ایمر جنسی وارڈ کا چکر لگا کر آ رہی تھی کہ سامنے سے بدحواسی سے بھاگ کر آتی ہوئی ڈاکٹر ارباب کو دیکھ کر ٹھٹک کر ٹھہر گئی۔ڈاکٹر ارباب نے اُسکو دیکھ لیا تھا تبھی دُوڑتی ہوئی اُسکے سامنے آ کر جُھک کر سانس ہموار کر رہی تھی۔

"سب خیریت؟" مَنّت نے سنجیدگی سے کہا تو وہ سنبھل کر کھڑی ہوئی۔

"میم ای-سی-یو سے آپکو کال آئی ہے۔آپ فوراً وہاں پہنچ جائیں۔"ارباب نے تیزی سے کہا تو مَنّت کی پیشانی پر پریشانی اور تفکر کا جال سا بِچھ گیا۔

"کب کال آئی ہے؟" اُس نے اپنا سیل فون تیزی سے نکالتے ہوئے پُوچھا تھا۔

"کچھ مِنٹ پہلے۔میں فوراً یہاں بھاگ کر آ گئی تھی۔"ارباب کی بات سُن کر وہ تیزی سے جانے کے لیئے آگے بڑھی مگر پھر ٹھہر کر چہرہ پھیر کر ڈاکٹر ارباب کو دیکھا اور "جذاک اللہ ڈاکٹر۔" کہہ کر وہ تقریباً بھاگتے ہوئے ای-سی-یو کی جانب بڑھ گئی اور ڈاکٹر ارباب شَل سی وہیں کھڑی رہ گئی۔

-----@----@-----@------@-----@-----@-----

"کیا ہوا؟ سب خیریت ڈاکٹر رضا؟" بھاگتے ہوئے وہ ای-سی-یو میں آئی تھی۔اب راہداری میں اِتنا رش دیکھ کر اُس کا دِل تیزی سے دھڑک کر ٹھہر گیا تھا۔اُسکو وہاں آتے دیکھ کر ڈاکٹر رضا اُسکی سِمت دُوڑتا ہوا آیا تو مَنّت نے مدہم سے لہجے میں پُوچھا تھا۔

"ڈاکٹر اِمام، سَر یاور کی طبیعت اچانک سے بہت خراب ہو گئی ہے اور۔۔۔"اِس سے پہلے کہ وہ اپنی بات مکمل کرتا ڈاکٹر مَنّت اِمام تقریباً بھاگ کر یاور صاحب کے رُوم میں گئی تھی۔سب نے حیرت سے اُسکی بے چینی اور پریشانی دیکھ رہے تھے مگر وہ کچھ بھی دیکھ اور سُن نہیں رہی تھی۔تیر کی طرح وہ تیزی سے سانس لیتے سر یاور کی سِمت پہنچی تھی۔اُنکو اِس قدر اذیت میں مُبتلا دیکھ کر ڈاکٹر مَنّت کے کلیجے کو ہاتھ پڑا تھا۔

بائیں ہاتھ سے اُنکے دِل کے دھڑکن محسوس کر کے اُس نے مونیٹر کو دیکھا تھا جہاں دل کی دھڑکن بہت مدہم نظر آ رہی تھی اور پھر وہ اُنکی آنکھوں کو کھُول کر دیکھ رہی تھی۔یہ سب کرتے ہوئے اُسکے ہاتھوں میں واضح کپکپاہٹ اور لرزش تھی۔

"ڈاکٹر رضا۔"وہ دہاڑی تھی۔رُوم میں موجود ہر کوئی حیران ہو کر اُسکو دیکھنے لگا تھا جسکی دہاڑ بھی آج نمی لیئے ہوئے تھی۔اُسکی آواز راہداری میں بہت دُور تک گئی تھی۔ڈاکٹر رضا بدحواس سا بھاگ کر اندر آیا تھا۔لیفٹیننٹ جنرل قوسین صاحب کو تسلی دیتے حدید نے بہت غور اور حیرت سے اُسکے یہ خلجان آمیز تاثرات کو دیکھا اور دِل جیسے اندر ہی کہیں ڈوب کر اُبھرا تھا۔

"کِس نرس نے اِنکو انجیکشن لگایا ہے اور کِس سے پُوچھ کر؟" اب کے وہ ڈاکٹر رضا کے سَر ہو گئی تھی۔

"ڈاکٹر اِمام سَر کو کوئی اِنجکیشن نہیں دیا گیا۔میں نے کل اُنکے انجیکشن بند کروا دیئے تھے۔"ڈاکٹر رضا نے قدرے پریشانی سے کہا تو وہ بےاِختیار چونکی تھی اور تیزی سے اُس رُوم میں نظر دُوڑانے لگی۔ہر چہرے کو دیکھا۔ڈاکٹر رضا، سید قوسین صاحب جو متفکر سے کھڑے تھے، اُنکے عقب میں کھڑے میجر حدید قوسین کو دیکھ کر وہ پل بھر کے لیئے ساکن ہوئی تھی لیکن تیزی سے نگاہوں کا زاویہ بدل کر ڈاکٹر رضا کو دیکھا۔

"آپ سَر یاور کا معدہ واش کروائیں لیکن اُس سے پہلے اِنکے بلڈ سیمپلز لازمی لیں۔"اب کہ وہ سنبھل چکی تھی۔جہاں ڈاکٹر رضا اُسکی ہدایت پہ چونکا وہیں حدید بھی متفکر ہو گیا تھا۔

"سوال جواب بعد میں پہلے اِنکو لے کر جائیں۔"ڈاکٹر رضا کے سوالیہ تاثرات دیکھ کر اُس نے کہا تو ڈاکٹر رضا نے سَر ہلا کر باہر سے دو، چار نرسز کو بُلاوا کر اُنکو لے جانے کا کہا اور کچھ دیر بعد کمرہ خالی ہو گیا تھا۔

"میجر صاحب! سر کو باہر لے جائیں۔"ڈاکٹر مَنّت نے اب کہ حدید کو دیکھ کر کہا تھا جو سید قوسین صاحب کو تسلی دیتے ہوئے کچھ کہا رہا تھا اور مَنّت کی اواز سُن کر چونک کر اُسکو دیکھنے لگا۔جہاں قوسین صاحب چونکے تھے وہیں حدید کا دِل کئی زینے نیچے پھِسلتا چلا گیا تھا۔بِنا کچھ جواب میں کہے وہ قوسین صاحب کو یونہی حصار میں لیئے رُوم سے چلا گیا تھا۔مَنت نے گہرا سانس لے کر اندر کی ساری کثافت کم کرتے ہوئے کمرے میں اِرد گِرد نگاہ دُوڑائی اور چلتی ہوئی کھڑکی کی سِمت آئی جو باہر کی جانب کُھلتی تھی۔کھڑکی کو کُھول کر اُس نے جُھک کر نیچے دیکھا۔یاور ساحب کا رُوم فورتھ فلور پر تھا اور نیچے تنگ سی راہداری تھی اور اُس راہداری سے پرے، ساتھ میں ہی کسی نئی تعمیر شُدہ عمارت کی

دیوار تھی۔طائرانہ نِگاہ ڈال کر اُس نے کھڑکی پُھرتی سے بند کی تھی کیونکہ اُسکو یوں لگا تھا جیسے وہ اُس نئ تعمیر شُدہ عمارت سے کسی کی نظروں میں آ گئ ہو۔کھڑکی بند کر کے وہ دو قدم پیچھے ہوئی اور آنکھوں کو سکیڑ کر باہر دیکھنے لگی۔اُس کھڑکی سے باہر تو دیکھا جا سکتا تھا مگر اندر کی جانب نہیں سُو وہ مطمئن تھی۔

"تو ہمدی بھائی نے بالکل ٹھیک کہا تھا۔"وہ زیرِ لب بولی اور پھر تیزی سے اُس رُوم سے باہر نِکل آئی۔چلتے چلتے وہ ساتھ سیل فون پر نمبر مِلانے میں مصروف تھی۔اِس سے پہلے کہ وہ کال مِلاتی عین اُسکے رُوبرو کوئی آ کر ٹھہر گیا تھا۔اُس نے رکتے ہوئے آہستگی سے نگاہیں اُٹھا کر اُوپر دیکھا اور کچھ پل کے لیئے وہ اور وقت دونوں ساکن ہو گئے تھے مگر وہ جلد ہی اِس حصار سے نِکل آئی۔اُسکی سوالیہ نظروں کو دیکھ کر حدید دو قدم پیچھے ہٹا۔مَنّت نے خاموشی سے اُسکے قدموں کی حرکت کو دیکھا تھا۔

"سَر یاور کی طبیت کو کیا ہوا ہے اچانک ڈاکٹر؟" وہ بولا تو اُسکا لہجہ بے حد پُروفیشنل تھا۔مَنّت نے اُسکے سنجیدہ تاثرات کو دیکھا تھا اور ناجانے کیوں نگاہوں کا زاویہ بدل لیا۔

"حتمی بات اُن کی بلڈ رپورٹ آنے کے بعد ہی کی جا سکتی ہے۔"مَنّت نے مدھم آواز میں شیشے کے پار دیکھتے ہوئے کہا۔حدید کچھ پل اُس چہرے کو دیکھے گیا جو ہمشیہ کی طرح اُسکی جانب متوجہ نہیں تھا۔

"کچھ آئیڈیا تو ہونا چاہیئے۔"وہ اب بھی اُسی پُروفیشنل انداز میں بولا۔مَنّت نے چونک کر اُسکو دیکھا جو ہمشہ کی طرح اُسکی سِمت ہی متوجہ تھا مگر اُن آنکھوں میں اب پہلے والی اپنائیت مفقود تھی۔دِل جیسے ٹھٹھرنے لگا تھا۔

"شاید اُنکو زہر دیا گیا تھا چونکہ وہ اِستھما پیشنٹ بھی ہیں اِس لیئے اُنہوں نے جلدی ریکٹ کیا ہے ورنہ عام اِنسان اُس زہر کے گھنٹے بعد ریکٹ کرتا ہے۔"کچھ سُوچ کر اُس نے تفصیلاً کہا تھا۔حدید نے چونک کر اُسکو دیکھا جو اپنی بات کہہ کر اُسکے برابر سے نِکلتی چلی گئی تھی۔حدید چہرہ پھیر کر اُسکو تیزی مگر مضبوط قدموں سے جاتے دیکھتا رہا۔آخر وہ ہی کیوں ٹھہر جاتا تھا؟ "کاش مَنّت! تم پر کبھی تو میری مُحبت اثرانداز ہوئی ہوتی،کاش۔"افسردگی سے سُوچتے ہوئے وہ دروازہ کھُول کر سَر یاور کے رُوم میں داخل ہو گیا تھا۔

بالوں میں آ گئی ہے سفیدی اور ایک تُو

اِیسا بسا ہے دِل میں ذرا گھٹ نہیں رہا۔۔۔

----@-----@------@-----@-----@-----

"ہمدی بھائی! آپ بالکل ٹھیک کہہ رہے تھے کہ یاور صاحب پر حملہ ہو گا۔"وہ سیل فون کان سے لگائے، محتاط نظروں سے اِدھر اُدھر دیکھتے ہوئے پارکنگ لاٹ میں آگے بڑھ رہی تھی۔دوسی جانب ہمدی جو لیپ ٹاپ کے آگے مصروف سا بیٹھا تھا یک دَم متفکر سا اُٹھ کھڑا ہوا۔

"کیا کہہ رہی ہو؟ بابا جان ٹھیک تو ہیں نہ؟" اُسکے چہرے پر اِضطراب اور بے چینی سِمٹ آئی تھی۔

"اللہ کا شکر ٹھیک ہیں۔اُنکا معدہ بروقت واش کروا کر میں نے اُنکو قوسین صاحب کی مدد سے خاموشی کے ساتھ آرمی ہاسپٹل شفٹ کروا دیا ہے۔"وہ جیسے اُسکی حالت سمجھ گئی تھی تبھی تسلی بھرا انداز اپنایا تھا اور ہمدی جیسے تشکر بھرا سانس لے کر بیٹھ گیا تھا۔

"پھر کچھ غیر معمولی نوٹس کیا تم نے اُنکے رُوم میں؟" وہ پُرسوچ لہجے میں بولا تو مَنّت اُسکو آہستگی سے سب بتانے لگی جسے سُن کر ہمدی کا ذہن تیزی سے دُوڑنا شروع ہو گیا تھا۔

"سات سالوں کے تجزیے کا فائدہ یہ ہوا کہ ہم اُنکی اگلی چال کے بارے میں قیافہ لگا سکتے ہیں۔"مَنّت کے سنجیدہ انداز پر اُس نے یوں سَر ہلایا جیسے وہ سامنے ہی بیٹھی اُسکو دیکھ رہی ہو۔

"میرے لیئے اب کیا حکم ہے؟" اب کہ وہ شوخی سے بولی تو ہلکی سے مُسکراہٹ ہمدی کے چہرے پر اُبھر کر معدوم ہو گئی۔

"تم اچھے سے جانتی ہو، اب یہ کہ میں تمہیں بیک سے کور کروں گا مگر مَنّت بہت اِحتیاط کے ساتھ کیونکہ ہمارا سامنا اپنے ازلی دشمنوں کے ساتھ مُلک و قوم کے دشمن کے ساتھ بھی ہے۔"ہمدی کے لہجے میں کہتے ہوئے بلا کا سَرد پن دَر آیا تھا اور مَنّت کی آنکھوں میں دَر آنے والی سختی اور نفرت کو کوئی دیکھ لیتا تو اُسکو پہچاننے سے اِنکار کر دیتا۔

"آپ بےفکر رہیں اور اپنی بہن پر بھروسہ رکھیں۔"لہجہ مُسکراتا ہوا تھا مگر آنکھیں بےپناہ سخت، اِنتقام سے بھری۔۔۔

-----@------@-------@------@-----@----

سَر یاور کے کمرے کی کھڑکی سے اُس عمارت کا اچھی طرح جائزہ لے کر اب وہ رات دو بجے کے قریب اُس عمارت کے داخلی پھاٹک کے سامنے کھڑا آنکھیں سکیڑ کر بغور اُس عمارت کو دیکھ رہا تھا جو مکمل اندھیرے میں ڈوبی ہوئی تھی۔وہ مکمل سیاہ لباس میں ملبوس، سیاہ ہی نقاب چہرے پر چڑھائے ہوئے تھا۔دبے قدموں سے وہ سائیڈ کی اُونچی دیوار کی طرف گیا اور قدرے پیچھے کو ہو کر بھاگتا ہوا

ایک ہی جُست میں وہ اُونچی دیوار کُود گیا۔اندر گُھٹنوں کے بل اُتر کر وہ کچھ پل یونہی جُھک کر اِدھر اُدھر دیکھتا رہا اور پھر دیوار کے ساتھ دبے قدموں سے عمارت کے اندر بڑھنے لگا تھا۔اندر گُھپ اندھیرہ تھا مگر وہ بھی اندھیروں میں دیکھنے کا عادی معلوم ہوتا تھا سُو اُسی جانفشانی سے آگے بڑھ رہا تھا۔

اور دوسری جانب، عمارت کے عقبی طرف سے دو سائے اندر کو کُودے تھے۔اندر اُتر کر دونوں نے ایک دوسرے کو دیکھ کر سَر ہلایا اور پھر ایک سایہ دبے قدموں سے اندر بڑھ گیا تھا جبکہ دوسرا سایہ گُھوم کر عمارت کا جائزہ لینے کے لیئے جُھکتا ہوا چل نِکلا تھا۔اندر جانے والا سفید ماسک پہنے ہوئے تھا۔ کھڑکیوں سے چھن کر آتی چاند کی روشنی نے اُسکے سفید ماسک پہنے چہرے کو واضح کر کے کچھ اور بھی خوفناک بنا رکھا تھا۔

چلتے چلتے اُس نے اپنی جیکٹ کی آستین سے ایک تیز پَھل والا چاقو نکال کر کھُولا۔سناٹے میں اُسکے کُھلنے کی آواز نے ماحول میں عجیب سے کُھلبلی مچا دی تھی مگر وہ بغیر پرواہ کیئے اُسی طرح دیوار کے ساتھ لگتے ہوئے آگے بڑھ رہا تھا۔سامنے نظر آتے زینے کی سِمت بڑھتے ہوئے اُس نے محتاط نظروں سے اِطراف کا جائزہ لیا تھا اور پھر پُھرتی سے سیڑھیاں طے کرتا ہوا اوپر آگیا۔اِس سے پہلے کہ وہ آگے بڑھتا سامنے سے بدمست ہاتھی کی طرح جُھومتا ہوا ایک بندہ آتے ہوئے نظر آیا تو وہ تیزی سے ستون کی آڑ میں ہو کر بغور آنکھیں سکیڑ کر اُسے دیکھنے لگا تھا جو اپنے انجام سے بے فکر چل رہا تھا۔ اِس بندے کی موجودگی بتا رہی تھی کہ یہاں کچھ تو ہے۔وہ بندہ نیند میں تھا یا پھر نشے میں بہرحال اُسکی حالت کم اَز کم ستون کے عقب سے چمکتی آنکھوں سے تکتے شخص کے حق میں تھی۔یک دم وہ

ستون سے نِکل کر بھاگتا ہوا آیا اور اُچھل کر اُسکی گردن پر ہاتھ کھڑا کر کے زوردار ضرب لگائی۔وہ جُومتا شخص اِیسے ساکت ہوا جیسے کسی نے اُسکی چابی نِکال دی ہو اور پھر وہ بِنا کسی آواز کے زمین پر پورے قد سے آ گِرا تھا۔اُسکی جیبیں ٹٹول کر اُس نے وہاں سے ایک چُھوٹا سا فون نکالا اور بِنا چیک کیئے اپنی جیکٹ کی جیب میں ڈال لیا۔اب وہ پہلے سے بھی زیادہ محتاط تھا۔وہ دبے قدموں سے آگے بڑھتا جا رہا تھا اور باہر رات دھیرے دھیرے مزید پھیل رہی تھی۔

-----@-----@------@------@------@------

وہ جو آگے بڑھ رہا تھا ٹھٹھک کر ٹھہر گیا کیونکہ اُسکے عین سامنے ایک بندہ بےسُدھ پڑا تھا۔وہ تیزی سے اُسکی سِمت آیا اور جُھک کر دو اُنگلیاں اُسکے ناک کے نیچے رکھیں اور پھر اِطمینان کر کے اُسکی جیبیں ٹٹولنے لگا مگر اُن میں کچھ نہ تھا یقیناً بےہوش کرنے والا صفایا کر کے گیا تھا۔اُس نے محتاط نِگاہ اِطراف میں ڈالی اور اُس بندے کو گھسیٹ کر سائیڈ پر ڈالتے ہوئے وہ اب تیزی سے آگے بڑھ رہا تھا۔

"یہ یقیناً ہمزاد کا کام ہے۔" دِل میں سُوچتے ہوئے وہ آگے بڑھتا جا رہا تھا کہ راہداری سے مُوڑ مُڑتے ہوئے اُسکو پھر ٹھہر جانا پڑا کیونکہ سامنے ہی اُسکی توقع کے عین مُطابق 'ہمزاد' کھڑا تھا اور ایک بندے کو عقب سے دبوچ کر بےہوش کر چکا تھا۔پچھلی بار کے برعکس اِس بار کا انداز 'ہمزاد' کا بےحد مُحتاط تھا۔اُس نے یک دم اُس اندھیرے میں کسی کو اُس طرف آتے دیکھا جہاں ہمزاد پُشت کر کے کھڑا بےہوش پڑے شخص کو پاؤں سے ہلا کر دیکھ رہا تھا۔وہ ایک ہی جُست میں دبے قدموں

بھاگتا ہوا آیا اور ہمزاد کو اپنے ساتھ دھکیل کر ستون کی اُوٹ میں ہو گیا۔یہ سب کچھ بہت تیزی کے ساتھ اچانک ہوا تھا۔

ہمزاد جو اِس حملے کی توقع نہیں کر رہا تھا، اُس نے جھٹکا کھا کر کھینچنے والے کو دیکھا جو اُسکے بالکل قریب کھڑا اُسکو دونوں کندھوں سے تھامے ستون کی آڑ سے اُسکے عقب میں دیکھ رہا تھا۔ہمزاد کی پُشت ستون کی سِمت تھی اِس لیئے وہ ساکن سا بس سامنے کھڑے شخص کو دیکھ سکتا تھا اور ساکت ہوتے دِل سے دیکھ رہا تھا۔چاند کی روشنی کھڑکی سے چھن کر آتی ہوئی ہمزاد کے رُوبرو کھڑے شخص پر پڑ رہی تھی جو سیاہ نقاب میں تھا؛ اُس نے عقب سے نظر ہٹا کر 'ہمزاد' کو دیکھا جو بالکل ساکن تھا، پچھلی بار کی طرح کوئی مزاحمت نہیں کر رہا تھا۔اور اب بھی اُسکے چہرے پر پلاسٹک کر سفید ماسک تھا جسکے باعث اُسکی آنکھیں تک نظر نہیں آ رہی تھیں لیکن پھر بھی اُسکو ایک عجیب سا اِحساس ہوا تھا 'ہمزاد' کے قریب کھڑے جو پچھلی بار محسوس نہیں ہوا تھا لیکن ہمزاد اُسکی کیفیت سے بے نیاز چاند کی روشنی میں نقاب سے جھانکتی اُن چمکتی کچھ سُرمائی کچھ سیاہ آنکھوں کو دیکھ رہا تھا جو کانچ کی مانند دھمک رہی تھیں۔

"تمہیں اِحتیاط کرنی چاہیئے۔تمہارے عقب سے ابھی کوئی آ رہا تھا۔"اُس عجیب دل کو جھکڑتی کیفیت کو جھٹکتے ہوئے وہ سنبھل کر مدھم آواز میں کہہ رہا تھا اور پھر آہستگی سے اُسکے شانوں پر سے اپنے دونوں ہاتھ کھینچ لیئے۔ہمزاد ساکت سا اُسکی آنکھوں کو دیکھ رہا تھا کہ اُسکی متفکر سی آواز سے چونک گیا۔اِس آواز کو وہ کہاں بُھولا تھا۔

"تم ہمزاد ہو یا پچھلی بار والا ہمزاد تھا یا پھر تم ٹیم ہو؟ ویسے کوئیک سروس ہے تمہاری آج جلدی پہنچ گئے اب کے وہ محضوظ ہو کر کہہ رہا تھا اور ہمزاد ٹھٹھک گیا تھا۔اُسکی بات پر ہمزاد کا سکتہ ٹوٹا تھا اور وہ بِنا کچھ کہے ستون سے نِکل کر مُحتاط قدموں سے آگے بڑھ رہا تھا۔وہ کچھ پل یونہی کھڑا ہمزاد کو جاتے دیکھتا رہا اور پھر سَر جھٹک کر کھڑکی کی سَمت گیا اور بھاگتے ہوئے کھڑکی سے چھلانگ لگا دی۔

جاتے ہوئے ہمزاد نے پلٹ کر خفیف سا دیکھا اور اُسکو کھڑکی سے چھلانگ لگاتے دیکھ کر ٹھہر گیا پھر جیسے سارا معملا سمجھ کر واپس نیچے جانے والی سیڑھیوں کی سِمت لپکا۔اپنے دوسرے ساتھی کو کام ہو جانے کا سگنل دے کر وہ اُس عمارت کے عقبی صحن میں پہنچ گیا۔کچھ لمحے بعد وہی دوسرا سایہ تیزی سے اُسکی سِمت آیا وہ کچھ اُلجھن کا شِکار لگتا تھا۔

"وہ آرمی کا بندہ ہے۔سنبھال لے گا سب۔"اُس نے اپنے آنے والے ساتھی کو مدھم اور سنجدہ آواز میں کہا اور دیوار کود کر اُس عمارت سے نِکل گیا۔کچھ پل اُسکا ساتھی پلٹ کر گردن اُٹھائے اُس عمارت کے 'فورتھ فلور' کو دیکھتا رہا اور پھر سَر جھٹک کر وہ بھی دیوار کُود گیا۔

------@------@-----@------@------@-----

دیوار گیر آئینے کے سامنے سے گُزرتے ہوئے وہ ٹھہری، کچھ پل اپنے عکس کو دیکھتی رہی اور پھر بے ساختہ ایک خوبصورت، دِل کو چُھو لینے والی مُسکراہٹ اُسکے چہرے پر چھا گئی تھی۔

اُسکے ہاتھوں میں مٹھائیوں کی ایک بڑی سی تھال تھی۔یونہی مُسکراتے ہوئے آہستگی سے سیڑھیاں طے کرتے ہوئے بالا آخر 14 سال بعد 'حُرمت قوسین' نے اُس پُورشن میں قدم رکھا تھا جہاں اُسکا داخلہ ممنوع تو نہیں تھا مگر اُس نے شعور کی منزلوں پر قدم رکھتے ہوئے اپنے لیئے اُس پورشن میں گُنجائش

نہ پاتے ہوئے وہ جگہ خود کے لیئے ممنوع کر لی تھی اور اب چودہ سال بعد اب وہ خود یہاں قدم رکھ چکی تھی۔

کچن کاونٹر پر پھلوں کی ٹرے رکھ کر پلٹتی ہوئی 'عالیہ بیگم' وہیں صدمے اور بے یقینی سے رُک گئی تھیں۔ اُنکے دِل پر جیسے ہاتھ پڑا تھا۔ حُرمت اُسی طرح مُسکراتی ہوئی آگے آئی اور جُھک کر کانچ کے ٹیبل پر وہ تھال رکھ دی جو گُلاب جامنوں سے بھری ہوئی تھی، رَس بھرے لزیذ گُلاب جامن۔ عالیہ بیگم ساکت سی اُسکو دیکھ رہی تھیں جو سَر پر نفاست سے سفید جالی والے دوپٹہ کو جمائے، کندھوں پر مہرون شیشوں والی چادر پھلائے اُنکے رُوبرو تھی۔

راہداری سُست روی سے عبور کر کے لاؤنج میں آتے 'شہسوار عالم' کے قدم وہیں جم گئے تھے۔ وہ سامنے ہی تھی یا کوئی نظر کا دِل فریب دھوکا؟ شہسوار نے بے ساختہ دیوار کا سہارا لیتے ہوئے خود کو سنبھالا تھا۔ وہ اُسی طرح نرم سی مُسکراہٹ چہرے پر سجائے ہوئے تھی جو اُسکی شخصیت کا خاصہ تھی۔

"اسلام و علیکم، تائی جان!" اُنکے عین سامنے کھڑے ہوتے ہوئے اُس نے نرمی سے کہا تھا۔ حُرمت کا نرم، مُحبت بھرا لہجہ عالیہ بیگم کو حقیقت کی دُنیا میں لے آیا اور یک دَم اُنکی پیشانی پر شِکنوں کا جال سا بچھ گیا تھا۔ وہ کیا اُسکے دِل میں احساسِ زیاں کو بیدار کرنے آئی تھی؟؟

"تم۔۔ تم کیا کر رہی ہو یہاں، لڑکی؟" اب کے اُنکے لہجے میں رفتہ رفتہ جلال آنا شروع ہو گیا تھا۔

"امی کی طبیعت ٹھیک نہیں تھی تائی جان، اِس لیئے میں آپکو سارا اور شہسوار کی خوشی پر مُبارکباد دینے آ گئی۔ گلاب جامن امی نے اپنے ہاتھوں سے بنائے ہیں میں بس اُٹھا کر لائی ہوں۔" حلاوت اور نرمی سے اُس نے نرم آواز میں کہا تو عالیہ بیگم نے کچھ بھی کہنے سے خود کو بامُشکل باز رکھا تھا کہ

شہسوار آج گھر پر ہی تھا۔دوسری جانب سہارا لے کر کھڑے شہسوار کے دِل پر اُسکے الفاظ نے گھونسہ مارا تھا، "کیا وہ بھی بے خبر تھی اُسکی ماں کی طرح اِس سے کہ شہسوار کی خوشی کِس میں ہے؟"

"تم فوراً اپنی شکل گُم کرو یہاں سے۔اپنی نحوست لے کر تم نے میرے گھر آنے کی ہمت بھی کیسے کی۔"وہ زہر اُگلتے لہجے میں کہتے ہوئے اُسکے سامنے آکر کہہ رہی تھیں۔نگاہوں میں نفرت کے شعلے جل رہے تھے۔حُرمت کی ٹوٹی پھوٹی ہمت لفظ 'نحوست' پر رخصت ہونے لگی مگر وہ پھر بھی وہیں کھڑی خالی نظروں سے سُنکے چہرے پر پھیلی وحشت اور نفرت کو دیکھتی رہی۔وہ اُس سے فاصلہ رکھ کر کھڑی تھیں کیونکہ وہ 'حُرمت قوسین' کے سائے سے بھی خوفزدہ اور بےزار تھیں۔

شاہسوار نے اذیت سے آنکھیں بند کر کے چہرہ پیچھے کو گِرا کر گہرا سانس لے کر شاید اندر کی کثافت کو کم کرنا چاہا تھا۔

"تایا جان نے مجھے کل رات والے سارہ کے مہندی کی فنکشن کی دعوت دی ہے لیکن آپ بے فکر رہیں آج کے بعد میں آپکے گھر کا احاطہ دوبارہ عبور نہیں کروں گی۔"وہ جیسے جانتی تھی کہ وہ اپنی اکلوتی اور لاڈلی بیٹی کا فنکشن بھی حُرمت کی موجودگی کی وجہ سے مِس کر دیں گی۔اِتنی ہی نفرت تھی اُنکو اپنے بے حد عزیز بیٹے کی منکوحہ سے۔

"مجھے مت پڑھاؤ لڑکی کے مجھے کیا کرنا ہے اور کیا نہیں کیونکہ مجھے معلوم ہے کہ کیسے اپنے بچوں کو تمہارے سائے سے بھی محروم رکھنا ہو گا۔تمہاری نحوست سے دُور رکھنے کے سُو گُر آتے ہیں مجھے۔" اُنہوں نے شعلے اُگلتے لہجے میں کہا تھا۔حُرمت نے سَر اُٹھا کر اُنلہ غرور سے تنی ہوئی گردن کو دُکھتے

دِل سے دیکھا تھا اور شہسوار راہداری میں اُلٹے قدموں پیچھے گیا تھا کہ مزید سُننے کا اُس میں یارا نہیں تھا۔

"امی جان۔"اُس نے سنبھل کر اُنکو آواز دی۔یہ حُرمت کو اُنکے عتاب سے بچانے کے لیئے شاید چھوٹی سی سعی تھی۔جہاں عالیہ بیگم ٹھٹکیں وہیں حُرمت کے چہرے کا رنگ بھی یک دَم پھیکا پڑا تھا۔

"آ رہی ہوں بیٹا۔"راہداری کی سِمت چہرہ پھیر کر اُنہوں نے نرم لہجے اور تپتی ہوئی نظروں سے حُرمت کو دیکھتے ہوئے کہا تھا۔

"اپنے بیٹے کی بات پکی میں نے اُسکے جیسے بخت اور نصیب والی سے کی ہے۔تمہارا سایہ بھی اب میرے بیٹے پر نہیں پڑ سکتا۔"اُنہوں نے تنفر سے کہا اور پیر پٹخ کر راہداری میں گُم ہو گئیں۔حُرمت نے ساکت ہو جاتے دِل کو سنبھال کر ایک ہلکی سی مُسکراہٹ چہرے پر سجا لی تھی کیونکہ نیچے لازماً اُسکا سامنا تایا جان سے ہونا تھا۔

ے اے شخص! اب تو مُجھے سبھی کچھ قبول ہے
یہ بھی قبول ہے کہ تُجھے چھین لے کوئی۔۔۔

-----@------@------@-----@------@------

"مَنّت اب تم بتاؤ گی کہ تمہیں کیسے معلوم ہوا کہ وہ آرمی کا بندہ تھا۔"ہمدی نے بہت بار کا دُہرایا ہوا سوال رَدو بدل کر کے پھر دُہرایا تھا۔مَنّت جو کب سے ٹیبل کی سطح کو گھور رہی تھی چونک کر ہمدی کو دیکھنے لگی جو سوالیہ اور متفکر نظروں سے اُسی کو دیکھ رہا تھا۔مَنّت نے گہرا سانس لے کر خود کو کسی

نادیدہ سحر سے آزاد کروایا۔وہ دونوں ابھی تک سیاہ لباس میں ملبوس تھے بس چہروں سے سفید ماسک غائب تھا جو کہ اب ٹیبل پر دھرے ہوئے تھے۔

"بس میرا اندازہ کہہ رہا ہے مجھے۔"منّت نے پھر گول جواب دیا تو ہمدی نے بغور اُسکے چہرے پر پھیلتے اِضطراب کو دیکھا تھا۔

"یہ وہی بندہ ہے جس نے پچھلی بار بھی ہمارا کام آسان کر دیا تھا۔"اب کے منّت نے بے حد اہستگی سی کہا تو ہمدی کا چونک اُٹھنا لازمی تھا۔

"تمہیں کیسے معلوم ہوا؟" اُس نے آگے کو ہو کر تیزی سے پُوچھا۔

"وہ مجھے ہمزاد کہہ کر اِیسے بات کر رہا تھا جیسے پہلے بھی مِل چکا ہو۔"وہ بہت مدھم سا بولی۔ہمدی نے اُسے بغور دیکھ کر سَر ہلایا تھا۔

"ہاں پچھلی بار میری مدد کی تھی اُس نے ورنہ سجاول کا بندہ دیکھ لیتا مجھے۔"ہمدی نے یاد آنے پر کہا تو منّت بے اِختیار چونکی تھی۔

"آپکی بھی مدد کی اُس نے؟" منّت کے انداز میں حیرت تھی یا سوال وہ سمجھ نہ سکا۔

"بھی سے کیا مطلب ہے تمہارا؟ آج اُس عمارت میں اُس نے تمہاری مدد کی ہے؟" ہمدی کے چہرے پر پُرسوچ شکنوں کا جال سا بِچھ گیا تھا۔

"جی۔"وہ ایک لفظی جواب دے کر خاموش ہو گئی تو ہمدی نے اُسکے سمجھ میں نہ آنے والے تاثرات کا تفصیلی جائزہ لیا تھا۔

"ضروری نہیں جو دو بار ہماری مدد کر چکا ہو وہ ہر بار ہماری مدد ہی کرے۔وہ ہمارا دشمن بھی ہو سکتا ہے۔ہمیں بہت مُحتاط رہنا ہو گا اُس سے۔" ہمدی نے اب کی بار بات سمیٹے ہوئے لہجے میں کہا تو مَنّت نے تڑپ کر ہمدی کو دیکھا جو ٹیبل سے چیزیں اُٹھا کر خود بھی اُٹھ رہا تھا۔

"وہ دشمن نہیں ہو سکتا ہمدی بھائی۔"وہ جیسے کھوئے ہوئے لہجے میں بولی۔ہمدی بے ساختہ ٹھٹھک کر دوبارہ بیٹھ گیا تھا۔

"میرا دِل اُسکو سب کچھ تسلیم کر سکتا ہے۔بے وفا، وعدہ خلاف، خائن مگر نہیں وہ ہمارا دشمن نہیں ہو سکتا، کبھی بھی نہیں۔"وہ جیسے کسی ٹرانس کے زیرِ اثر مدہم مگر افسردہ لہجے میں کہہ رہی تھی۔ہمدی نے اُسکے لہجے میں وہی درد، وہی اذیت محسوس کی جو اُسکے دِل کے نہاں خانوں میں برسوں سے تھی۔

"تم جانتی ہو اُس شخص کو؟ کیا تمہارا کبھی اُس سے کوئی واسطہ رہا ہے؟" ہمدی نے بہت آہستہ سے سوال کیا تھا کہ کہیں ماحول کا تانا بانا نہ ٹوٹ جائے۔

"مگر اب نہیں ہاں بہت پہلے ضرور جانتی تھی۔وہ شخص کبھی میرا رہ چکا ہے۔کسی زمانے میں، برسوں پہلے۔"وہ دِلگرفتگی سے کہہ کر اُٹھ کھڑی ہوئی۔ہمدی نے افسردگی سے اَر اُٹھا کر اُسے تھکے قدموں سے جاتے دیکھا تھا۔اب وہ یقیناً کمرے میں جا کر ڈھیر سارا رُوئے گی اور صبح تازہ دم ہو کر نکلے گی۔ برسوں سے اِیسا ہی تو ہوتا آ رہا تھا مگر وہ۔۔۔وہ کس قدر بدنصیب تھا کہ کُھل کر رُو بھی نہیں سکتا تھا۔کبھی نہ مِلنے والی خوشی کا ماتم بھی نہیں کر سکتا تھا۔اندر ہی اندر دُکھ، اذیت، اِحساسِ ندامت اُسے کھائے جاتی مگر وہ خود کو کُھل کر رُونے کا مُستحق نہیں سمجھتا تھا۔

اندر کمرے میں آ کر مَنّت نے دروازے کے ساتھ پُشت ٹِکا لی اور آنکھیں بند کرت ہی لگاتار آنسو اُسکا چہرہ بِھگونے لگ گئے تھے۔

"تم بھی میرے گھر والوں جیسے نکلے۔تم نے بھی مُجھے کہیں کا نہیں چھوڑا اخر۔" مدہم آواز میں کہتے ہوئے وہ آہستہ سے یونہی دروازے کا سہارا لیئے بیٹھتی چلی گئی اور آنسو متواتر اُسکا چہرہ بھگو رہے تھے۔

یہ چُھوڑ میرے ساتھ تھا کہ نہیں تھا

وہ شخص مگر میری کہانی میں رہا ہے

وہ شخص میری آنکھ کے پانی میں رہا ہے۔۔۔

-----@-----@-----@-----@-----@-----

"مُجھے ابھی تک یقین نہیں آ رہا کہ حدید تمہیں مُجھ سے مِلوانے لے ہی آیا یار۔" حُرمت نے خوشی سے اُسکے دونوں ہاتھ تھام کر کہا تو وہ بےساختہ اُسکی مُحبت اور بےیقینی پر ہنس پڑی تھی۔وہ دونوں حُرمت کے کمرے میں بیٹھیں لگاتار دو گھنٹے سے باتیں کر رہی تھیں وجیہہ بیگم کے جانے کے بعد سے۔

"ہاں بڑی مُشکل سے اِجازت مِلی ہے۔حدید نے اجازت لی تھی اور بابا جان مان گئے لیکن باقی سب کو بہت اعتراض تھا کہ رخصتی سے پہلے میں تمہارے ہاں کی کوئی شادی اٹینڈ کروں۔" مَنّت نے اب کی بار سنجیدگی سے کہا تو حُرمت نے بھی سمجھ کر سَر ہلایا تھا۔

"امی اور بابا جان کہہ رہے تھے کہ سارا کی شادی ختم ہو تو تاریخ لینے جائیں گے ہم، اللہ سب خیر کرے گا۔" حُرمت نے مسکرا کر کہتے ہوئے اُسکے سُرخ پڑتے چہرے کو پیار سے دیکھا تھا۔جس کے چہرے کے سارے رنگ اُسکے بھائی کے نام کے تھے۔

"اِنشاءاللہ۔" مَنّت نے مدہم آواز میں جیسے سب خیر ہونے کی دُعا کی تھی۔

"دیکھا تھا نہ امی کو کیسے تمہارے آتے ہی تازہ دم ہو کر اپنے دِل کی تکلیف بُھلائے اِدھر اُدھر گھوم رہی ہیں۔اُنکا بس نہیں چل رہا کہ ساری دُنیا کو بتا دیں کے اُنکے لاڈلے بیٹے کی محبوب بیوی دو دن کے لیئے ہی سہی اِس گھر میں آئی ہے۔" حُرمت نے شوخی سے کہتے ہوئے اُسکے گال کھینچے تھے اور مَنّت بے اِختیار ہنستی چلی گئی تھی۔کچن میں جاتیں وجیہہ بیگم مُسکرا کر ٹھہر گئیں تھیں۔عرصے بعد اِس گھر کی درو دیوار نے کسی کے کِھلکھلانے کی آواز سُنی تھی۔اپنے بچوں کو یوں خوش دیکھ کر اُنکے سب دُکھ دُور ہو گئے تھے۔اُن سب کی دائمی خوشیوں کی دُعا کرتے ہوئے وہ کچن کی سمت بڑھ گئیں تھیں۔

"تیار ہو کر ہم باتوں میں لگ گئیں، چلو نہیں تو سارا میرا قتل کر دے گی۔" اُسکا ہاتھ تھام کر اُٹھتے ہوئے وہ کمرے سے باہر نِکل کر اب گھر کے عقبی حصے میں مَنّت کو لے آئی جہاں بہت سی لڑکیاں زرق برق لباسوں میں ملبوس ڈھولک بجاتے ہوئے مہندی کے گیت گا رہی تھیں۔حُرمت نے ایک مُحتاط نظر اپنے اِطراف میں ڈال کر 'عالیہ بیگم' کی غیر موجودگی کی یقین دہانی کی جس پر اُسکا دِل شاد ہو گیا تھا اُنکو وہاں نہ پا کر۔

'سارا' جو پیلے اور سبز لباس میں بہت خوبصورت مگر سُوگوار سی لگ رہی تھی حُرمت کو آتے دیکھ کر چیخ مارتے ہوئے اُٹھ کھڑی ہوئی۔ڈھولک کی تھاپ، گیت، لڑکیوں کا رقص سب تھم گیا تھا۔سارہ

دونوں ہاتھوں سے غرارہ تھام کر بھاگتی ہوئی مُسکراتی حُرمت کی سِمت آئی اور اُسکے گلے سے لگ گئی۔
مُنّت نے مُسکرتی نظروں سے حُرمت کا معصوم چہرہ دیکھا تھا مگر اُسکا دِل نہ جانے کیوں افسردگی کی اماجگاہ بن گیا تھا۔
"مُجھے یقین نہیں تھا کہ تم آو گی یار۔"سارا نے اُس سے الگ ہو کر نم آواز میں کہا تو حُرمت نے ہاتھ سے اُسکی چھلک جانے والی آنکھوں کو مُحبت ست صاف کیا تھا۔
"کیوں نہیں آتی، میری بہن کی مہندی تھی۔"حُرمت نے اُسکا گال تھپتھپا کر کہا تو وہ گیلی آنکھوں سے مُسکرا دی تھی۔
"تم بھی شہسوار بھائی کی طرح ہو وہ بھی ابھی تک نہیں آئے۔"سارا نے بغیر سُوچے بچوں کی طرح مُنہ سُوجا کر شکوہ کیا تھا۔مَنّت نے بے ساختہ حُرمت کے سِمٹتے لبوں کو دیکھا تھا اور پھر۔۔۔"حُرمت! میرا تعارف نہیں کوانا کیا؟" مَنّت نے مصنوعی اُداسی سے کہا جہاں سارا چونک کر دِلچسپی سے اُسے دیکھنے لگی وہیں حُرمت نے چہرہ پھیر کر اُسکو دیکھا جہاں اُسے حدید، اپنے جڑواں کی شبیہ دِکھائی دی تھی وہ بھی تو یونہی اُسکو دُکھ سے نِکالنے کی سعی کرتا رہا تھا۔
"سارا یہ مَنّت ہے، مَنّت حدید۔"حُرمت نے شوخی سے کہہ کر مَنّت کو جھینپنے پر مجبور کر دیا تھا۔
"ارے، آپ ہماری بھابی ہیں۔اُو خدایا۔"سارا تقریباً چلا اُٹھی تھی۔اُسکے اِتنے پُرجوش ردِ عمل پر مَنّت نے گلابی ہوتے چہرے کے ساتھ حُرمت کو گھُورا تھا جو کندھے اچکاتے ہوئے دلکشی سے ہنس رہی تھی۔کِتنے ہی لوگ پلٹ کر، مُڑ کر، کھڑے ہوتے ہوئے اُنکی جانب متوجہ ہوئے تھے۔

"بھئی سجنوں تے بیلیوں! یہ ہماری خوبصورت سی بھابی ہیں۔"سارا اب اُسکا ہاتھ تھام کر مجمع کی سِمت اُسکا رُخ کر کت رعارف کروا رہی تھی۔کتنی ہی آنکھوں میں رشک تھا اور نہ جانے کتنوں میں حسد اور جلن۔کونے میں بیٹھیں دو بہنوں نے تنفر سے اُس خوبصورت سی سَر پر نفاست ست دوپٹہ جما کر اعتماد سے مُسکراتی لڑکی کو دیکھ کر ایک دوسرے کو دیکھا تھا۔

"سارا! تمہاری ہونے والی بھابی تو یہاں بیٹھی ہیں۔"بڑی بہن جسکا نام اندلیپ تھا اور جو ٹانگ پر ٹانگ جما کر بڑے کروفر سے بیٹھی تھی نے چبا چبا کر اپنی بہن کی سِمت اِشارہ کرتے ہوئے کہا تھا جسکی گردن اپنی بہن کی طرح ہی تنی ہوئی تھی۔مَنّت اور حُرمت نے بیک وقت اُن دونوں بہنوں کو دیکھا تھا جو جدید تراش خراش کے لباس میں بےپناہ میک اپ کیئے ہوئے تھیں۔اُن سے نگاہ ہٹا کر مَنّت نے سارا کو سوالیہ نظروں سے دیکھا تھا جو اُن دونوں لڑکیوں کو کینہ توز نظروں سے دیکھ رہی تھی۔

"یار اندلیپ! تم کہیں اندھی تو نہیں ہو گئی زیادہ میک اپ اور نقلی لینز لگا لگا کر۔"سارا نے مزے سے کہا تھا جہاں محفل میں دبی دبی ہنسی کی لہر دُوڑ گئی تھی وہیں حُرمت اور مَنّت کے چہرے کو مُسکراہٹ نے اُجاگر کر دیا تھا۔اندلیپ کا چہرہ جو پہلے ہی میک اپ سے سُرخ ہو رہا تھا اہانت اور بےعزتی سے مزید سُرخ ہو گیا تھا۔

"میں مَنّت کی بات کر رہی ہوں۔یہ حدید بھائی کی وائف ہیں، مَنّت حدید۔"سارا نے کہتے ہوئے جیسے اندلیپ کے چہرے کے اُڑتے رنگوں کو دیکھ کر مزہ لیا تھا۔مَنّت نے اُلجھن سے سارا اور حُرمت کو دیکھا مگر اندلیپ پھر سے سنبھل کر مقابلے میں آ گئی تھی۔

"مگر میں تو آنسلہ کی بات کر رہی ہوں۔وہ تو تمہاری ہونے والی بھابی ہے نہ۔تمہارے شہسوار بھائیا کی منگیتر۔"اُس نے چمک کر وہ وار کیا تھا جو سیدھا عین نشانے پر جا لگا تھا۔اُن دونوں بہنوں کی گردن پھر سے تن گئی تھی وہیں حُرمت کا دِل ایک زینہ نیچے پھسل گیا تھا۔مَنّت نے بے یقینی سے حُرمت کے سفید پڑتے چہرے کو دیکھ کر سارا کو دیکھا تھا جو بامُشکل ضبط کر رہی تھی۔

"نِکاح اور منگنی میں بڑا فرق ہوتا ہے بی بی۔میرے بھائی کے نِکاح میں صرف حُرمت ہے اور وہ ہمشہ میری بھابی رہے گی۔"یہ وہ مُوضوع تھا جہاں سارا شدید بے قابو ہو کر جذباتی ہو جاتی تھی۔لان میں اتے حدید اور شہسوار کے قدم وہیں ٹھہر گئے تھے۔حدید نے چہرہ پھیر کر 'شہسوار عالم' کو دیکھا تھا جو بالکل ساکن رہ گیا تھا۔

"میرے بھائی کے نِکاح میں صرف حُرمت ہے۔"شہسوار کے ذہن میں سارہ کے بار بار یہی الفاظ گُونج رہے تھے اور وہ اِن ہی الفاظ کی بازگشت میں عمر گُزار دینے کے حق میں تھا لیکن حُرمت کی ہشاش بشاش آواز۔۔۔

"سارہ! بدمزگی نہ کرو۔تائی جان کو بُرا لگ جائے گا۔شاباس بیٹھ جاؤ دلہن یوں لڑتی نہیں ہے۔" حُرمت نے سنبھلتے ہوئے آگے بڑھ کر سارا کو کہہ کر اُسکو شانوں سے پکڑ کر جُھولے پر بیٹھاتے ہوئے رسان سے کہا تھا۔ایک دم ماحول سنجیدہ ہو گیا تھا۔حُرمت نے حیران سی مَنّت کو دیکھ کر اُسکا ہاتھ تھام لیا تھا۔

-----@-----@-----@------@------@-----

"ماریہ تم چلو ڈھولک بجاؤ اور اپنی دوست کو اب بالکل اُٹھنے مت دینا ورنہ رُوپ نہیں آئے گا اور احمد بھائی ڈر جائیں گے۔"اُسکی بات پر سب ہنس پڑے تھے سوائے متنازعہ پارٹی کے۔حُرمت نے مَنّت کو آنکھوں سے چلنے کا اِشارہ کیا جسے سمجھتے ہی وہ اِدھر اُدھر دیکھے بغیر دالان عبور کر گئی تھی۔حدید کا اِرادہ شہسوار کو مَنّت سے مِلوانے کا تھا مگر یہاں ماحول کوئی اور ہی تاثر پیش کر رہا تھا۔حُرمت سارا کو تسلیاں دے کر پلٹی اور حدید کو دیکھ کر مُسکراتے ہوئے اُس کی طرف بڑھ گئی۔

" چھوٹے کہاں غائب تھے تم۔مَنّت ابھی ہی اندر گئی ہے فکر نہ کرو اُسکو بالکل بھی بُور نہیں ہونے دوں گی میں۔"حدید کے قریب کھڑے ہوئے ہوئے وہ اُسی اپنائیت اور شائستگی سے کہہ رہی تھی جو اسکا خاصہ تھی۔شہسوار جو درخت کی اُوٹ میں کھڑا تھا جیسے کسی سحر کے زیرِ اثر آتا چلا گیا۔ساری آوازیں کہیں دُور جا سُوئی تھیں۔ساری محفل جیسے پسِ منظر میں چلی گئی تھی۔صرف وہ تھا اور 'حُرمت شاہسوار عالم" وہ اُسکے سامنے تھی، مُسکراتی ہوئی اِس سے بڑھ کر اُس نے زندگی سے کبھی کچھ نہ مانگا تھا۔یک دَم حُرمت کی نگاہ اُسکی سِمت اُٹھی تھی۔مُسکراتے لب سِمٹ گئے تھے۔آنکھوں کی روشنیوں میں بے پناہ اضافہ ہو گیا تھا

اور پھر شہسوار عالم نے اپنی سمت قدم بڑھاتی زندگی کو دھڑکتے دِل کے ساتھ دیکھا تھا۔وہ آہستہ آہستہ اُسکی سِمت آ رہی تھی۔فاصلہ قدم بھر کا تھا مگر اُن دونوں کے لیئے وہ برسوں کا تھا جسے وہ مَر کر بھی ختم نہیں کر سکتے تھے۔حدید نے دُکھتے دِل کے ساتھ رُخ پھیر لیا تھا کیونکہ اُن دونوں کو آمنے سامنے دیکھنا ایک بہت تکلیف دہ عمل تھا۔حُرمت اُسکے رُوبرو آ کر رُک گئی تو گویا کائنات کی ہر حرکت تمام ہو گئی۔

ۓ نظر آئے تو دیکھتے رہنا اُسے کہ وہ شخص
خواب ہے اور مکرر نہیں ہونے والا۔۔۔۔

"اسلام و علیکم۔"اُس نے مدہم آواز میں اُس شخص کو سلام کیا تھا جو حُرمت کو زندگی سے پیارا تھا، اُسکی زندگی کا حاصل۔جو اُسکا محرم تھا مگر اِس زندگی میں کم از کم حُرمت قوسین کا نہیں ہو سکتا تھا شاید مَر کر بھی نہیں۔

"سارا کی شادی کی بہت مبارک ہو آپکو۔"اُسکو بُولنے پر مائل یہ دیکھ کر اُس نے بشاشت سے کہہ کر نِگاہ جُھکا لی تھی۔وہ جو آنکھ جھپکے بغیر اُسکو دیکھ رہا تھا اُسکی آواز سُن کر سنبھلا تھا یعنی وہ کوئی خواب نہیں تھی۔اِس سے پہلے کہ وہ کچھ کہہ پاتا غیر اِرادتاً اُسکی نظر اُوپر اُٹھی اور سیڑھیاں عجلت میں اُترتی اپنی ماں پر ٹھہر گئی جو اِضطراب میں اِدھر اُدھر نگاہیں دُوڑا رہی تھیں۔حُرمت جیسے یوں اُسکے اُوپر دیکھنے کی وجہ سمجھ گئی تھی تبھی اِس سے پہلے کہ وہ پھر سے بھرے مجمعے میں ذلیل ہوتی یا شہسوار اُسے نظرانداز کر کے آگے بڑھ جاتا وہ سَر جُھکا کر تیز قدموں سے اُسکے برابر سے ہو کر گُزرتی چلی گئی۔حدید نے دُھندلی پڑتی بصارت سے اپنی جُڑواں کو جاتے دیکھا تھا اور شہسوار کا دِل اندر کہیں دوبتا چلا گیا تھا۔عالیہ بیگم کی نظر شہسوار کو دیکھ کر وہ بھی تن تنہا بالکل پُرسکون ہو گئی تھی۔شہسوار نے خالی نظروں سے ماں کے چہرے ہر چھائے تشکر کت تاثرات کو دیکھ کر چہرہ جُھکا لیا تھا۔

ۓ عقل کہتی ہے،"چل دُور ہے منزل تیری"
دِل یہ کہتا ہے،"تُجھے پھر سے پُکارا جائے"۔۔۔

-----@-----@-----@------@------@-----

وہ دونوں پھر اُسکے بعد حُرمت کے کمرے میں ہی رہیں، کھانا بھی وجیہہ بیگم نے کمرے میں ہی دے دیا تھا۔اُس شام حُرمت اور مَنّت نے بہت سی باتیں کیں، ہر مسئلہ، ہر پریشانی، ہر دُکھ ایک دوسرے کو بتایا تھا۔وہ دونوں ایک ہی دِن میں پکی سہیلیاں بن گئی تھیں۔اُس گھر میں اجنبیت کا اِحساس نہیں ہوتا تھا۔مَنّت اِمام کو اُس گھر میں سب نے ہاتھوں ہاتھ لیا تھا۔

"تمہاری کزن مائدہ، اُسکو کچھ مسئلہ ہے تم سے کیا؟" حُرمت نے پُرسوچ انداز میں پُوچھا تو مَنّت بے اِختیار چونکی۔

"نہیں یار۔وہ میری بہت اچھی دوست اور کزن ہے۔بس تھوڑی تیز مزاج کی ہے۔"مَنّت نے اُلجھ کر کہا تو حُرمت جیسے سُوچ میں پڑ گئی تھی۔

"حدید کو وہ پسند نہیں ہے مطلب اُسکا ذکر خاصی ناگواری سے کرتا ہے۔"مَنّت نے پھر اُسی لہجے میں کہا تو مَنّت نے جیسے سمجھ کر سَر ہلایا تھا۔

"ہاں یار، اُدھر مائدہ کا بھی یہی حال ہے۔وہ بہت ناراض رہی تھی، بے حد غصہ ہوئی تھی میرے اور حدید کے نکاح کے بعد مگر پھر اُس نے معافی مانگی تھی مُجھ سے۔"مَنّت نے عام سے انداز میں کہا تو حُرمت نے بےساختہ اُسکے بےریا سے چہرے کو دیکھا جہاں کوئی خاص تاثر نہیں تھا۔اچھے لوگوں کو نہ جانے اِیسا کیوں لگتا ہے کہ ساری دُنیا ہی اچھائی سے مزین ہے۔

"تم نے مائدہ سے اِتنی نفرت کی وجہ پُوچھی؟" حُرمت نے اب کے اُسکے مدہم سوالیہ انداز پر مَنّت نے اُسکو خاصے اچھنبے سے دیکھا تھا۔

"پُوچھا تھا مگر اُس نے کہا کہ اُسکو اِیسا لگتا ہے جیسے حدید کو کچھ مسئلہ ہے اُس سے۔"مَنّت نے ابھی بھی اُسی عام سے لہجے میں کہہ کر حُرمت کو متفکر کر دیا تھا۔

"اِیسی بات بالکل بھی نہیں ہے مَنّت۔ تمہیں معلوم ہے نہ حدید تم سے مُنسلک رشتوں کی کس قدر عزت کرتا ہے۔مائدہ کی بات میں ذرا سی بھی سچائی نہیں ہے۔"حُرمت نے نرمی سے کہتے ہوئے اُسکے دونوں ہاتھوں کو مُحبت سے تھام کر کہا تو مَنّت کے چہرے کو ایک خوبصورت مُسکراہٹ چھُو گئی تھی۔

"مُجھے معلوم ہے اگر مُجھے حدید کے بارے میں اُنکے مزاج کے موسم کے بارے میں خبر نہ ہوتی تو ضرور پُوچھتی حدید سے۔میں نے مائدہ کو اچھی طرح سمجھا دیا تھا کہ یہ اُسکا وہم ہے کیونکہ حدید کسی سے جلدی گھُلتے مِلتے نہیں ہیں اِسپیشلی مُخالف صنف سے۔"حُرمت کے تفصیلی بتانے پر حُرمت کا دِل کسی قدر ہلکا پھُلکا ہو کر تمانیت کا شکار ہوا تھا۔

"حدید کہتا ہے کہ اُسے مائدہ کے دیکھنے کا انداز نہیں پسند اور وہ آوٹ سپوکَن بھی ہے۔"حُرمت نے کچھ پل کی خامشی کے بعد کہا تو مَنّت بےاِختیار ٹھٹھکی۔

"دیکھنے کا انداز نہیں پسند، مطلب؟" مَنّت نے بہت آہستگی سے کہا ذہن کے پردے پر کوئی منظر لاتے ہوئے پُوچھا تھا۔حُرمت نے اُسکے ماند پڑتے چہرے کو بغور دیکھا تھا۔

"معلام نہیں بس حدید کہ بس بہت عجیب طرح دیکھتی ہے جیسے زندہ بھسم کر دے گی یا کوئی سَرد سا تاثر ہوتا ہے۔"حُرمت نے بات رفع دفع کرتے لہجے

"کوئی بات ہے کیا مَنّت؟" حُرمت نے اُسکا ہاتھ ہلایا تو وہ چونک کر اُسکو دیکھنے لگی اِس سے پہلے کہ مَنّت جواب میں کچھ بتاتی، ماریہ دروازہ کھٹکھٹا کر اندر آئی تھی۔

"سارا آپ دونوں کو باہر لاؤنج میں بُلا رہی ہے۔عالیہ آنٹی دوا کھا کر سُو گئی ہیں اور باقی سب مہمان بھی جا چکے ہیں۔"اُس نے سارا کا پیغام مَن و عن پہنچایا تھا۔

"اچھا تم چلو، ہم آتے ہیں۔"حُرمت کے کہنے پر ماریہ اثبات میں سَر ہلا کر کمرے سے چلی گئی تھی۔

"چلتے ہیں سارا کا دِل خوش ہو جائے گا۔"مَنّت نے اُسکو سُوچتا دیکھ کر ٹھوکا دیتے ہوئے کہا تو وہ سنبھل کر سَر ہلاتے ہوئے اُٹھ کھڑی ہوئی۔

-----@------@------@------@------@-----

"ہاں بھئی ہامان، کیا خبر ہے؟' سجاول جب بھی موڈ میں ہوتا اُسکو 'ہامان' کہہ کر ہی بُلاتا تھا جسے سُن کر ہمشیہ کی طرح وہ مُسکرایا تھا۔سجاول نے بغور اُسکی شاطرانہ اور پُرِاسرار سے بھری پُسکراہٹ کو دیکھا اور قدرے آگے کو ہوا تھا۔

"ابے اُو فرید۔اِدھر مَر۔"سجاول نے دُور مودب سے ہاتھ باندھ کر کھڑے فرید کو بُلایا تھا جو 'حکم ادا سجاوؒ' کہہ کر بھاگتا ہوا حاضر ہوا تھا۔

"سب کو لے کر باہر چلے جاؤ اور جب تک میں نہ کہوں کسی کو اندر مت آنے دینا۔"اُسکے اِشارے پر ٹیبل سے سارے لوازمات اُٹھاتے فرید کو اُس نے کہا۔فرید نے ایک نِگاہ 'ہامان' پر ڈالی اور پھر اُلٹے قدموں دروازے تھ پہنچ کر سب کو اِشارے س باہر نکالتا گیا اور پھر وہ ایک پل کے لیئے ٹھہرا اور پلٹ کر دیکھا۔ہامان کرسی گھسیٹ کر سجاول کے سامنے آ بیٹھا تھا اور اُسکے بیٹھنے سے قبل فرید نے اُس ٹیبل کی نچلی سطح پر کوئی لال سی روشنی چمکتے دیکھی لیکن پھر عجلت میں سَر جھٹکتا وہ وہاں سے نِکل گیا تھا۔

"ہاں بھئی۔اب شروع ہو جاؤ، اِطمینان سے۔" سجاول نے پاؤں پِسار کر ٹیبل پر رکھتے ہوئے کہا تو ہامان اپنے عین سامنے رکھے اُسکے پاؤں دیکھ کر زیرِ لب مُسکرا دیا۔

"ڈیل یاد ہے نہ جو ہمارے درمیان طے پائی تھی؟" ہامان نے محضوظ ہوتے ہوئے پُوچھا تو سجاول کا قہقہ پُورے ہال میں گُونج اُٹھا۔

"ارے بابا! یاد ہے ہمیں وہ ڈیل جس کے باعث تم سات سال سے میرے خاص آدمی بن کر کام کر رہے ہو۔" مُونچھوں کو تاؤ دیتے ہوئے وہ معنی خیزی سے بُولا تو ہامان نے ہنس کر سَر دھنا تھا۔

بہت خوب سجاول، سمجھو کہ تم اپنے مطلب تک اور میں اپنے طلب تک بس پُہنچنے ہی والے ہیں مگر یاد رکھنا سجاول، نیت میں فتور نہیں آنا چاہیے۔" مزے سے کہتے ہوئے آخر میں اُسکا لہجہ تنبیہہ بھرا اور سخت ہو گیا تھا۔

"نیت میں فتور تو پہلے بھی نہیں آیا تھا بابا بس اُس چُھوکری نے ہمارے کچھ رازوں سے واقفیت حاصل کر لی تھی اِسی لیئے شادی والا ڈھونگ رچایا پڑا۔" سجاول نے جیسے اُسکے سخت لہجے کو بھاؤ تک نہیں دیا تھا۔

"معلوم ہے مجھے مگر اِس بار ہماری ہار نہیں ہونی چاہیئے سجاول ورنہ میں سب کچھ تہس نہس کر دونگا۔" اُسکا لہجہ سَرد اور آنکھیں لہو رنگ ہو گئیں۔سجاول نے اب بغور اُسکے پتھریلے تاثرات کو دیکھا اور بےساختہ سَر اثبات میں ہلا دیا۔

------@------@------@-------@------@------

جس وقت وہ دونوں لاؤنج میں آئیں رہ جانے والے کزنز وہاں بھانت بھانت کی بُولیاں بُولنے میں مصروف تھے۔ مَنّت اور حُرمت نے بہت عرصے بعد اِیسی گیدرنگ میں شرکت کی تھی۔ سارہ نے اُن دونوں کو آتے دیکھ کر ہاتھ ہلا کر اپنے برابر خالی جگہ کی سمت اِشارہ کیا تو وہ دونوں مُسکرا کر اُسکی سِمت بڑھ گئیں تھیں۔ حدید نے چہرہ پھیر کر یونہی دیکھا لیکن مَنّت کو آتے دیکھ کر اُسکے چہرے کو بڑی دِلکش مُسکراہٹ چھُو گئی جسے دیکھ کر مَنّت اور حُرمت نے اپنی مُسکراہٹ دبائی تھی اور جب وہ دونوں آ کر سارہ کے برابر بیٹھیں تب حدید کی مُسکراہٹ تیزی سے سِمٹی تھی کیونکہ۔۔۔

"مَنّت یہ کیا طریقہ ہے۔ سامنے آ کر بیٹھو نہ تم دونوں۔" حدید نے یونہی رُخ پھیرے اپنے بالکل مُخالف سِمت میں شاہسوار کے عقب میں پڑے صوفے پر بیٹھتے دیکھ کر دُہائی دی تھی اور مَنّت اور حُرمت کے چہرے کو دھیمی سی مُسکراہٹ چھُو گئی تھی۔ صورتحال یہ تھی کہ وہ دونوں حدید کے عقب میں پڑے صوفے پر آ بیٹھی تھیں یوں کہ حُرمت کی پُشت حدید کی سِمت اور مَنّت کی شہسوار کی سمت تھی۔ حدید یونہی چہرہ پھیرے دھیمی مُسحور کن مُسکراہٹ سے بس اُسے دیکھے گیا جو آج اُسکے گھر میں تھی جسکے صرف حدید قوسین خواب دیکھا کرتا تھا۔ سبز اور پیلے رنگ کے لباس میں ہم رنگ دوپٹہ اُوڑھے جُھکی نگاہوں کے ساتھ وہ حسین ترین لگ رہا تھا۔ جو حدید کو سحر زدہ کرنے کے ہنر سے بخوبی آشنا تھی۔

"واہ حدید بھائی! ہم نے تو اِتنا دیوانہ وہ بھی اپنی ہی بیگم کا کا نہ کبھی دیکھا نہ سُنا۔" سارا نے چٹخارہ لے کر ہنستے ہوئے کہا تھا۔ جہاں مَنّت جھینپ گئی تھی وہیں حدید کی مُسکراہٹ کچھ اور گہری ہو گئی تھی اور اِس بات پر پورے ہال میں قہقہے گُونج اُٹھے تھے۔

"میری تو بھئی پہلی اور آخری مُحبت ہے مَنّت اور یہ کہتے ہوئے مُجھے کسی کا ڈر نہیں مارا ہوا چھوٹی۔ ڈنکے کی چُوٹ پر کہتا رہوں گا سب کے سامنے۔" حدید نے دوبارہ پلٹ کر مَنّت کو شرارت بھری نظروں سے دیکھ کر کہا اور نتیجہ حسبِ منشاء نکلا۔مَنّت نے نگاہ اُٹھا کر دھڑکتے دِل سے اُسکو دیکھا تھا جو ہمیشہ کی طرح مُحبت پاش نظروں سے وہ اُسے دیکھ رہا تھا جو محض مَنّت کے لیئے مُختص تھیں مگر وہ زیادہ دیر تک جذبے لُٹاتی آنکھوں میں دیکھ نہیں سکی تھی اور حدید وہ کتنی دیر تک یونہی ساکن سا اُسکو دیکھے گیا جسکی پلکیں لرز کا سجدہ ریز ہو گئیں اور چہرہ بے حد گُلابی۔یہ منظر دل کو مائل کر لینے والا تھا اور پوری محفل 'اُوہو' کی صدا سے گُونج اُٹھی تھی سوائے ایک لڑکی جسکا نام اندلیپ تھا وہ یہ سارا مُحبت بھرا منظر دیکھ کر دھڑا دھڑ جل رہی تھی۔

شہسوار نے چہرہ پھیر کر حدید کو دیکھا جو ابھی تک مُسکراتی مُحبت بھری آنکھوں سے شہسوار کے عقب میں دیکھ رہا تھا اور پھر اُسکی نِگاہ حدید کے عقب میں سَر جُھکا کر آہستگی سے مُسکراتی حُرمت قوسین پر جا ٹھہری تھی اور اُسکا دِل کئی زینہ نیچے پھسلتا چلا گیا یہ سُوچ کر کے "کیا کبھی وہ بھی بھری محفل میں اِتنی جُرات کا مظاہرہ کر پائے گا؟" اُس چہرے کو دیکھتے ہی ہمشیہ کی طرح شہسوار عالم سب بُھولنے لگا لیکن حدید کے ہلائے جانے پر وہ جیسے کسی خواب کے سحر سے آزاد ہوا تھا۔اُس نے چونک کر حدید کو دیکھا جو تشویش سے اُسکو دیکھ رہا تھا اور پھر اُسکے عقب میں۔وہ بھی متفکر آنکھوں سے اُسکی کو دیکھ رہی تھی اُس نے بے اِختیار نگاہوں کا زاویہ بدل کر سَر جھٹکا۔

"کیا ہوا، کب سے آواز دے رہا ہوں تمہیں شہسوار؟" رمیز نے کہا تو شہسوار ہلکا سا مُسکرایا تو حدید نے بغور اُسکو دیکھا جو پہلے بے حد توجہ سے حُرمت کو دیکھ رہا تھا، اُن آنکھوں میں صرف مُحبت تھی اور وہ پہلی بار 'حدید قوسین' پر آخر کُھل ہی گیا تھا جس سے وہ سب سے زیادہ چُھپتا تھا۔

"کچھ نہیں ہوا۔ معذرت۔" اُس نے ساتھ بیٹھے رمیز کو دیکھ کر کہا تو اُس نے مُسکرا کر کندھے اِچکائے تھے۔

"ویسے کیا سُوچ رہے تھے اتنی گہرائی سے۔" رمیز نے پھر اپنا شریر لہجہ اپنا کر کہا، شہسوار نے بے ساختہ اپنی پیشانی مَسلی تھی اِس سے بے خبر کہ حدید اُسکی ایک ایک جُنبش کو دیکھ رہا تھا۔

اور جب وہ حدید کے عقب میں بیٹھے وجود کو دیکھ کر بہت مدہم آواز میں بولا تو ہال میں سناٹا چھا گیا تھا۔ مَنّت نے حُرمت کے بے یقین سے چہرے کو دیکھا تھا اور حدید نے شہسوار کو جو اب خاموشی سے دائیں ہاتھ کے انگھوٹھے سے بائیں ہاتھ کی ہتھیلی مَسل رہا تھا، اِضطران میں۔

"واہ میرے بھائی کو بھی شاعری سے شغف ہے معلوم نہیں تھا ہمیں۔" سارہ نے خوشی سے چہ‌ور لہجے میں کہہ کر شہسوار کو چونکا کر حدید کو دیکھنے پر مجبور کر دیا تھا۔

"یہ تمہیں کہہ رہی ہے سارہ؟" شہسوار کے سوال پر حدید نے کسی قدر حیرت سے اُسے دیکھا وہ جیسے اپنے ہی الفاظ، اپنی ہی نگاہ کی بے اِختیاری سے بے خبر تھا۔ حُرمت کے دِل کو دھکا سا لگا تھا۔

وہ بے اِختیاری کا عالم تھا یہ سماعتوں کا دُھوکا؟؟ حدید اب اُسکو سارہ کی بات کا پسِ منظر بتا رہا تھا جسے وہ جُھکے چہرے کے ساتھ سُن رہا تھا اور حُرمت، اُسکی سماعتوں میں تادیر اُسکا مدہم، دِلگرفتہ لہجے میں کہا جانا والا اِسم گُونجتا ہی رہا تھا جو 'سید شہسوار عالم' نے اُسکو دیکھ کر سرگوشیانہ انداز میں کہا تھا۔۔۔

"صدیوں سے تجھے تکتے ہوئے سُوچ رہا ہوں ہے

دِل تیرے خدوخال سے بھر کیوں نہیں جاتا؟؟"

وہ لہجہ عام نہیں تھا نہ ہی وہ نگاہیں۔حُرمت کا دِل جیسے سینے کے پنجرے میں ڈوبتا چلا جا رہا تھا، کبھی نہ اُبھرنے کے لیئے۔۔

@-----@-----@-----@-----@----

آجکل ہونے والی برفباری کے باعث سڑکوں پر ہر طرف برف کی تہیں جمی ہوئی تھیں۔برفانی تُودے گرنے کے باعث جہاں جگہ جگہ حادثے زیادہ ہو گئے وہیں آرمی کی مصروفیات میں اضافہ ہو گیا تھا وہیں ڈاکٹرز پر بھی بھاری ذمہ داری عائد ہو گئی۔وہ تقریباً ایک ہفتے سے ایمرجنسی میں تھی اور اب گھر جانے کے لیئے نکل رہی تھی۔آج وہ جیپ میں آئی تھی کیونکہ سوات کی سڑکوں میں اِیسے موسم میں گاڑیاں دُوڑانا نِری حماقت تھی۔

مَنّت اُس وقت سَرتاپا کالے لباس میں ملبوس تھی۔اُس نے سیاہ گرم اُوور کوٹ پہن رکھا تھا، سیاہ ہی جینز جسکے نیچے شیاہ شوز، سَر پر حجاب کی صورت کالا سٹولر اور گالے میں لال مفلر لپیٹے ہوئے وہ دونوں ہاتھ کوٹ کی جیب میں ڈالے اِدھر اُدھر بے نیازی سے دیکھتے ہوئے جیپ کی طرف جا رہی تھی۔

سوات میں جب بھی اِیسا موسم ہوتا مَنّت اِمام کا دِل کرتا وہ لمبی سی سڑک پر چلتی چلی جائے۔اِیسی سڑک جسکا کوئی اِختتام نہ ہو۔تھکاوٹ جیسے روم روم میں بسی تھی۔اُسکا سفید چہرہ اُس وقت تھکاوٹ، بُخار اور نقاہت سے سُرخ ہو رہا تھا۔چہرے پر اپنا سَرد ہوتا ہاتھ پھیر کر اُس نے ایک گہرا سانس فضا کے سپرد کیا تھا۔

" مُجھے کچھ گرما گرم پی لینا چاہیے۔"خود سے کہہ کر وہ جیپ دوبارہ بند کرتے ہوئے اب سڑک عبور کرنے لگی تھی کہ وہیں ٹھہر گئی کیونکہ سامنے وہی تھا خاکی یونیفارم میں ملبوس، بِنا سَر پر کیپ پہنے بہت مُضمحل اور نِڈھال ہفتوں کی بھاگ دُوڑ کی بدولت۔وہ ساتھ چلتے ماتحت کو کچھ حکم دے رہا تھا، ماتحت نے رُک کر اُسکو سلیوٹ کیا اور پھر بھاگتا ہوا بہ‌ّت کی نظروں سے اُوجھل ہو گیا۔وہ یونہی محو رہتی لیکن یک دم ٹھٹھک کر اُسکے متوجہ ہونے سے قبل ہی وہ روڈ کراس کرتے ہوئے سامنے مُوجود "چائے خانے" میں آ گئی۔

گرما گرم چائے پیتے ہوئے جیسے عصاب پُرسکون ہو رہے تھے۔اُس نے اِدھر اُدھر نگاہ دُوڑا کر کپ کی سطح پر ہاتھ پھیرا۔ہر کوئی خوش اور مگن تھا۔وہ کونے کی میز پر بیٹھی تھی اِس لیئے ہر آئے گئے پر اُسکی غیر اِرادتاً نگاہ پڑ رہی تھی۔اندر کا ماحول باہر کی نسبت بہت گرم اور خوشحال تھا۔

"بابا! دو گرما گرم چائے۔"دروازہ کُھلنے پر اُس نے بے اِختیار سَر اُٹھاتے سامنے دیکھا تھا مگر اُسی تیزی سے نگاہوں کا زاویہ بدل گئی۔حدید نے مُسکرا کر زاور کو بیٹھنے کا اِشارہ کرتے ہوئے چائے خانے کے مالک سے کہا تھا اور جیسے ہی وہ پلٹا ساکن رہ گیا۔سامنے ہی وہ بیٹھی تھی۔ہر شے سے لاتعلق اور بے پرواہ سی۔وہ وہیں ٹھہر کر اُسے دیکھتا رہتا اگر زاور اُسے پُکار نہ لیتا۔

"کیا ہوا تھا جو اُدھر ہی جم کر کھڑا ہو گیا تھا؟" زاور نے بغور اُسکو دیکھ کر پُوچھا جو خاموشی سے کرسی گھسیٹ کر بیٹھا اب اپنے بائیں ہاتھ سے ٹیبل کُھرچ رہا تھا۔

"حدید۔" زاور نے اُسے گُم سُم اپنے عقب میں دیکھتے پا کر پُکارا، حدید نے چُونک کر اُسکو دیکھا اور پھر نفی میں سَر ہلایا۔ زاور نے ہلکے سے چہرہ پھیر کر اُسکی نگاہوں کے تعاقب میں پیچھے دیکھا اور پھر چونک کر واپس حیدد کو جو نظروں کا زاویہ بدل چکا تھا۔

"بھابھی بیمار ہیں کیا؟" زاور نے تشویش سے کہا، حدید نے پھر اُسکو دیکھا جو اب چائے کے پیسے ادا کر کے جا رہی تھی۔ وہ اُسکو ہمیشہ کے برعکس نڈھال اور مُضمحل سی لگ رہی تھی مگر زاور کی بات نے اُسے مزید تشویش اور تفکر میں مُبتلا کر دیا تھا۔

"ہفتے، دو ہفتے سے ایمرجنسی میں تھی۔" حدید نے آہستگی سے کہا اور شیشے سے باہر دیکھنے لگا جہاں وہ سڑک عبور کر کے اب جیپ کا دروازہ کھُول رہی تھی۔

"تُجھے پُوچھنا چاہیئے بھابی سے طبیعت کا۔" زاور نے اُسکی توجہ ہٹتے دیکھ کر مُخلصانہ مشورہ دیا جسے سُن کر حدید نے بے توجہی سے سَر ہلا دیا۔ وہ مَنّت کو ہی دیکھنے میں مگن تھا جو اب چونک کر سامنے آتے دو بندوں کو راستہ سمجھا رہی تھی اور پھر حدید بے یقینی سے اُٹھ کھڑا ہوا۔

"کیا ہوا حدید؟" زاور نے تیزی سے کھڑے ہو کر کہا مگر وہ اُسکو جواب دیئے بغیر باہر کی سِمت بھاگ کھڑا ہوا۔ کتنے ہی لوگوں نے حیرت سے اُسے سَرپٹ بھاگتے دیکھا۔ زاور نے پریشانی سے اُسکو بھاگتے دیکھ کر شیشے کے پار دیکھا اور اُسکا مُنہ حیرت سے کُھل گیا کیونکہ ایک بندے نے عقب سے آ کر رُومال مَنّت کی ناک پر رکھا اور کچھ ہی سیکنڈز میں اُسکو سیاہ وین میں گھسیٹ کر ڈالتے ہوئے گاڑی بھگا

لے گئے تھے۔حدید یہی وقت سے پہلے محسوس کر کے بھاگا تھا۔زاور تیزی سے باہر آیا لیکن حدید کو کسی بائیک پر اُس سیاہ وین کا تعاقب میں جاتے دیکھ کر تفکر سے پیشانی مَسلی اور پھر اُپنا سیل فون نِکالا۔

"کیپٹن زاور ہیر، سَر ایک مسئلہ ہو گیا ہے۔"وہ اب فون کی دوسری سِمت موجود شخص کو سارا پسِ منظر بتا رہا تھا۔

-----@------@-----@------@------@-----

"مائدہ، تمہیں شرم آنی چاہیئے حدید کے بارے میں اِسطرح کہتے ہوئے۔"مَنّت نے دُکھ اور صدمے سے بامُشکل مدہم آواز میں کہہ کر مائدہ کا فشارِ خون بُلند کر دیا تھا۔

"حدید، حدید، حدید۔اُسکے آنے سے تمہارے مُنہ میں کافی لمبی زبان نہیں آ گئی۔مَنّت ولّی خان۔" مائدہ عین اُسکے رُوبرو آ کر شرر بار لہجے میں بولی۔مَنّت یونہی بے یقینی سے سَر اُٹھائے اُسے دیکھتی رہی، یہ مائدہ تو کوئی اور ہی تھی یکسر مُختلف سی۔

"بجائے شرمندہ ہونے کے تم مُجھ پر چڑھائی کر رہی ہو۔میں حدید کے بارے میں اِیسا لہجہ اور اِیسے الفاظ بالکل بھی برداشت نہیں کروں گی۔تمہاری نظر تمہیں وہی سب دِکھا رہی ہے جو تمہارے ذہن میں خناس بھرا ہوا ہے حدید کے خلاف۔"مَنّت نے اب کے سَر جھٹک کر بے حد سخت انداز میں کہا جہاں مائدہ کا مُنہ بے یقینی سے کُھلا وہیں کمرے میں داخل ہوتے مَنّت کے پانچوں بھائیوں اور مُجاہد کا بھی ٹھٹھک اُٹھنا یقینی تھا کیونکہ وہ دونوں زندگی میں پہلی بار دُوبدو سخت لہجے میں آمنے سامنے تھیں۔

"مَنّت یہ کِس طرح بات کر رہی ہو تم مائدہ سے؟" سُفوان بھائی نے تیزی سے آگے بڑھ کر کہا تو مَنّت نے چونک کر اُنکے غصّے سے سُرخ پڑتے چہرے کو دیکھا اور پھر مائدہ کو جو تیزی سے سُفوان کے عقب میں ہو گئی تھی۔ مَنّت نے ایک نظر سُفوان بھائی کو دیکھ کر پیچھے کھڑے اپنے باقی چار بھائیوں کو دیکھا جو نا سمجھی سے سب دیکھ اور سُن رہے تھے۔ اِس سے پہلے مَنّت کچھ کہتی مائدہ کی آواز پر اُس نے چونک کر مائدہ کی گیلی پڑ جانے والی آنکھوں کو اُلجھ کر دیکھا تھا۔

"سُفوان سختی سے بات نہ کریں۔ مَنّت نا سمجھ ہے تبھی حدید کی باتوں میں آ جاتی ہے اور حدید اُسکو میرے خلاف ورغلا دیتا ہے۔" مائدہ نے گلوگیر لہجے میں سفوان کے کندھے پر نرمی سے ہاتھ رکھ کر کہا۔ مَنّت نے حیرت سے یہ سب دیکھا، اُسکے کانوں میں بے اِختیار حدید کا تفکر بھرا لہجہ گُونجا، " کبھی کبھار مُجھے تمہاری کزن سے سچ میں بہت خوف آتا ہے۔ اِیسے لگتا ہے وہ تمہیں مُجھ سے چھین لے گی۔ اُسے مُجھ سے کیا مسئلہ ہے مَنّت؟"

"مائدہ بہت ہو گیا۔ اب تم نے حدید پر جُھوٹا اِلزام لگایا تو میں بھی سارے ادب لحاظ بُھول جاؤں گی۔" قدم قدم چل کر عین سُفوان بھائی کے آگے آ کھڑے ہوتے ہوئے بولی جنکے عقب میں کھڑی مائدہ مُسکرا رہی تھی۔

"بہت ہو گیا مَنّت۔ مائدہ بھابھی ہے تمہاری کچھ تو عزت کرو۔" سُفوان نے اب کے تادیبی لہجے میں کہا۔

"آپ بھی اپنی بیگم صاحبہ سے کہیں کہ میرے حدید کا تذکرہ اگر عزت اور اِحترام سے نہیں کر سکتی تو بہتر ہے بالکل نہ کرے۔" اُس نے ٹھنڈے ٹھار لہجے میں سُفوان بھائی کی آنکھوں میں دیکھ کر کہتے

ہوئے جہاں اپنے پانچوں بھائیوں کو ورطہ حیرت میں ڈال دیا تھا وہیں مائدہ کی مُسکراہٹ تیزی سے سِمٹی تھی اور مُجاہد نے بھی اپنی مُٹھیاں بھینچ کر ایک نظر مَنّت کو دیکھا جو ہمشیہ کی طرح اُس سے، اُسکی مُحبت سے بے خبر تھی اور پھر اُسی خاموشی سے باہر نِکل گیا۔مَنّت دیکھ نہ سکی کہ اُسکے 'میرے حدید' کہنے پر 'مائدہ سُفوان' کی آنکھوں میں کیسے بھسم کر دینے والی آگ دہک اُٹھی تھی۔وہ تو خاموش کھڑے، غصّے سے سُرخ ہوتے اپنے بھائیوں کو دیکھ رہی تھی جنھوں نے نہ پہلے کبھی اُسکا ساتھ دیا تھا اور نہ آگے مَنّت حدید قوسین کو اُن سگّے بھائیوں سے کسی اچھے کی اُمید تھی۔

بازو ہوتے ہیں مان لوں لیکن

بھائی کنویں میں پھینک دیتے ہیں۔۔۔

------@------@------@------@-----@-----

"مَنّت!" اپنا نام یوں اپنائیت سے پُکارے جانے پر وہ چونک کر ٹھہر گئی۔وہ جو یوں ہی آج بے مقصد گھر سے نِکل آئی تھی کہ آخری بار کُھل کر فضا میں سانس لے سکے اور کہیں اُس مُحافظ کے خیال کو بھی دفنا آئے کہ اُسکے بعد "مَنّت ولّی خان" کے پاس گِریہ کرنے کے لیئے بہت کچھ ہونا تھا۔وہ سَر جُھکائے گھنّے جنگل کے سُنسان رستوں پر سُست روی سے چل رہی تھی اُس مہربان سی آواز کو پہچان کر ٹھہری جو کچھ ہفتوں پہلے ہی اُسے خوفزدہ نہ ہونے کا کہہ کر تسلی اور تحفظ دے رہے تھے۔

اُسکی آنکھوں میں بے اِختیار ڈھیر سارا پانی آ جمع ہوا اور جب وہ پلٹی تو سامنے اُسی شخص کو حقیقت میں کھڑا دیکھ کر اُسکا دِل کئی زینہ نیچے پِھسلتا چلا گیا اور آنسو مُوتی کی طرح اُسکے گالوں پر لڑھک آئے اور وہ یوں اسکی غزال آنکھوں سے آنسو گرتے دیکھ کر بے چین ہو کر تیزی سے اُسکی سِمت بڑھا۔

"کیا ہوا مَنّت؟ سب خیر ہے نہ؟" وہ یوں پُوچھ رہا تھا گویا برسوں کا غم گُسار ہو۔مَنّت نے تیزی سے ہاتھ کی پُشت سے آنسو صاف کر کے اُسے دیکھا۔

"آپ یہاں؟" وہ مصنوعی بشاشت سے بولی تو حدید نے بغور اُسکے مُرجھائے ہوئے چہرے کو دیکھا اور اُسکے یوں دیکھنے پر مَنّت کا جی چاہا وہ دھاڑیں مار مار کر رُوئے اور اُسے اپنے سارے دُکھ اور مَلال بتائے۔

ے آ کسی روز، کسی دُکھ ہر اکھٹے رُوئیں
جس طرح کسی مرگِ جواں پر کہیں دیہاتوں میں
بُوڑھیاں رُوتے ہوئے بین کیا کرتی ہیں
آ کسی روز، کسی دُکھ پر اکھٹے رُوئیں۔۔۔

"کوئی مسئلہ ہے نہ؟ مُجھے بتائیں میں آپکی پریشانی حل کرنے کی پُوری کوشش کروں گا۔"حدید نے کچھ بے چینی، کچھ اِضطراب سے کہا مگر وہ اپنے الفاظ پر خود ہی ششدر رہ گیا تھا۔آخر وہ اِتنا بے چین اور دیوانہ کیوں ہوئے جا رہا تھا؟

"صرف اِس شخص کو کیوں نظر آئی میری پریشانی؟ میرے باپ، بھائی اور آغا جان سب کیا ہوئے؟" اُس نے دِلگرفتی سے سُوچ کر سَر جھٹکا تھا۔حدید واضح اُسکے چہرے کے اُتار چڑھاؤ اور تاثرات دیکھ رہا تھا مگر وہ فوراً رُخ پھیر کر سائیڈ پہ دیکھنے لگی کہ کہیں مُقابل کھڑا شخص اُسے کہیں اندر تک نہ بھانپ لے۔

"پلیز مَنّت۔" وہ چہرے پر جہاں بھر کی اذیت سمُو کر عاجزی سے بولا تو مَنّت نے ٹھٹھک کر اُسکو دیکھا جو بہت مُضطرب دِکھائی دیتا تھا۔

"اِیسی کوئی بات نہیں ہے کیپٹن حدید۔" اب کہ وہ دانستہ قدرے مُسکرا کر شرارت سے بُولی مگر حدید مُسکرا بھی نہ سکا۔

"اچھا مِس رضیہ آپ کہتی ہیں تو مان لیتے ہیں۔" کچھ پل کے توقف کے بعد وہ قدرے جُھک کر اُسکے ہی لہجے میں بُولا تو مَنّت بے اِختیا کِھلکھلا کر ہنستی چلی گئی۔اِردگرد کی ہر شے کو جیسے اِک جامد سکوت نے اپنی لپیٹ میں لے لیا تھا۔گھنے جنگل میں اُسکی ہنسی کی جھنکار درختوں سے پلٹ پلٹ کر حدید کے کانوں تک آئی تو وہ ساکن سا ہو کر اُسکو دیکھے گیا جو ہر چیز سے بے نیاز آنکھیں بند کر کے بائیاں ہاتھ ہونٹوں پر رکھے ہنسی سے بے حال ہو رہی تھی۔حدید نے خود کو زندگی بھر کے لیئے ٹھہر جاتے ہوئے پایا۔اُس گھنے جنگل نے حدید قوسین کو اپنے سحر میں اُسی طرح جھکڑ لیا تھا جیسے مارگلہ کی سَرسبز و شاداب پہاڑ پر اُن خوفزدہ غزال سی آنکھوں نے جھکڑا تھا۔

میں تُجھے دیکھ کر مبہوت کھڑا سُوچ رہا ہوں

کون سی شے سے آخر تیرا صدقہ اُتارا جائے۔۔۔

دُور سے آتی مائدہ سُفوان وہیں جامِد ہو گئی۔"اِتنا کچھ ہو جانے کے باوجود یہ ہنس رہی ہے۔"مائدہ نے تعجب سے اُسکو ہنستے دیکھ کر سُوچا تھا جو ہفتے سے گُم سُم تھی اور وجہ سمجھ میں آتے ہی مائدہ کی آنکھوں سے شعلے سے جل اُٹھے اور ماتھے پر ناگوار شِکنوں کا جال سا بِچھ گیا۔اور وہاں مَنّت نے

آنکھوں کے بھیگتے گوشوں کو صاف کرتے ہوئے حدید کو دیکھا جو بالکل بے حس و حرکت کھڑا اُسکو ہی دیکھ رہا تھا۔

"جذاک اللہ۔" سَر جُھکا کر وہ بہت مدہم سا بُولی تو حدید نے بےاِختیا چونک کر اُسکو دیکھا اور سنبھل گیا۔

"کِس چیز کے لیئے؟" وہ قدرے ناسمجھی سے بولا تو مَنّت نے اُسکی دِل مُوہ لینے والی صورت کو اِک نِگاہ دیکھ کر نگاہوں کا زاویہ بدل لیا۔

"ہر چیز کے لیئے۔" وہ پھر مدہم سا گویا ہوئی۔حدید نے اُنچھبے سے اُسکو دیکھا جو کہیں اور دیکھنے میں مگن تھی۔

"آپ کہیں جا رہی ہیں کیا؟" اب کے وہ سنجیدگی سے بُولا۔اُسکی بات سے زیادہ اُسکے بےچین، سنجیدہ لہجے نے مَنّت کو چُونکا دیا تھا۔اِس سے پہلے کے مَنّت کچھ کہتی۔

"جی بالکل جا رہی ہے رخصت ہو کر اگلے گھر، کیوں" مائدہ نے آگے بڑھ کر چبا کر حدید کی سماعتوں میں زہر گُھول دیا۔اُس نے چونک کر مَنّت کو دیکھا جو تاسف سے مائدہ کو دیکھ رہی تھی۔

"مَنّت۔" اُسکے لبوں سے بےاِختیار بہت مدہم سا اُسکا نام نِکلا تو جہاں مَنّت نے ٹھٹھک کر اُسکے نا سمجھ میں آنے والے تاثرات کو دیکھا وہیں مائدہ کے تن بدن میں گویا آگ لگ گئی۔

"ایکسکیوز می! یہ آپ کس خوشی میں مَنّت کو اِتنی بےتکلفی سے مُخاطب کر رہے ہیں؟" مائدہ نے تپ کر کہتے ہوئے آگے بڑھنا چاہا مگر اُس سے پہلے ہی مَنّت نے اُسکا بازو پکڑ کر رُوکا، مائدہ نے ناگوار نظروں سے مَنّت کو دیکھا تھا۔

"چلو گھر چلیں۔"مَنّت نے لہجے میں عاجزی سمو کر کہا لیکن مائدہ نے اپنا بازو زور کا جھٹک کر کھینچا اور مَنّت نے حیرت سے اُسکے جارحانہ انداز کو دیکھا یوں جیسے وہ مائدہ کوئی اور ہی ہو۔

"مُحترمہ! دو گھنٹے سے میں تمہیں پاگلوں کی طرح ڈھونڈ رہی ہوں۔ تمہاری مہندی کی رسم کے لیئے سجاول لوگ آ گئے ہیں۔"مائدہ نے نخوت سے کہا جہاں مَنّت کا دِل خوف سے سُکڑ کر پھیلا وہیں حدید نے خالی نظروں سے اُسکو دیکھا لیکن اُسکے چہرے پر پھیلتے خوف و ہراس کو دیکھ کر ٹھٹھکا۔مَنّت بے اِختیا نفی میں سَر ہلاتے ہوئے پیچھے سِرکی۔مائدہ نے نا سمجھی سے جبکہ حدید نے اُلجھ کر مَنّت کے قدموں اور اُسکے سفید پڑتے چہرے کو دیکھا تھا۔

"مُجھے وہاں نہیں جانا مائدہ۔ مُجھے گھر نہیں جانا۔"بھیگے لہجے میں کہتے ہوئے وہ لرزتے قدموں سے سے پیچھے ہوتی رہی۔وہ جیسے سب بُھول گئی تھی کہ وہ کہاں ہے، سجاول کا خوف ہر اِحساس پر حاوی تھا لیکن اُسکی یہ بے بسی اور ہراس دیکھ کر حدید کے دِل کو زور دار گھونسہ پڑا۔

"پاگل ہو گئی ہو مَنّت۔خود تو مَر رہی ہو ساتھ ہمیں بھی مارنے کا اِرادہ ہے تمہارا۔"مائدہ نے سختی سے کہہ کر اُسکا ہاتھ تھام کر گھسیٹا اور حدید کی برداشت یہیں تک تھی۔اُس نے آگے بڑھ کر ایک جھٹکے سے مائدہ کی گرفت سے مَنّت کا ہاتھ چُھڑا لیا۔مائدہ نے حیرت اور بے یقینی سے حدید کے ہاتھ میں لرزتے مَنّت کے ہاتھ کو دیکھا اور مَنّت سَر اُٹھائے بھیگی آنکھوں اور ساکت ہوتے دِل سے اُس شخص کو دیکھے گئی جو دِل کو پیارا لگنے لگا تھا۔جو دِل کے ہر گوشے میں بے اِنتہا تیزی سے جگہ بنانے لگا تھا اور جو بس کچھ دِنوں میں اُسکی زندگی کے ہر باب سے اُوجھل ہو جانے کو تھا۔

"آپ ہر دفعہ زبردستی مَنّت کو میرے پاس سے نہیں لے کر جا سکتیں، محترمہ۔"اُس نے مائدہ کو دیکھ کر بہت سنجیدگی سے کہا جو شرر بار نظروں سے اُسے دیکھ رہی تھی۔

"مَنّت لگتا ہے تم بُھول گئی ہو کہ یہ جرگے کا فیصلہ ہے جسکے سَردار تمہارے والد صاحب ہیں۔"مائدہ نے اب کے حدید کو دیکھ کر تمسخرانہ لہجے میں کہا جہاں مَنّت نے تڑپ کر اُسکو دیکھا وہیں حدید نے دھڑکتے دِل کے ساتھ مَنّت کو دیکھا جسکی آنکھوں میں آنسو دیک دم ٹھہر گئے تھے۔

"تمہیں تو یاد رکھنا چاہیے کہ تمہارا باپ تمہارے قدموں میں اپنی دستار بھی رکھ چکا ہے۔"مائدہ نے حدید کے سفید پڑتے چہرے کو مُسکراتی نظروں سے دیکھتے ہوئے ترکش سے آخری تیر زہر میں بِھگو کر مَنّت پر چُھوڑا جو توقع کے عین مُطابق سیدھا 'مَنّت ولّی خان' کے دِل میں جا کر پیوست ہو گیا۔

ڈھیلی ہوتی مَنّت کی گرفت پر حدید کا دِل دھڑکنا بُھولا تھا۔

"مَنّت۔"حدید نے اُسکا ہاتھ مضبوطی سے تھامنا چاہا مگر وہ ہاتھ جو وہ عمر بھر کے لیئے تھامنا چاہتا تھا 'حدید قوسین' کے ہاتھوں سے ریت کی مانند پِھسلتا چلا گیا۔اُس نے دُھندلی پڑتی بصارت سے مَنّت کو دیکھا جو کسی رُوبوٹ کی طرح اِردگرد دیکھے بِنا مائدہ کی سِمت بڑھ رہی تھی۔حدید کی حالت دیکھ کر مائدہ کے چہرے پر فاتحانہ مُسکراہٹ رینگ گئی اور پھر اُس نے آگے بڑھ کر نرمی سے مَنّت کے کندھے پر ہاتھ رکھا اور اُسکو لیئے آگے بڑھنے لگ گئی۔حدید گویا اپنے ہاتھوں سے زندگی سِرکتے دیکھتا رہا۔وہ کیسے چند دنوں میں اُسکو اِتنی پیاری ہو گئی تھی؟ کیا یہ محبت ہی تھی یا کوئی اور جذبہ؟؟

چند قدم چل کر مَنّت ٹھہری تو حدید بےاِختیار دو قدم آگے بڑھا۔"چلو مَنّت۔"مائدہ نے اُسکے شانوں پر گرفت سخت کرتے ہوئے تنبیہاً کہا لیکن مَنّت نے آخری بار چہرہ پھیر کر اُس شخص کو دیکھا جسکے

سبب سے وہ چند ہفتوں میں دِل کھُول کر ہنسی تھی نتائج سے بے بہرہ ہو کر۔ اُسکو یوں الوداعی نظروں سے پلٹتا پا کر حدید کا دِل چاہا وہ دُوڑ کر اُسکے قدموں میں بیٹھ کر اُسکو ہمیشہ کے لیئے روک لے مگر مَنّت کی آنکھوں کے بھیگے گوشوں نے اُس کو اِیسا کرنے سے خائف رکھا اور مَنّت اُسی طرح خاموش قدموں سے حدید کی نظروں اور زندگی سے اُوجھل ہوتی جا رہی تھی جس طرح دبے پاوں وہ اُسکے دِل میں آ بسی تھی۔ اُسکا ہر تھکا ہارا، شکستہ پا دُور جاتا قدم حدید کو پُکار پُکار کر بس یہی کہے جا رہا تھا۔۔۔۔

ہم نے پرچم تھام لیا تھا باقی گھڑی رکھ دی تھی
گھر کی چاہ تھی گھر والے نے شرط بھی تگڑی رکھ دی تھی
یار میری آنکھوں میں دیکھو، یار میں صرف تمہاری تھی
یار میرے پیروں میں میرے باپ نے پگڑی رکھ دی تھی۔۔۔

-----@------@------@------@------@-----

مَنّت نے بھاری ہوتے سَر کے ساتھ بامُشکل آنکھیں کھُولیں تو خود کو ویران پڑے ویئر ہاوس میں پا کر وہ متفکر ضرور ہوئی تھی مگر عام لوگوں کی طرح خوفزدہ نہیں۔ اُس نے سَر کو جھٹک کر اُس بڑھتی گھٹتی دُھند کو رفع کیا اور اُٹھ کھڑی ہوئی۔ اُٹھنے سے کہیں کہیں درد کی لہر سی اُٹھ گئیں۔ اب وہ آہستہ قدموں سے ویئر ہاوس کو بے حد غور سے ٹٹول رہی تھی مگر ایک بڑے سے دروازے کے علاوہ جو کہ بہت مضبوطی سے بند تھا وہاں اُسے قابلِ گرفت کچھ نہیں مِلا تھا۔ اُس نے مکمل تلاشی لت کر اپنے سیاہ کپڑوں کو دیکھا جو دُھول سے اَٹ چکے تھے گہرا سانس لے کر وہ اُنھیں جھاڑنے لگی۔ معلوم

تھا مگر پھر بھی اُس نے اِحتیاطاً کوٹ کی جیبوں میں ہاتھ ڈالا وہاں صرف اُسکا پیسوں والا کلچ تھا اور اُسکا سیل فون غائب۔کلچ میں اُسکے پیسے یونہی پڑے تھے گویا اُسکے اغواکاروں کو پیسوں میں قطعاً دلچسپی نہیں تھی۔کلچ واپس پاکٹ میں رکھ کر اُس نے اپنے دائیں ہاتھ میں پہنی ہوئی انگوٹھی کی یقین دہانی کی کیونکہ اُس میں ہمدی اور اُس نے ایک دوسرے کی لوکیشن سے ہر وقت بے خبر رہنے کے لیئے 'جی-پی-ایس ٹریکر' رکھا تھا اور وہ انگوٹھی دونوں ہمہ وقت پہنے رکھتے تھے اور پھر وہ ٹہلنے لگی یوں جیسے وہ اپنے گھر کے لان میں رات کے کھانے کے بعد چہل قدمی کر رہی ہو۔

"ہمدی بھائی کو معلوم ہو گیا ہو گا؟" اُس نے آج کے واقعے سے نظر چُرا کر ہمدی بھائی کا سُوچنا شروع کر دیا۔ٹہلتے ٹہلتے اۤسے دروازہ کھُولے جانے کی آواز پر رُک جانا پڑا۔آنے والا سیاہ نقاب میں تھا۔پل بھر کو وہ ٹھٹھکی لیکن پھر اُسی طرح ٹہلنے میں مگن ہو گئی۔

"خوفزدہ ہو نہیں یا لگ نہیں رہی؟" سیاہ نقاب والا نُو وارد اُسکو یوں گھریلو طریقے سے ٹہلتے پا کر پہلے بے یقینی سے چُونکا مگر پھر سنبھل کر طنزیہ بولا۔مَنّت کے کانوں سے اُسکی سَرد آواز ٹکرائی تو وہ چلتے چلتے رُکی، ذہن میں موجود تمام آوازوں کو کھنگالنے لگی لیکن کوئی نہ پا کر اُلجھن سی دَر آئی ذہن میں مگر چہرے کے تاثرات اُس نے عام سے رکھے۔

"مقصد کیا ہے اِس سب کا اور تم ہو کون؟" اُسکے گھِسے پِٹے سے سوال کو خاطر میں لائے بغیر اُس نے گویا ناک سے مکھی اُڑاتے لہجے میں کہا تھا۔سیاہ نقاب میں چھُپی آنکھوں میں بے یقینی اور ستائش ایک ساتھ اُمڈ آئیں۔مَنّت کو وہ دیکھنے کا انداز شناسا سا لگا مگر کہاں؟ کب؟؟

"بہادر ہو گئی ہو بہت۔ تمہارے اُس فوجی تیس مار خان شوہر کی وجہ سے یا سبب کچھ اور ہے؟" اب کے وہ قدم قدم چلتا اُسکی سِمت بڑھتے ہوئے کہنے لگا۔ اُسکے لہجے اور انداز میں نفرت اور سَرد پَن بلّا کا تھا۔ مَنّت اب کے حقیقتاً چونک گئی۔ اُسکے تاثرات میں اب تبدیلی پا کر وہ نقاب پُوش جل کر راکھ ہو اُٹھا تھا مگر مَنّت کے چُونک اُٹھنے کا سبب کچھ اور تھا۔ یہ حوالہ وہ کسی سے براہِ راست آٹھ سالوں بعد سُن رہی تھی۔ کوئی اُسکا یہ آٹھ سال پُرانا حوالا یہاں سوات میں نہیں جانتا تھا۔ تو پھر کیا سامنے کھڑا شخص منّت کو آٹھ سال پہلے سے جانتا تھا؟ آخر کون تھا وہ؟؟

"میں۔۔۔ مُجھے جانتی نہیں ہو کیا تم؟؟ وہ اُسکے انجان سے تاثرات دیکھ کر تیزی سے اُسکی سِمت بڑھا تو وہ یک دم پیچھے ہوئی۔ اُس نقاب پُوش کی نفرت نے اُسے پل بھر کے لیئے دنگ کر دیا تھا۔ اُسکو یوں پیچھے ہٹتے دیکھ کر وہ قہقہ لگا کر ہنس پڑا۔ اُسکی کھُوکھلی سی ہنسی نے اُسکے دِل کو پریشان کر دیا تھا مگر باہر سے وہ محض اُلجھن سے اُسے دیکھ رہی تھی۔

"تمہیں میں نہیں یاد۔ ہاں؟؟" وہ دھاڑا تو مَنّت حقیقتاً اب تفکر سے پیچھے ہوئی کیونکہ سامنے کھڑے شخص کہیں سے بھی نارمل نہیں لگ رہا تھا۔

"تم مُجھ ہی سے کیوں بھاگتی ہو ہمیشہ؟" وہ آنکھوں کو پھیلاتا ہوا عجیب بے چین سے لہجے میں کہہ رہا تھا مگر مَنّت نے دیکھ نظر اُسکو دیکھ کر دُور اُس کھُولے دروازے کو دیکھا اور نامحسوس طریقے سے پھر دو قدم پیچھے ہوئی۔ وہ سنکی شخص تھا اور پاگل آدمی سے کچھ بعید نہیں ہوتا یہی سُوچ کر مَنّت دماغ کے گھُوڑے دُوڑانے لگی۔ جواب نہ پا کر وہ دو قدم مزید آگے آیا اور کھُولتے ذہن کے ساتھ اُس نے آپنی انگھوٹیوں اور چین والا ہاتھ اُٹھایا اور فضا تھپڑ کی آواز سے گُونج اُٹھی۔ وہ تھپڑ اِس قدر شدید تھا کہ

مَنّت لڑکھڑا کر پیچھے ہوئی ورنہ وہ تھپڑ اِتنا سخت تھا کہ وہ کھا کر اپنے قدموں پر کھڑا رہنا مُسکل تھا۔ اُسکا بخار کی شدت سے سُرخ ہوتا گال اُس تھپڑ کی مار سے مزید خون رنگ ہو گیا اور ہونٹ کے کنارے سے خون بھی نِکلا۔خون کا ذہقہ مُنہ میں آتے ہی اُس نے سائیڈ پر مُنہ کر کے تُھوکا۔سیاہ نقاب پوش نے کسی قدر حیرت سے اُسکو اپنے قدموں پر اِس طرح کا ردِ عمل کرتے دیکھا۔وہ تو سمجھا تھا کہ وہ اُسے ڈرا دھمکا لے گا مگر یہاں تو اُلٹی گنگا ہی بہہ نِکلی تھی۔

"بس بہت ہوا۔" دِل میں سُوچ کر اُس نے اُس نیم پاگل سے شخص کو دیکھا جو بے یقینی سے اُسے دیکھ رہا تھا۔

"تم شیر اِسی لیئے بن رہے ہو کیونکہ تمہیں لگتا ہے مُجھے کوئی بچانے نہیں آئے گا اور تمہیں لگ رہا ہے میں اِس اِنتظار میں تم سے مار کھاتی رہوں گی تو یہ تمہاری بُھول ہے کیونکہ میں سُود دمیت لُوٹانے کے حق میں سب کچھ۔" اپنا تھپڑ والا گال رگڑ کر اُس نے بے حد عام سے انداز مگر تمسخرانہ لہجے میں کہہ کر اُس نقاب پُوش کا خون کُھولا دیا تھا۔

"مَن اپنی آپ مُحافظ ہوں۔ آٹھ سال یونہی نہیں گُزار ڈالے میں نے۔" اپنی کلائیوں کو مڑوڑتے ہوئے کہہ کر وہ قدرے پیچھے ہوئی اور نقاب پُوش کو سُوچنے سمجھنے کا موقع دیئے بغیر اُسکی ناک پر زور دار گُونسہ مارا۔وہ اِس حملے کی توقع نہیں رکھتا تھا تبھی زوردار آواز میں چیخ اُٹھا ناک سے خون کا فوارہ پُھوٹتے دیکھ کر۔ محسوس یوں ہوا تھا گویا ناک میں آگ دہک اٹھی ہو۔غصّے سے بے قابو ہو کر وہ مغلفات بکنے لگ گیا۔آنکھوں کے گِرد چھاتے اندھیرے کو جھٹکتا ہوا وہ اُسکی سِمت بڑھا جس نے اپنے ہاتھ کا مُکہ بنا کر ایک ادا سے اُس پر پُھونک ماری اور پھر پُھرتی سے گُھوم کر اُسکے سینے پر زبردست قسم

کی پوری قوت سے لات رسید کی۔وہ جو پیچھلے حملے سے ہی نہیں سنبھلا تھا اب کی بار قدرے دُور جا کر گِر پڑا۔اُسکو ایک نِگاہ دیکھ کر وہ بھاگتی ہوئی دروازے کی سِمت بڑھی مگر رُک جانا پڑا کیونکہ دروازے سے آٹھ ہٹے کٹے آدمی ہاتھوں میں ڈنڈے گھُوماتے ہوئے اندر آ گئے۔اُنکو آتا دیکھ کر وہ نقاب پُوش گرتا پڑتا اُٹھنے کی کوشش کرنے لگا۔

"یہ لڑکی یہاں سے جانی نہیں چاہیئے۔"وہ خود کو سنبھال کر اٹھ کھڑے ہوتے ہوئے دھاڑا۔مَنّت نے پلٹ کر ایک نظر اُسکو دیکھا جو اب اپنے قدموں پر لڑکھڑاتا ہوا کھڑا ہو چکا تھا اور پھر اُن بندوں کو دیکھا۔

"ڈو اور ڈائے مَنّت۔"اُس نے خود کو بڑبڑا کر اُس لڑائی کے لیئے آمادہ کیا اور بھاگتی ہوئی اُن پر پِل پڑی۔وہ جو اُسے ایک عورت سمجھ کر ڈھیلے ڈھالے تھے اُسے باری باری پڑنے والے پے دَر پے پڑنے والے مکّے اور لاتوں سے گھبرا کر تیز ہاتھ پیر چلانے لگے مگر وہ مَنّت اِمام تھی۔

"میں تمہیں اب ہاتھ سے نکلنے نہیں دے سکتا مَنّت۔"وہ نقاب پُوش دھیرے سے کہتا ہوا آہستہ قدموں سے اُن مردوں کو پھُرتی سے مارتی، حیران کر دینے والی تن تنہا عورت کی سِمت بڑھ رہا تھا اور اپنی جیکٹ سے تیز دھار پھل والا چاقو نکالا اور تیزی سے لڑتی مَنّت کے ہاتھ کا نِشانہ بنا کر تاک کر پھینکا لیکن۔۔۔

وہ تیزی سے دُوڑتا ہوا آیا اور مَنّت کو اپنے حصار میں لے کر اُچھل کر دُور جا گرا۔مَنّت نے دُکھتے سَر کو اُٹھا کر حیرانگی اور خوف سے سائیڈ پر دیکھا۔جس چیز سے اُسکا سَر ٹکرایا تھا وہ کسی کا بھاری مردانہ ہاتھ تھا جس نے مَنّت کے سَر کو بچانے کے لیئے سامنے لوہے پر ہاتھ رکھا تھا اور مَنّت کا سَر اُس ہاتھ

سے ٹکرا کر جسکے پیچھے لوہا تھا بُری طرح جھنجھنا اُٹھا۔اُسی ہاتھ سے تیزی سے نِکلتا خون زمین میں جذب ہو کر اُس خاکی لباس کو اور بھی بھگو رہا تھا۔مَنّت نے بے یقینی سے زمین پر پھیلتے خون کو دیکھ کر اُس شخص کو دیکھا جو پُھرتی سے سیدھا ہو کر پیچھے دیکھ رہا تھا۔نِگاہ بے ساختہ دُھندلائی اور اُس شخص کے چہرے پر تکلیف کا دُور دُور تک شائبہ نہ پا کر مَنّت اِمام کا دِل دھڑکنا بُھول گیا تھا۔اُس نے اب کے چہرہ پھیر کر یقین دہانی کے لیئے مَنّت کو دیکھا جو حیرت اور بے یقینی سے اُسے ایسے دیکھ رہی تھی گویا وہ کوئی بُھوت ہو۔

-----@-------@------@-----@------@------

اُسکے چہرے کو دیکھتے ہوئے اُسکی نِگاہ مَنّت کے سُرخ گال سے ہوتی ہوئی ہونٹ کے پاس جمے خون کی دھاری پر ٹھہر گئی۔مَنّت نے لمحے کے ہزاویں حصّے میں اُسکے چہرے کو غصّے اور تپش سے رنگ بدلتا دیکھا۔اُسکی آنکھیں گویا شعلے اُگلنے کو بے تاب ہو رہی تھیں وہ تیزی سے اُٹھ کھڑا ہوا اور ساکت سے بیٹھی مَنّت کو کندھوں سے تھامنے کے لیئے جُھکا۔وہ چہرہ پھر سے آٹھ سال بعد مَنّت کے یوں قریب آیا تھا۔اُن متفکر آنکھوں سے اُسکی چھلکنے کو تیار آنکھیں ٹکرائیں تو اُسکی نِگاہ دُھندلا گئی۔ہونٹ سختی سے بھینچتے ہوئے اُس نے مَنّت کو تھام کر ایک جھٹکے سے کھڑا کیا اور جھک کر اُسکے سیاہ کپڑوں سے گرد جھاڑنے لگا جیسے آٹھ سال پہلے جھاڑی تھی۔

مَنّت کا دِل اِس مُحبت، اِس توجہ پر بِلک بِلک کر رونے لگا اور وہ یک ٹک اُسکو دیکھ رہی تھی جو اب انجان بن کر پلٹ رہا تھا۔مَنّت نے اُس وقت یہ تسلیم کر لیا کہ وہ شخص دِل کے نہاں خانوں میں آج بھی چاروں جانب براجمان تھا، آج بھی اُسکی بے رُخی دِل کو ویسے ہی چھلنی کرتی تھی جیسے پہلے کیا

کرتی تھی۔اور جونہی وہ خاکی لباس میں ملبوس شخص پلٹا، مَنّت کی چیخ پورے وئیر ہاوس کی دیواروں سے ٹکرا کر گُونجی۔وہ نقاب پُوش جو اُس خاکی لباس میں ملبوس شخص کو شرر بار نظروں سے دیکھ رہا تھا مَنّت کی چیخ پر اُسکے دِل پر گویا ہاتھ پڑا تھا۔

"حدید۔۔۔"بھیگے لہجے اور رُوتی آنکھوں سے اُس نے حدید قوسین کا دِل چیر کر اُسے پلٹنے پر مجبور کر دیا تھا۔وہ تیزی سے اُسکی سِمت پلٹا جو مُنہ پر ہاتھ رکھے چیخ کا گلہ گھُونٹنے کے چکر میں سِسک سِسک کر رُو رہی تھی۔خوفزدہ آنکوں سے آنسو لڑیوں کی صورت بہہ رہی تھے۔یہ منظر حدید قوسین کے دل کو گھائل کر کے نڈھال کر گیا۔اور مَنّت وہ جو خود کو بارہا تسلیاں دیتی آئی تھی کہ کبھی حدید کو دیکھ کر وہ متوجہ نہیں ہو گئی مگر اُسکو اِس حالت میں دیکھ کر مَنّت اِمام کا کلیجہ مُنہ کو آ گیا تھا۔حدید کا دِل اُسکو یوں خوفزدہ سا رُوتے دیکھ کر آنکھوں میں دھڑکنے لگا۔

"کیا ہوا مَنّت؟" وہ جیسے سب بُھولنے لگا تھا۔اُسکا سَرد انداز، اُسکا دُھتکارنا، اُسکا لیا دیا لہجہ، آنکھوں کی وہ اجنبیت۔حدید قوسین وہ سب پیچھے چھُوڑتے ہوئے آگے بڑھا مگر وہ یونہی گُھٹ گُھٹ کر رُوتے ہوئے اُس شخص کو دیکھتی رہی جسکی ٹھنڈی چھاوں ہمیشہ جُھلستی، کڑی دُھوپ میں مَنّت کو اپنے گھنے سائے میں لے لیتی تھی۔

دیکھ وہ شخص کوئی فرشتہ تو نہیں تھا لیکن

اُسکی کوشش تھی میرے ساتھ وہ اچھا ہی رہے۔۔۔

-----@-------@------@-----@------@-----

"مَنّت۔" حدید نے اُسے شانوں سے تھام کر جھنجھوڑا تو وہ جیسے کسی خوفناک خواب سے جاگ کر اُسکو بھیگی آنکھوں سے دیکھنے لگی۔

"چاقو، حد۔۔۔حدید۔" بہت مدھم سا وہ آٹک کر بولی تو حدید نے آنکھیں بند کر کے گہرا سانس لیا اور مزید دو قدم اُسکے قریب آ کر قدرے جُھک کر اپنی پیشانی اُسکی پیشانی سے ٹِکاتے ہوئے آں کھیں مُوند لیں۔ انداز وہی اُچھوتا اور دِل کو لُبھانے والا تھا، حدید قوسین نہیں بدلا تھا اور وہاں وہ سیاہ نقاب پُوش پھٹتے دِل سے سب دِیکھ رہا تھا۔ اور جب وہ دُور ہوا مَنّت کو زندگی خود سے دُور سَرکتی محسوس ہوئی تھی۔ اُس سے دوبارہ نِگاہ مِلائے بغیر وہ پلٹا۔ اُسکے دائیں کندھے کی جانب قدرے پُشت پر چاقو گڑا تھا جس سے خون بہتا ہوا اُسکی پُشت کو رنگین کر رہا تھا۔ مَنّت نے اذیت محسوس کرتے ہوئے مُٹھیاں بھینچ لیں۔

حدید جونہی اُس سیاہ نقاب پُوش کی سِمت شعلے اُگلتی آنکھوں سے بڑھا وہ ہٹے کٹے مگر نڈھال سے آدمی پُوزیشن سنبھال کر پُھرتی سے اُسکی سِمت بڑھے اور پھر اُس وئیر ہاوس میں گھمسان کا رَن پڑتا محسوس ہوا۔ وہ اپنے سیدھے کندھے کی تکلیف دباتا اُن پر پِل پڑا اور کچھ ہی دیر میں وہ سب بے ہوش ہو کر کٹے شتر کی طرح دھڑام سے زمیں پر آنے لگے۔ اُن سے فارغ ہو کر اُس نے پیشانی سے نِکلتا خون صاف کیا اور اُس کی سِمت بڑھنے لگا جو محضوظ ہو کر حدید کو دیکھ رہا تھا۔ اُسکے عین مقابل آ کر حدید پلٹا نہیں مگر چہرہ پھیر کر مَنّت کو دیکھا جو اُسکی جانب متوجہ تھی۔

"تم جاؤ یہاں سے۔" باہر کی سِمت اِشارہ کرتے ہوئے اُس نے مَنّت سے کہا۔ مَنّت نے ناسمجھی سے دیکھا تو حدید نے دوبارہ آنکھوں سے دروازے کی سِمت اِشارہ کیا۔

"یہ یہاں سے کہیں نہیں جاسکتی حدید قوسین۔"اُس نقاب پُوش کی سَرد آواز پر حدید نے پلٹ کر اُسکو شرر بار نظروں سے دیکھا۔

"مَنّت! جاؤ یہاں سے۔"اب کہ مَنّت کو دیکھے بِنا وہ اُس سیاہ نقاب پوش کی آنکھوں کو طیش سے گُھورتا ہوا نرم آواز میں ٹھہر ٹھہر کر بولا گویا اُسکو کُھلا چیلنج دیا ہو۔

مَنّت نے حدید کو بغور دیکھا اور پھر کچھ سُوچ کر وہ دروازے کی سِمت بھاگ کر منظر سے غائب ہو گئی۔اُسکو یوں جاتے دیکھ کر نقاب پُوش کی آں کھوں میں عجیب سے تاثرات اُمڈ آئے تھے۔حدید کے زوردار تھپڑ نے اُسکا دماغ ہلا کر اُسکو حدید کی سِمت دیکھنے پر مجبور کیا تھا۔

"ہاں تو ہامان صاحب۔یہ پردہ خود اُتاریں گے یا میں زحمت کروں۔"اُسکے ہونٹ سے نِلتے خون کو دیکھتے ہوئے حدید نے سنجیدگی سے کہہ کر اُس کو ٹھٹھک جانے پر مجبور کر دیا تھا۔

"مُجھے تو اور بھی بہت کچھ معلوم ہے۔حیرت بچا کر رکھو ہامان۔"حدید نے کہہ کر ہامان کے دماغ میں خطرے کی گھنٹیاں بجا دی تھیں۔

"تم۔۔۔تم کیسے جانتے ہو؟" اُسکے سَرسراتے لہجے پر حدید کا قہقہ تادیر وہاں گُونجتا رہا۔

"وہی عام سا سوال مگر میں تم سے یہ نہیں پُوچھوں گا کیونکہ میں تمہیں خوب جانتا ہوں۔"مُسکرا کر کہتے ہوئے حدید نے اپنی آستین سے چُھوٹا مگر جدید پسٹل نکالا تو وہ نقاب پُوش دو قدم تیزی سے پیچھے ہوا۔حدید نے اُسکو یوں بدکتے دیکھ کر بے نیازی سے کندھے اچکا کر ایک جھٹکے سے پِسٹل لُوڈ کیا۔

"فکر نہ کرو ابھی تمہاری موت ذرا دُور ہے۔سجاول کہاں ہے ویسے؟" ہنستے ہوئے کہہ کر اُس نے پسٹل کے دستے پر نرمی سے ہاتھ پھیرتے ہوئے مدہم آواز میں کہا۔اب کی بار ہامان کو حقیقتاً دھچکا لگا تھا۔

"دیکھا مجھے بہت کچھ معلوم ہے۔" دو قدم مزید پیچھے ہٹتے ہوئے اُس نے اب کی بار نہایت سنجیدگی سے کہا تو ہامان کی ریڑھ کی ہڈی میں سنسناہٹ رینگ گئی کیونکہ سامنے کھڑا شخص پہلے والا حدید قوسین نہیں لگ رہا تھا جو وہ مَنّت کی موجودگی میں تھا۔ اُسکا یہ سَرد، نفرت انگیز اور خوفزدہ کرتا کوئی اور ہی رُوپ تھا۔

"مُجھے نہیں۔۔۔" اُسکے الفاظ ابھی مُنہ میں ہی تھے کہ حدید نے بِنا کچھ کہنے کا موقع دیئے بغیر اُسکی ٹانگ کا نِشانہ لے کر فائر کیا تھا۔ ہامان کو محسوس ہوا گویا آگ کی سُلاخ اُسکی ٹانگ میں جا گھسی ہو۔ وہ چیخ مار کر لڑکھڑا کر تیزی سے پیچھے ہوا تو حدید تیزی سے آگے بڑھا۔ ہامان کے چہرے پر دہشت تیزی سے پھیلی تھی۔

"اب تمہارے مُنہ سے غیر ضروری بات نِکلی تو۔۔۔ سمجھ دار ہو آگے تم۔" سنجیدگی سے کہہ کر آخر میں وہ مُسکرایا تو ہامان کا دِل خوف سے سُکڑ کر پھیلا۔

"تو تم نے مَنّت کو طلاق نہیں دی۔" اپنے پاؤں کو جُھک کر تھامتے ہوئے اُس نے حدید کو لفظوں کے پھیر میں پھسانا چاہا۔ جہاں لمحے بھر کے لیئے حدید ساکن ہوا تھا وہیں اندر آتی مَنّت کا دِل تیزی سے دھڑکا تھا۔ اُسکی سماعتیں حدید کو سُن لینے کے لیئے بے چین ہونے لگیں۔ حدید نے بِنا کچھ کہے اُسکی دوسری ٹانگ کا نشانہ لے کر ٹریگر دبا دیا اور وہ چیختا ہوا گُھٹنوں کے بل زمین پر گِر گیا۔

بکواس نہیں چلے گی۔" اُسکی سَرد آواز سُن کر مَنّت کا دِل بیٹھتا چلا گیا۔

"تمہارے لیئے یہ سب بکواس ہو گا حدید قوسین، میرے لیئے نہیں۔"اُس نے دروازے میں ساکت سی ایستادہ کھڑی مَنّت کو دیکھ کر چیختے ہوئے کہا۔حدید گہری سانس لے کر خود بھی گھُٹنوں کے بل عین اُسکے سامنے بیٹھ گیا۔

"سجاول کہاں ہے؟" وہ اُسی ٹھہرے لہجے میں بولا انداز حتمی تھا گویا آر یا پار جسے محسوس کر کے سیاہ نقاب پُوش کی گردن مین گلٹی سی ڈوب کر اُبھری۔

"تم کون ہو حدید قوسین؟" اب کی بار ہامان کے لہجے میں خوف کی آمیزش محسوس کر کے وہ پُر سراریت سے مُسکرا دیا۔

"اگر تم نے مجھے نہ بتایا کہ سجاول کہاں ہے تو تمہیں یہ ضرور معلوم ہو جائے گا کہ حدید قوسین کون ہے۔سائیں ہامان۔" آگ اُگلتے لہجے کے آخر میں 'سائیں ہامان' کہہ کر تپاتی، چیلنج کرتی ہوئی مُسکراہٹ وہ چہرے پر لے آیا۔ہامان کی آنکھیں حیرت کی زیادتی سے کہیں گُناہ پھیل گئی تھیں۔

"نہیں۔۔۔ تم کیسے۔"ناسمجھی سے وہ بے ربط سا بولا تو حدید اُکتا کر اُٹھ کھڑا ہوا۔

"خادم کو فرید کہتے ہیں سائیں۔"چہرے پر ہاتھ پھیرتے ہوئے وہ محظوظ ہوتی آنکھوں سے کہتے ہوئے 'ہامان' کی پُوری ہستی ہلا گیا۔ہامان کی حیرت، بے یقینی اور خوف کو دیکھ کر اُسکے دھڑ دھڑ جلتے دل پر کسی نے گویا یخ پانی پھینک دیا تھا۔

"ہاں اب آخری بار پُوچھ رہا ہوں۔سجاول کہاں ہے؟؟" کہہ کر اُس نے پسٹل آگے بڑھ کر اُسکی پیشانی پر رکھ دی۔ہامان نے ہاتھ اُوپر اُٹھاتے ہوئے اُٹھ کھڑا ہونا چاہا لیکن حدید کے تنبیہی نظروں کو دیکھ کر دوبارہ ڈھے گیا۔مَنّت حیرت اور بے یقینی سے حدید کا اِس قدر سِرد انداز دیکھ رہی تھی۔

"وہ۔۔۔"اِس سے پہلے کہ ہامان کچھ کہتا اُسکی جیکٹ کی جیب میں رکھا ہوا سیل فون بج اُٹھا۔اُس نے ہاتھ اُٹھائے ہی سفید پڑتے چہرے سے حدید کو دیکھا جس نے مُسکراتے ہوئے ایک جھٹکے سے ہاتھ بڑھا کر اُس کا بجتا سیل نکال لیا جس پر انگریزی میں 'پرائیویٹ نمبر' لکھا ہوا آ رہا تھا۔

-----@------@-----@----@----@-----

؎وقت ہوتا تو آرزو کرتے

جانے کِس شے کی آرزو لوگو۔۔۔

وہ ساکت سی مَنّت کے قریب آیا اور بِنا کچھ کہے اُسکا سَرد ہاتھ تھام کر وہ اُس وئیر ہاوس کا دروازہ پار کر گیا۔کراہتے ہوئے ہامان نے اُن دونوں کو یوں جاتے دیکھ کر دیک زور دار چیخ ماری اور زمیں پر سجدے کی حالت میں گِر کر دونوں ہاتھ زمیں پر مارتا ہوا دھاڑیں مار مار کر رُونے لگا۔اُسکے رُونے میں ایک وحشت تھی، ایک مَلال تھا۔

"مَنّت۔۔۔منّت۔"وقفے وقفے سے ہچکیوں کے درمیاں وہ آہ و فغاں سے مَنّت کا نام دُہراتا رہا۔

مَنّت بس اُسکے ساتھ گھسٹتی جا رہی تھی۔خاموش نِگاہ اُس شخص پر ڈالی جو بے نیاز سا اُسکو اپنے ساتھ لے کر چل رہا تھا۔مَنّت کا جی چاہا وہ دھاڑیں مار کر رُوئے مگر وہ بالکل خاموش سی کسی مزحمت کے بغیر بس چلے جا رہی تھی۔اُس ساتھ میں ایک تحفظ تھا۔گویا وہ ہمشیہ سے حدید قوسین کی تابع رہی ہو۔مُختلف رہداریوں سے ہوتے ہوئے وہ خاموشی سے نکلتے جا رہے تھے۔

"حدید قوسین۔"اپنے عقب سے آتی آواز پر وہ مُٹھیاں بینچتا ہوا ٹھہر گیا۔مَنّت نے چہرہ پھیر کر خوفزدہ نظروں سے اُس لڑکھڑا کر آتے خون میں نہائے نقاب پُوش کو دیکھا جسکی آنکھیں بے تحاشہ

سُرخ تھیں۔مَنّت نے چہرہ پھیر کر حدید کو دیکھا جو ٹھہرا تھا مگر پلٹ جانے پر مائل نظر نہیں آ رہا تھا۔

"لگتا ہے تمہارے زخم گزرے آٹھ سالوں میں بھر گئے ہیں۔"لڑکھڑا کر گِرتا پڑتا وہ حدید سے کچھ فاصلے پر دھپ سے گُھٹنوں کے بل گِر پڑا۔مَنّت نے حیرت سے حدید کو دیکھا کہ شاید حدید اب پلٹ کر جواب دے گا مگر وہ ایک جھٹکے سے مَنّت کو لے کر آگے بڑھنے لگ گیا۔

"تو تم بُھول گئے اپنے خاندان کا رائیگاں ہو جانا؟" اُن الفاظ پر مُنّت نے تڑپ کر بےیقینی سے حدید کو دیکھا جس نے مَنّت کا ہاتھ نہیں چُھوڑا مگر اذیت سے چہرہ پھیر کر اُس نقاب پُوش کو ضرور دیکھا تھا۔

"معلوم ہوتا ہے تمہیں اپنی زندگی سے پیار نہیں ہے مُجاہد خان۔"آگ اُگلتے لہجے میں کہہ کر اُس نے تادیبی نظروں سے ہامان کو دیکھا جو دنگ ہو گیا تھا اِس انکشاف پر۔شدید دھچکے کے زیرِ اثر مَنّت نے اپنا بائیاں ہاتھ اپنے ہونٹوں پر رکھا اور تیزی سے پلٹی۔ہامان نے مَنّت کے چہرے پر نفرت، بےیقینی، شاک کی کیفیت دیکھی تو وہ جیسے سب بُھول کر پاگل ہونے لگا۔

"یہ مُجاہد۔۔۔"مَنّت نے بےربطی سے کہنا چاہا مگر حدید نے کچھ نہیں کہا تھا کیونکہ اُسکا ذہن تب سے اب تک مفلوج تھا یہ سُوچ سُوچ کر کہ اگر آج وہ مَنّت کو نہ دیکھتا؟ وقت پر نہ پہنچ پاتا۔۔۔؟؟اگر وہ چاقو مَنّت کو لگ جاتا۔۔۔"بہت سے 'اگر' اُسکے ذہن میں چکرا کر اُسکو خوفزدہ اور ماؤف کر رہے تھے۔

"تمہاری ماں کی موت کا ذمہ دار۔۔۔۔"اِس سے پہلے کہ مُجاہد جملہ پُورا کرتا حدید نے لمحے کے ہزارویں حصے میں مَنّت کا ہاتھ چُھوڑتے ہوئے اپنے عقب میں گڑے چاقو کو کھینچ کر نکالا اور کچھ کہنے

کا موقع دیئے بغیر مُجاہد کی سِمت پُھرتی اور تیزی سے اُچھال دیا اور وہ کراہتا ہوا، بے دم ہو کر پیچھے کو گِر پڑا۔مَنّت جو مُجاہد کے الفاظ پر ہی ششدر کھڑی تھی حدید کی اِس حرکت نے اُسکا ذہن مزید مفلوج کر دیا تھا۔

"یہ کمینہ کیا کہہ رہا ہے۔"سائیں سائیں ہوتے کانوں کے ساتھ اُس نے لڑکھڑاتے لہجے میں کہہ کر دونوں ہاتھ ہونٹوں پر رکھتے ہوئے اُسکے بہتے اُس قیمتی لہو کو دیکھا جو آج نہ جانے کھتنا بہہ چکا تھا۔جو آج بہے چلا جا رہا تھا۔۔۔

-----@------@------@------@------@-----

"دُعا کرو مُجاہد خان کہ میں وہ سب بُھول جاؤں کیونکہ اگر نہ بُھولا تو تمہارا اور تمہاری اُس بے غیرت بہن کا جو میں حشر کرونگوں وہ ایک زمانہ دیکھے گا۔"سَرد ترین لہجے میں کہتا ہوا وہ قدم بہ قدم مُجاہد کی سمت بڑھ رہا تھا۔مَنّت کی سماعتوں میں عذاب اُترتے جا رہے تھے آج۔وہ یونہی حدید کو ساکن ہوتے دِل سے دیکھ رہی تھی۔مُجاہد نے درد سے کراہتے ہوئے سَر اُٹھا کر اُسکو دیکھا جو اب عین رُوبرا آ کھڑا ہوا۔

"یہ زخم جو آج میں نے تمہیں دیئے ہیں نہ یہ اپنی اُس بہن کو ضرور دیکھانا اور اُسکو بتانا کہ حدید قوسین زندہ ہے اور اُسکے مکروہ چہرے پر تُھوکنے کے لیئے اور آٹھ سالوں کا بدلہ لینے کے لیئے بہت جلد آئے گا۔"قدرے جُھک کر اُسکی آنکھوں میں دیکھتے وہ ٹھہر ٹھہر کر بُولتا مُجاہد کے اُوسان خطا کر گیا تھا۔

مَنّت نا سمجھی اور بے یقینی سے سب سُن اور دیکھ رہی تھی۔وہ بے ربط اور ذو معنی باتیں اُسکی سماعت سے ٹکرا کر چھلنی چھلنی کر رہی تھیں۔'مائدہ نے آخر کیا کر ڈالا تھا؟ کیا حدید سب جان گیا تھا؟ کیا اُسکو مَنّت کے گھر والوں کی سب خبر تھی؟؟ کیا اُسے معلوم تھا کہ مَنّت کے ساتھ آٹھ سال پہلے اُس گھر کے مکینوں نے کیا سلوک کیا تھا؟؟؟ سوال بہت سے تھے مگر جواب نادرد۔۔۔

"حدید۔۔۔"اُسکو مَنّت نے پُکار لینا چاہا مگر اُسکے لبوں نے ہِلنے سے اِنکار کر دیا تھا۔وہ پلٹ کر مَنّت تک آیا اور اُسکا ہاتھ اُسی خاموشی سے تھام کر اُس ویران پڑے وئیر ہاؤس سے نِکل آیا اور تادیر اُس وئیر ہاؤس میں کسی کی درد ناک، اذیت میں ڈوبی چیخیں گُونجتی رہیں۔

-----@------@-----@------@------@-----

"مُجھے اِس طرح اندھیروں میں چُھوڑ کر دوبارہ مت جاؤ۔"صوفے کی پُشت سے سَر ٹکائے وہ نیند میں سِسک سِسک کر رُوتے ہوئے اُسے کہہ رہا تھا جو آٹھ سالوں سے اُسکے مکروہ نظر آتے چہرے کو دیکھے بنا چلی جاتی تھی۔اُسکے آنسو ٹوٹ ٹوٹ کر آنکھوں کے گوشوں سے نکل کر کنپٹی میں جذب ہو رہے تھے۔اذیت حد سے سوا تھی۔دِل ہمیشہ سے اُسے پلٹتا پا کر یونہی چھلنی ہو جایا کرتا تھا۔وہ رُوتا تھا، چلّاتا تھا مگر وہ لوٹ کر نہیں آتی تھی اُسے اندھیروں کے سپرد کر کے۔وہ ایک جھٹکے سے نیند سے بیدار ہوا تھا۔آنکھیں لہو رنگ، چہرہ آنسوؤں سے تر۔وہ بہت کم سُوتا تھا اور جب سُو کر اُٹھتا وہ اُسی حالت میں ہوتا۔وہ مُسلسل عذاب میں تھا۔سَر جھٹک کر اُس نے آگے کو ہو کر ٹیبل سے پانی کا گلاس اُٹھایا اور ایک ہی سانس میں پی گیا یوں جیسے برسوں کا سفر طے کر کے آیا ہو۔

میں ڈر گیا تھا اُسے عشق ہو نہ جائے کہیں

سُو میں نے اُسکو بہت دیر بدگماں رکھا۔۔۔

"مَنّت کی کال نہیں آئی۔"سائیڈ پر پڑے سیل فون کو اُٹھا کر اُسکی سکرین روشن کی اور پھر مَنّت کی لوکیشن دیکھ کر ایک جھٹکے سے اُٹھ کر تیزی سے کمرے میں گیا اور جب وہ واپس آیا وہ کالی قمیض شلوار اور کالی ہی پی۔کیپ پہنے ہوئے تھا بیگ کندھے پر ڈال کر وہ تیزی سے سیڑھیاں طے کرتا ہوا باہر نِکل گیا۔دھڑکتے دِل کے ساتھ اُسکے خیر سے ہونے کی دُعائیں مانگتا وہ جیپ کو ہوا میں دُوڑاتا ہوا رکا تھا جہاں مَنّت کی لاسٹ لوکیشن سیل فون بند ہونے سے پہلے نمایاں ہو رہی تھی جہاں ویرانہ تھا مگر وہاں کیوں؟؟ وہ ہر خوف اور انیشہ کو جُھٹلاتا ہوا وہاں پہنچا تھا۔

"وہ اب کسی اپنے کو یوں ہاتھ سے پھسلتے نہیں دیکھ سکتا تھا۔ہر گز نہیں۔"ماتھے پر دَر آنے والے پسینے کے قطروں کو بائیں ہاتھ سے صاف کرتے ہوئے اُس نے سٹیرنگ کو مضبوطی سے تھاما تھا۔

"مَنّت نہیں۔۔۔یا اللہ! میری بہن۔"اُسکا دِل خوف سے گڑگڑا رہا تھا۔وہ کیوں سُو گیا۔اُسکی آنکھ کیسے لگ گئی۔جیپ جھٹکے سے دو آرمی کی جیپوں کے پیچھے آ کر رُوکی اور بجلی کی تیزی سے اُترا۔

"مَنّت۔"اُس نے قدرے دُور کھڑی آرمی جیپ کی جانب بڑھتی صیح سلامت، قدرے نڈھال سی مَنّت کو دیکھا اور پھر کچھ نہ دیکھ کر چیختے ہوئے اُسے پُکارا تھا۔اُسکے بے جان ہوتے وجود میں دوبارہ سے زندگی دُوڑ گئی تھی۔اُس شناسا، مہربان سی آواز نے مَنّت کو سُن کر دیا، بے اِختیار پلٹ کر دیکھا اور اُسکا جی چاہا وہ وہیں بیٹھ کر رُو پڑے۔اُس سَرد سی، اجنبی خاموشی میں کوئی اپنا آ گیا تھا اور وہ اِرد گرد کی پرواہ کیئے بغیر سَرپٹ اُس شخص کی سِمت بھاگی جو اُسکا واحد سہارا اور مان تھا۔اُسکے کندھے سے لگتے

ہی مَنّت کے نا تھمنے والے آنسو جاری ہو گئے تھے۔ ہدی نے اطمینان بھرا گہرا سانس لے کر اُسکا سَر تھپکنا شروع کر دیا جیسے وہ ہمیشہ سے کرتا تھا اور مَنّت کو لگا وہ اُس سَرد سے ماحول سے نِکل کر کسی مہربان بستی میں آ گئی ہو جہاں ہر کوئی اُسکو ہاتھوں ہاتھ لے رہا ہو، اُسکے غم کا مداوا کر رہا ہو۔
اُسکی آنکھوں کے آگے ایک دِلفریب، ممتا بھرا شفیق چہرہ ہی گھومتا رہا وہی چہرہ جس نے مَنّت ولّی خان کو زندگی میں پہلی بار ماں لفظ سے رُوشناس کروایا تھا۔ جنہوں نے پہلی مُلاقات میں اُسے اپنا اسیر بنا کر بیٹی تسلیم کرتے ہوئے سینے سے لگایا تھا۔ وہی جو اپنے نام کا کُل تھیں 'وجیہہ بیگم'۔ وہ خوبصورت، مہربان چہرہ کیا واقعی منوں مٹی تلے جا سُویا تھا ہمیشہ کے لیئے؟؟

------@-----@-----@-----@------@-----

وہ دونوں جیسے ہی خاموشی سے باہر نکلے ایک آرمی کی وردی میں ملبوس لڑکا دُوڑتا ہوا اُنکی سِمت آیا تو حدید نے آہستگی سے اُسکا سَرد پڑتا ہاتھ چھُوڑ دیا۔
"سب خیر ہے نہ حدید؟" ایک نظر گُم سُم سی مَنّت کو دیکھ کر زاور نے حدید کے کندھے پر تفکر سے ہاتھ رکھتے ہوئے پُوچھا تو حدید کے چہرے پر قدرے تناؤ سا دَر آیا۔ زاور نے چونک کر اُسکو دیکھا۔
"ہاں سب خیر۔" اُسکے سنجیدہ لہجے پر مَنّت نے سَر اُٹھا کر اُسکے چہرے کو دیکھا اور اُسکا دِل مزید ڈوبتا چلا گیا۔ کیا وہ دوبارہ اُسے کبھی مُخاطب نہیں کرے گا؟ کیا وہ اُسے پچھلے روؤیوں کا بدلہ لے رہا تھا؟؟ کیا وہ اب کبھی نظر بھر کر مَنّت کو نہیں دیکھے گا؟؟ سوال تھے، بہت سے سوال مگر وہ پُوچھ لینے کی ہمت کہاں سے لے کر آتی جو آٹھ سالوں نے اُس سے چھین لی تھی۔ حدید کہہ کر آگے بڑھ گیا تو وہ اپنے خیالات سے چُونکی اور اِس سے پہلے کہ زاور بھی بڑھتا مَنّت کی پُکار پر اُسے ٹھہر جانا پڑا۔

"آپکے دوست کا کندھا پیچھے سے زخمی ہے۔آپ اُنکو فرسٹ ایڈ دے کر ہاسپٹل لے جائیں۔"اُس نے نظروں کا زاویہ بدل کر مدھم آواز میں کہا تو زاور نے چونک کر اُسے اور پھر سُست رُوی سے جاتے حدید کی پُشت کو دیکھا جو خون آلودہ تھی۔

"اُو نُو۔۔"وہ تیزی سے حدید کے پیچھے بھاگا۔مَنّت رُک کر اب اُن دونوں کو بحث کرتے دیکھ رہی تھی اور پھر وہ جیسے دِل کی مانتے ہوئے اُسکی سِمت بڑھی جو جُھنجھلا کر زاور کو کچھ کہہ رہا تھا۔

"سائیڈ پہ ہوں۔"مَنّت کی آواز پر زاور نے پلٹ کر جبکہ حدید نے سُلگتی نظروں سے اُسکو دیکھا جو نظر نہیں مِلا رہی تھی۔

"آپکے پاس فرسٹ ایڈ کِٹ ہو گی؟" زاور سے پُوچھے جانے پر اُس نے اثبات میں سَر ہلایا تو وہ حدید کی سِمت بڑھی۔زاور ہونٹوں پہ دَر آنے والی مُسکراہٹ کو چُھپا کر تیزی سے کِٹ لینے جیپ کی جانب بڑھ گیا۔

"اِدھر بیٹھیں۔"دوسری جیپ کا دُروازہ کھول کر مَنّت نے اُسے بیٹھنے کا اِشارہ کرتے ہوئے کہا جو کسی قدر حیرانگی سے اُسے دیکھ رہا تھا۔اُسکو سُنتا نہ پا کر اُس نے پھر جیپ کی سِمت اِشارہ کرتے ہوئے پلٹ کر زاور کو دیکھا جو کِٹ لے کر آ رہا تھا۔

"میں آپ سے کہہ رہی ہوں۔"اُسکو ٹَس سے مَس نہ ہوتے پا کر وہ دوبارہ گویا ہوئی۔حدید یونہی ساکن سا اُسے بس دیکھے گیا۔زاور تیزی سے مَنّت کے ہاتھ میں فرسٹ ایڈ کِٹ تھما کر آگے بڑھا اور حدید کو پکڑ کر قدرے فاصلے پر مُوجود پتھر کے بنے سٹول کے پاس لایا اور اُسکے دونوں کندھون پر دباؤ دے کر بیٹھا دیا۔

"کیا تکلیف ہے۔"وہ بھنجھلا کر دوبارہ سے کھڑا ہونے لگا تو زاور نے اُسکے کندھے پر زور دے کر اُسکی کوشش ناکام کر دی اور پھر جیپ کی سِمت کھڑی مَنّت کو دیکھا جو اب اُنکی جانب ہی آ رہی تھی۔

"تکلیف مُجھے نہیں بھابھی کو ہے اِس لیئے آرام سے بیٹھ جا ورنہ میں نے یہاں ہی بھابھی کو تیرا رُونا دُھونا بتا دینا ہے، سمجھا۔"انگلی اُٹھا کر تپاتی آواز میں بولا تو حدید نے اُسکو کھا جانے والی نظروں سے گُھورا جسکا نتیجہ یہ نِکلا کہ زاور نے زبردست مُکہ اُسکے پیٹ میں مارا۔وہ جو اِس حملے کے لیئے تیار نہیں تھا۔کھانستا ہوا تیزی سے پیچھا ہوا۔مَنّت حیرت چُھپا کر آگے بڑھی اور زاور مُسکرا کر قدرے فاصلے پر ہو گیا۔مَنّت نے اِک نظر اُسکے بےزار، کُوفت ذدہ سے چہرے کو دیکھا اور پھر اُسکے عقب میں آ کھڑے ہوتے ہوئے کِٹ کُھول کر زاور کو تھما دی۔

"قینچی دیں۔"اُسکی خون آلود پُشت کو دیکھ کر اُس نے زاور کی سِمت ہاتھ بڑھایا جس نے بُوکھلا کر جلدی سے قینچی اُس کی جان بڑھا دی۔

"میں آپکا زخم ڈِس اِنفیکٹ کر کے اِسٹیچ کر رہی ہوں۔ہاسپٹل جا کر اچھی ڈریسنگ کروا لینا۔"قینچی سے وردی کا وہ حصّہ کاٹ کر جہاں سے ابھی بھی ہلکا ہلکا خون نِکل رہا تھا اُس نے رُوئی سے ڈِس انفیکٹ کرتے ہوئے بہت مدہم سا کہا۔وہ جو سَر جُھکا کر خاموشی سے بیٹھا ہوا تھا چُونکا۔اُس مدہم سی آواز کو سُن کر دِل جیسے مسرور ہوا تھا مگر وہ یوں ہی بے تاثر سا چہرہ لے کر گردن جُھکائے بیٹھا رہا۔

تیزی مگر نفاست سے سٹیچ اور بینڈیج کر کے مَنّت نے خاموشی سے گلوز اُتار کر پاس زمین پر رکھے شاپر میں ڈالے اور ایک نظر زاور کو دیکھا جو کال پر مصروف تھا اور پھر اُس نے غیر محسوس طریقے سے وہ کٹا وری کا خون آلود ٹکڑا اپنے کوٹ کی جیب میں ڈال لیا تھا۔

"ہو گئی ڈریسنگ۔"اُسکی آہستہ آواز سُن کر وہ تیزی سے اُٹھ کھڑا ہوا۔مَنّت نے افسردہ ہوتے دِل سے اُسکو دیکھا جو یوں اُٹھا تھا جیسے مارے باندھے صبر کر رہا ہو۔وہ کچھ پل یونہی اُسکی پُشت کو دیکھتی رہی جہاں اب اُسکے ہاتھ سے کی گئی ڈریسنگ تھی اور پھر گیلی ہوتی آںکھوں سے نگاہوں کا زاویہ بدل گئی۔

"قوسین انکل کا فون تھا۔"زاور نے حدید کو دیکھ کر کہا جو مَنّت سے رُخ مُوڑ کر سنجیدگی سے کھڑا تھا اور اُسکو سُن کر تیزی سے دانت پیستے ہوئے پلٹ کر اُسکی سِمت بڑھا تھا

"الُو کے پٹھے! بابا جان کو کیوں پریشان کیا۔"وہ مُکّہ تانتا ہوا اُسکی سِمت بڑھا اور زاور اُس سے بھی دُگنی تیزی سے جیپ کی طرف دُوڑ گیا۔مَنّت بُوجھل ہوتے دِل سے اُسے دیکھ رہی تھی جو زاور کے پیچھے جانے کے لیئے آگے بڑھا اور پھر ٹھہر کر نیم رُخ سے پلٹ کر مَنّت کو دیکھا اور پھر جیپ کی جانب چل پڑا۔مَنّت نے تیزی سے گیلی ہوتی آنکھوں کو رگڑا اور مَرے مَرے قدموں سے مٹی پر بنے اُن مضبوط قدموں کے نشان پر چلتے ہوئے جیپ تک آئی۔اُس نے دوبارہ ایک بار بھی مَنّت کو پھر نہیں دیکھا تھا۔

؎وہ جانتا نہیں تو اُسکو بتانا فضول ہے

اُسکو میرے غموں کی خبر ہونی چاہیئے۔۔۔

"یہ جوس پی لے انرجی ری سٹور ہو جائے گی۔"زاور نے جیپ سے جوس کی کانچ کی بوتل اُسے پکڑتے ہوئے صلغ جُو انداز میں کہا تو جیپ کا دروازہ کھُول کر اُس نے گھُور کر بُوتل چھین کر کھُولی اور وہ ٹھنڈا جوس ایک سانس میں چڑھا گیا گویا اندر دہکتے دِل کو ٹھنڈا کرنا چاہا تھا۔

اِس سے پہلے کے مَنّت آگے بڑھ کر جیپ کا دروازہ کھولتی ایک مہربان، شناسا پُکار پر اُسکا غمگین دِل ٹھہر گیا۔ محسوس ہوا کہ شاید یہ اُسکو وہم ہو لیکن چہرہ پھیر کر وہ بھیگتی آنکھوں سے پلٹی تھی ہاں ہمدی بھائی، مَنّت کے لیئے کہیں بھی آ سکتے تھے۔ حدید جو جوس کی کانچ کی بوتل پھینکنے ہی لگا تھا مَنّت کا نام اِس قدر اپنائیت سے پُکارے جانے پر وہیں ساکن ہو گیا اور فاصلے پر کھڑے شخص کو اُس نے پلٹ کر دیکھا جو سَر تا پا سیاہ لباس میں ملبوس تھا۔ چہرہ بھی پی-کیپ کے سائے نے ڈھانپ رکھا تھا۔ اُس نے اُلجھ کر مَنّت کو دیکھا اور اُسکا دِل دھک سے رہ گیا۔ مَنّت کی آنکھوں سے آنسو قطار دَر قطار لڑیوں کی صورت اُس شخص کو دیکھ کر نِکل رہے تھے۔ اُسکا چہرہ ھوں ہو گیا تھا گویا اجنبی لوگوں کے بیچ اچانک کوئی اپنا نمودار ہو گیا ہو۔ اُس نے دھڑکتے دِل سے مَنّت کو بِنا اِدھر اُدھر کی پرواہ کیئے اُس شخص کی جانب بھاگتے دیکھا تھا جو سیاہ لباس میں ملبوس تھا۔

وہ حدید قوسین نہیں تھا مَنّت جسکے کندھے سے جا لگی تھی وہ کوئی اور تھا جو پھانس کی مانند حدید کے دِل میں گڑ گیا تھا۔ فاصلے سے اُسے مَنّت کا سَر تھپتھپاتے دیکھ کر اُسکی رگوں میں شرارے دُوڑنے لگ گئے۔ زاور نے حدید کے لمحہ بہ لمحہ سُرخ ہوتے چہرے کو دیکھ کر اُسکے ہاتھ کو دیکھا جس میں وہ کانچ کی بُوتل تھی۔ زاور کے دیکھتے ہی وہ بوتل حدید کے ہاتھوں میں چکنا چُور ہو گئی۔ زاور نے چونک کر پریشانی سے حدید کو دیکھا جو اِرد گرد سے بیگانہ سُلگتی نظروں سے وہیں دیکھ رہا تھا۔

اِتنے ستم کہ بعد بھی مُجھ کو عزیز تر ہے تُو

اِتنے غموں کے بعد بھی قائم سے تیزی چاہ۔۔۔

-----@------@------@-----@-----@-----

"رُک جائیں فوراً۔"اُسکی بھاری، سنجدیہ آواز پر پنچائیت کا ہر شخص ٹھٹھک کر گردن پھیر کر اُس شخص کو دیکھنے لگے تھے جو خاکی وردی میں ملبوس قدم قدم آگے بڑھتا ہوا ہر منظر کو مات دے رہا تھا۔سَردار ولّی خان کی ہتھلیاں اُسے آتے دیکھ کر پسیج گئیں۔اُن پانچ بھائیوں نے بھی اُلجھن سے نُووارد کو دیکھا جو اِس پنچائیت کو للکارنے کی ہمت کر بیٹھا تھا۔ٹانگ پر ٹانگ چڑھا کر کروفر سے بیٹھے سجاول کی مُٹھیاں اُسے دیکھ کر بھینچ گئیں۔ساری پنچائیت میں اُسے دیکھ کر کھلبلی مچ گئی۔

"بی بی جی! پیچائیت میں کوئی فوج کا بندہ آگیا ہے۔"وہ جو کھڑکی کے پاس بے حال، بُھوک پیاس اور سردی سے مبرّا بیٹھی تھی زرینہ کی بات پر اُسے ناسمجھی سے دیکھنے لگی۔زرینہ نے اِحتیاط سے اِدھر اُدھر دیکھا اور پھر تیزی سے اُسکے قریب آکر سرگوشی میں بولی۔

"آج دوبارہ سے آپکے لیئے پیچائیت بیٹھی ہے نہ جی لیکن اوپر سے کوئی فوجی بندہ آگیا ہے۔"اپنی بی بی کی اُڑتی رنگت دیکھ کر وہ مدھم سا بولی جسے سُن کر مَنّت کا دِل گویا دھڑکنا ہی بُھول گیا۔اِس سے پہلے کے زرینہ کچھ اور کہہ پاتی وہ تیزی سے کھڑی ہوئی اور دُوڑتی ہوئی کمرے سے باہر نِکل گئی۔زرینہ پہلے دنگ وہیں رہ گئی اور پھر بدحواسی سے اُسکے پیچھے بھاگی۔سیڑھیاں چڑھتی مائدہ نے حیرت سے مَنّت کو سَرپٹ بھاگتے دیکھا۔اِس سے پہلے کہ وہ کچھ سمجھتی مَنّت اُسکے پاس سے تیر کی سی تیزی سے نکل گئی۔آنسو لڑیوں کی صورت اُسکے چہرے کو بھگو رہے تھے لیکن وہ خود سے اور اِردگرد سے بےپرواہ بھاگتی ہوئی نیچے آئی۔

زرینہ اور مائدہ کے شور پر گھر کی تمام خواتین جمع ہو گئی تھیں اور سب حیرت سے مُنہ کھولے اُس سُلجھی ہوئی، خاموش مَنّت ولّی خان کو بھاگتے دیکھ رہے تھے۔سامنے سے آتی نور بُوا کے ہاتھوں میں

کانچ کے ڈھیر برتن تھے مَنّت کو یوں بھاگتے دیکھ کر اُنھوں نے بدحواسی سے سائیڈ پر ہونا چاہا اور نتیجے میں سارے برتن گِر کر چکنا چُور ہو گئے۔ ریلنگ پر ہاتھ رکھے جُھک کر کھڑی مائدہ کو لگا اب وہ رُک جائے گی لیکن کتنے ہی کانچ کے ٹکڑے اُسکے پاؤں میں دب گئے تھے مگر وہ ہر شے سے بے نیاز سامنے بنے لکڑی کے بڑے آبنوسی دروازے پر آ کر تھم گئی۔ مائدہ نے سُلگتی نظروں سے زمین پر پڑے کانچ کے ٹکڑوں اور خون کو دیکھا اور اُسکے تَن بدن میں آگ لگ گئی۔

جالیوں کے پار وہی تھا، خاکی وردی میں ملبوس چہرے پر جہاں بھر کی سنجیدگی اور اِضطراب سمیٹے۔ اُس پار وہی تھا جس نے مَنّت خان کو اکیلا تب بھی نہیں چھُوڑا تھا جب وہ یکسر اجنبی تھے۔ مَنّت کا بڑھتا ہاتھ اُس نے تب تھاما تھا جب وہ خوف اور پریشانی سے نڈھال تھی اور اب وہ یہاں تک چلا آیا تھا بے خوف و خطر ہو کر۔۔۔

یہ مُحبت تو بہت بعد کا قصّہ ہے میاں

میں نے اُس ہاتھ کو تھاما تھا پریشانی میں۔۔۔

وہ کچھ دیر یونہی جالیوں کے پار اُس صحن میں برستی آنکھوں سے اُس شخص کو دیکھتی رہی اور پھر دروازہ کھُول کر باہر نِکل آئی اور مَرے قدموں سے اُسکی سِمت بڑھنے لگی جو اُسکی جانب پُشت کیئے صرف اُسکے حق اور خوشی کے لیئے اُن ہزاروں اپنوں میں بُول رہا تھا۔ آہٹ پر وہ ایک دم خاموش ہوا اور پھر ایک دلفریب اِحساس کے تحت بے چینی سے پلٹا۔ مَنّت کی چادر اُتر کر رُلتی ہوئی اُسکے ہاتھوں میں آ گئی تھی، چہرہ آنسوؤں سے تر، بکھرے بال مگر وہ ہر اِحساس سے بے نیاز تھی۔ اُسکو اِس طرح دیکھ کر وہ دلگرفتہ ہوتے دِل سے اُسکی جانب بڑھا اور اُسکو یوں اُوٹ میں لے لیا کہ وہ بے پردہ

کسی کو نظر نہ آ سکے۔کچھ پل وہ یونہی ایک دوسرے کو دیکھتے رہے جگہ اور وقت سے بے پرواہ ہو کر پھر وہ قدرے جُھکا اور اُسکی چادر اُٹھا کر اُسکے سَر پر نفاست سے ڈال دی۔وہ لمحے بھر کے لیئے اُسکے حصار میں سانس رُوک کر کھڑی اُسکو دیکھتی رہی۔دروازے پر کھڑی مائدہ کا وجود اَن دیکھی آگ سے دہک اُٹھا نفرت اور حسد سے مگر مَنّت ولی خان ہر شے، ہر اِحساس سے بے نیاز یک ٹک اُس شخص کو دیکھے جا رہی تھی۔

میں حویلی کا گھٹا ٹوپ اندھیرا کمرہ
اُس سے آگے کا چکا چُوند سا آنگن تم ہو۔۔۔

-----@-----@-----@-----@-----@-----

"بیٹھ جا اندر اب، یہاں سے ہی کیا کچا چبانے کا اِرادہ ہے؟" زاور کے کہنے پر وہ چُونکا اور پھر شرر بار نظروں سے اُسکو دیکھا جو جیپ کے دروازے پر ہاتھ رکھ کر کھڑا نحوست سے ہنس رہا تھا۔حدید کو یوں دیکھتے پا کر اُسکی ہنسی کو فوراً بریک لگ گئی۔

"ابے یار! مُجھے کیوں گُھور رہا ہے۔"بدک کر کہتے ہوئے فوراً اندر بیٹھ کر جیپ کا دروازہ آرام سے بند کر لیا۔حدید نے خاموشی سے ہاتھ جھٹک کر کانچ کے ٹکڑوں کو نیچے پھینک دیئے جو کبھی بُوتل تھے اور پھر خود ڈرائیونگ سیٹ پر بیٹھتے ہوئے دروازہ اِس قدر زوردار آواز سے بند کیا کہ سیل فون میں گُھسا زاور دہل کر رہ گیا۔

"ابے اُلّو کے کان! آرام سے، سرکاری گاڑی ہے ہمارے باپوں کا مال نہیں ہے بیٹا۔" زاور نے تپ کر کہتے ہوئے اُسکے کندھے پر مارنے کے لیئے ہاتھ بڑھانا چاہا لیکن حدید کے گھُور کے دیکھنے پر کھسیا کر ہاتھ پیچھے کر لیا۔

اچھا میں چلاتا ہوں جیپ۔ تیرا ہاتھ اور کندھا پہلے ہی زخمی ہیں۔" زاور نے صلح جُو انداز میں کہا مگر اُس نے بغیر کچھ کہے جُھک کر اِنگشن میں چابی گھمائی۔ جیپ کی آواز پر مَنّت نے ساکت ہوتے دِل سے پلٹ کر دیکھا۔ ہمدی نے بھی دھوپ کے باعث پلکیں سکیڑ کر دیکھتے ہوئے مَنّت کو دیکھا جسکے چہرے پر اِضطراب دَر آیا تھا اور پھر اُس نے اپنی پی۔ کیپ کچھ اور آگے کھسکا لی۔

"آپ گاڑی میں بیٹھیں میں شکریہ ادا کر کے آتی ہوں۔" مَنّت نے مدھم آواز میں کہا تو ہمدی نے سمجھ کر سَر ہلایا اور قدرے پیچھے کو ہو کر کھڑا ہو گیا کیونکہ وہ اپنی شناخت اِیسے کسی پر ظاہر نہیں کر سکتا تھا۔

"رُک یار بھابھی اِدھر آ رہی ہیں۔" زاور کی بات پر اُس نے ناگواری سے جیپ رُوک کر وہاں دیکھا جہاں سے وہ خاموشی سے سَر جھکائے تیز قدموں سے آ رہی تھی۔ پاس آ کر مَنّت نے نیچے گرے کانچ کے ٹکڑوں اور خون کے قطروں کو کسی قدر حیرت سے دیکھ کر حدید کو دیکھا جو عین سیدھ میں اُسکی آمد سے بے نیاز دیکھ رہا تھا۔ اُسکے سنجیدہ چہرے سے ہوتے ہوئے مَنّت کی نظر اُسکے سٹیرنگ مضبوطی سے تھامے ہاتھوں پر گئی جن پر خون کی دھاریاں بہت نمایاں ہو کر اُسکے دِل کو دھکا دے گئے تھے۔

حدید نے سپاٹ تاثرات سے اُسکو دیکھا جو خاموشی سے نیچے دیکھ رہی تھی۔

"جی۔" حدید نے بے چینی دبا کر بےزاری سے کہا تو مَنّت بے اِختیار چونک کر اُسے دیکھنے لگی۔

"آپ لوگوں کا بہت شکریہ اِس قدر مدد کے لیئے، جذاک اللہ۔"اُسکی مدہم آواز پر حدید نے چہرہ پھیر کر اُسکو دیکھا اور کچھ پل دیکھتے رہنے کے بعد خاموشی سے نگاہوں کا زاویہ بدل لیا۔

"فوج کا کام ہی تحفظ فراہم کرنا ہے۔یہ ہمارا فرض تھا۔"اُسکے سپاٹ اور بے تاثر لہجے پر مَنّت کی آنکھوں کی سطح تیزی سے بھیگنے لگی تو اُس نے فوراً پلٹ کر ہمدی بھائی کو دیکھا جو عقب میں دونوں ہاتھ باندھے اُسکی ہی سِمت متوجہ تھا۔زاور نے تپ کر کہنی مارتے ہوئے اُسے آنکھوں سے تنبیہہ کی اور پھر خود مُسکراتے ہوئے قدرے آگے ہوا۔

"ارے اِس میں شکریہ کی کیا بات ہے۔حدید تو اپنوں کی مدد کے لیئے ہمیشہ تیار رہتا ہے اور جس طرح یہ آپکی مدد کرنے کے لیئے اِردگرد کی پرواہ کیئے بغیر بھاگا تھا میں سمجھ گیا تھا آپ محفوظ رہیں گی۔"زاور کی فراٹے بھرتی زبان پر حدید کو آج سے پہلے کبھی اِتنا غصہ نہیں آیا تھا۔مَنّت نے دھڑکتے دِل سے چونک کر حدید کو دیکھا جو رُخ پھیر کر شرربار نظروں سے زاور کو دیکھ رہا تھا۔ہلکی سی مُسکراہٹ مَنّت کے چہرے پر دَر آئی،

دِلگرفتہ سی مُسکراہٹ۔۔۔

"تم سے بکواس کرنے کو کس نے کہا ہے؟" حدید کے تادیبی لہجے پر زاور دونوں ہاتھ فضا میں اُٹھا کر فوراً پیچھے ہو گیا۔مَنّت کی مُسکراہٹ نے معدوم ہونے میں لمحہ بھی نہیں لگایا تھا۔

"پھر بھی اِس احسان کو ہم ہمیشہ یاد رکھیں گے۔اللہ حافظ۔"مدہم سا کہہ کر وہ پلٹی۔اُسکے 'ہم' کہنے پر حدید نے ضبط سے سُرخ پڑتی آنکھوں سے اُسکو دیکھا جو کچھ گھنٹوں پہلے اُسے خود سے بے حد قریب محسوس ہوئی تھی اور اب دُور جانے کو تھی۔

"بات سُنیں۔"زاور کی آواز پر وہ رُک کر تعجب سے پلٹی اور سوالیہ نظر جھانکتے زاور پر ڈالی۔

"آپ کِس کے ساتھ جائیں گی؟ مطلب وہ کون ہیں؟؟" زاور نے حدید کی اُلجھن ختم کرنے کے لیئے سوال دغا، حدید نے مُٹھیاں بھینچ کر گویا ضبط سے زاور کو دیکھا اور پھر مَنّت کو جو دھیرے سے مُسلکرائی تھی۔حدید کا دِل بے ساختہ ایک دھڑکن بُھول گیا۔

"وہ میرے بھائی ہیں۔میں اُنکے ساتھ چلی جاؤں گی۔"اُس نے مُسکرا کر آہستہ سے کہا تو حدید نے اُلجھ کر مَنّت کو دیکھا۔پیشانی کے بل فوراً غائب ہوئے تھے۔اُس نے مَنّت کے عقب میں کسی قدر حیرت سے دیکھا۔زاور کا بس یہیں تک کام تھا سُو سَر ہلا کر آرام سے واپس بیٹھ گیا۔اُسکو آخری نظر دیکھ کر مَنّت بھی پلٹ گئی۔

"مَنّت کا بھائی۔"اُسکے ذہن میں بس یہی بات گُونج رہی تھی۔قدرے آگے کو ہو کر اُس نے آنکھیں سکیڑ کر اُس سیاہ لباس میں ملبوس شخص کو دیکھنا چاہا جس نے مَنّت کے پُہنچتے ہی اُسکے سَر پر شفقت بھرا ہاتھ پھیرا تھا اور اُس شخص کا چہرہ بائیں جانب سے دیکھ کر حدید دنگ رہ گیا تھا۔

"ارے حدید۔۔بھابھی کے بھائی کا چہرہ۔۔"زاور نے کچھ کہنے کے لیئے مُنہ آگے کیا تو حدید نے دیکھے بغیر اُسکے مُنہ پر ہاتھ رکھ کر اُسکو پیچھے کی سِمت دھکیل دیا اور خود حیرت اور بے یقینی سے اُس شخص کو دیکھتا رہا جسکا چہرہ جُھلسا ہوا تھا نیم رُخ سے۔وہ اِس قدر سیاہ چہرہ تھا کہ دُور سے بھی اُس چہرے کے جلنے کی تکلیف کو بھانپ گیا تھا یہ جانے بغیر کہ وہ چہرہ کچھ لوگوں کی نظر میں بس سیاہ تھا، کراہیت ذدہ۔۔۔

------@------@-----@------@-----@-----

"تم کون ہو اور جرگے میں مُداخلت کا حق تمہیں کِس نے دیا ہے؟" جرگے میں موجود سَر پنچ کو سجاول نے اِشارہ کیا تو وہ طیش کھا کر اُٹھتا ہوا دبدبے سے بُولا تھا۔

"حق تو خیر آپ میں سے کسی کو نہیں دیا گیا کہ لوگوں کی زندگیوں کا فیصلہ کرتے پھریں۔"قدم قدم چلتا وہ عین اُنکے رُوبرو آ کھڑا ہوا اور ایک تلخ نگاہ خاموش، بے بسی کی تصویر بنے 'سردار ولّی خان' پر ڈالی تھی۔

"تم ہمارے گاؤں کے فیصلے اور اُصول کو نہیں جانتے لڑکے۔سُو دُور رہو ہمارے معاملے سے۔"سجاول نے ٹانگ جِھلاتے ہوئے تنک کر کہا تو حدید کے چہرے پر ایک تمسخرانہ مُسکراہٹ رینگ گئی۔

"اور تم مُجھے نہیں جانتے سردار سجاول ارمغانی۔سُو بہتر ہو گا جب تمہیں مُخاطب کیا جائے تب ہی اپنی اِس گز بھر کی زبان کو کھُولنا ورنہ میرے ہاتھوں میں بہت خارش رہتی ہے۔"ایک ایک لفظ چبا کر کہتے ہوئے جہاں اُس نے سجاول کو دنگ کر کے للکارا تھا وہیں تمام موجود افراد کا دماغ بھی بھک سے اُڑا دیا۔سردار ولّی خان نے تعجب سے اُس شخص کو دیکھا جو بِنا خوف و خطر سجاول جیسے بندہ کو غیض دِلا گیا تھا۔

مَنّت کے پانچوں بھائیوں نے فق ہوتے چہروں سے ساتھ ایک دوسرے کو دیکھا۔مُجاہد اُلجھن سے اُس بے خوف فوجی کو دیکھتا رہا۔

"چھُوکرے تیری تو۔۔۔"سجاول بغالفات بکتے ہوئے تیزی سے اُٹھا لیکن حدید نے آگے بڑھ کر جھٹکے سے دونوں ہاتھوں سے اُسکو کندھوں سے تھام کر دوبارہ بٹھاتے ہوئے تادیبی نظروں سے دیکھا۔

سارے مجمعے میں حیرت اور بے یقینی کی لہر دُوڑ گئی تھی۔سردار ولّی خان کے کانوں میں کچھ دن پہلے کی آوزوں کی بازگشت تیز تر ہونے لگ گئی۔۔۔

"مُجھے نہیں معلوم کہ آپ باپ ہو کر کیسے اپنی بیٹی کو کسی اور کی خاطر تیاگ دینے کا فیصلہ کر چکے ہیں مگر میں اِیسا کسی بھی قیمت ہر نہیں ہونے دوں گا۔"وہ اُنکے سامنے مَردان خانے کے صوفے پر قدرے آگے کو ہو کر بیٹھتے ہوئے سنجیدگی سے بولا تو اُنکی پیشانی پر تیزی سے بلّوں کا اضافہ ہوتا چلا گیا۔وہ اُنکی ناگواری کو فوراً بھانپ گیا تھا سُو اُسی بے نیازی سے بُولتا رہا۔

"میں آپکا بہت احترام کرتا ہوں کیونکہ آپ مَنّت کے والد ہیں مگر یہ مت سُوچیۓ گا کہ مَنّت کو معلوم ہے کہ میں یہاں کیوں ہوں، کیسے ہوں یا میری کسی بھی بات کا قصور وار واسطہ یا بلاواسطہ مَنّت کو گردانیں۔میں حدید قوسین ہوں، کیپٹن حدید قوسین اور میں۔۔۔صرف میں آپکی بیٹی مَنّت سے شادی کرنا چاہتا ہوں اُسکو کچھ نہیں معلوم۔"دھیرے دھیرے کہتے ہوئے اُس نے اپنی باتوں سے ولّی خان کو دنگ کر دیا اور وہ بے یقینی سے سامنے اعتماد سے بیٹھے شخص کو دیکھ رہے تھے جو اُن سے آج پہلی بار مِل رہا تھا اور اِتنی سہولت سے اپنا مُدعا بیان کر کے صوفے سے ٹیک لگا کر بازو دراز کر کے بیٹھا اُنکے تاثرات مُلاحضہ کر رہا تھا۔سردار ولّی خان کو سمجھ نہ آ سکا کہ وہ اِس وقت اُس شخص کی باتوں سے کیا محسوس کر رہے تھے۔

"میں بہت مجبور۔۔۔"اُنھوں نے کچھ کہنا چاہا مگر وہ یک دم تیزی سے دوبارہ آگے ہوا اور عین اُنکی پریشان آنکھوں میں دیکھنے لگ گیا۔

"بات کاٹنے کے لیئے معذرت چاہتا ہوں سردار صاحب لیکن ایک سردار کیسے مجبور ہو سکتا ہے یا شاید آپ بھی بیٹوں کو اہمیت دینے والے سَردار ہیں۔" سنجیدگی سے کہہ کر وہ اُنکو ایک دَم بے چین ہوتا دیکھ رہا تھا۔اُنہوں نے بے ساختہ اپنی پیشانی مسلی۔

"تم سجاول ارمغانی کو جانتے نہیں ہو برخوردار اِس لیئے اس طرح کہہ رہے ہو۔قتل کا بدلہ یہاں اِیسے ہی ادا کرنا پڑتا ہے۔" وہ جیسے بہت ضبط سے بولے۔حدید نے ایک نظر ہاتھ میں پہنی ہوئی گھڑی کو دیکھا اور پھر اُنکو جو دوبارہ سے توقف کے بعد کہہ رہے تھے۔

"میں اپنی بیٹی کو یوں کسی ظالم اور ناقابلِ بھروسہ شخص کے ہاتھ میں نہیں سُونپنا چاہتا مگر یہ میرے علاوہ ہر سَرپنچ کا فیصلہ ہے۔" حدید کو وہ لمحوں میں ہی بہت بُوڑھے لگنے لگ گئے تھے۔

"قتل مُجاہد سے ہوا تھا سَردار صاحب۔اصولاً اگر قتل کے بدلے لڑکی مانگتے ہیں مُجاہد کی بہن کو جانا چاہیئے اگر میں غلط نہیں ہوں تو اور مَنت' کو میں اِس طرح بِنا کسی قصور کے جہنم میں آپ سب کو جُھونکنے نہیں دونگا۔" اُسکے اِرادی کی مضبوطی نے خاموشی سے اُسے دیکھتے اور سُنتے ولّی خان کو اُس سے متاثر ہو جانے ہر مجبور کر دیا تھا۔

"مُجاہد کی بہن میرے بیٹے سُفوان کی منگ ہے اور قبیلے میں کسی کی منگ کا نام نہ لینے کا رواج ہے۔" اُنہوں نے اُس سے نظر چُرا کر آہستگی سے کہا تو حدید کے چہرے پر مُسکراہت پھیل گی، طنزیہ مُسکراہٹ۔

"یہ خوب رواج، بے قصور کو سُولی ٹانگ دو اور قصور واروں پر آنچ بھی نہ آے دو بہر حال میں اِس سب کو نہیں مانتا۔میرے والد صاحب آنے والے ہیں ابھی آپ سے آپکی بیٹی کا ہاتھ مانگنے۔ہم آپکے

رواج پر ہر طرح سے چلیں گے اِس لیئے نِکاح ہو گا سب کے سامنے مگر ابھی عارضی طور پر آپکی بیٹی میری منگ ہو گی اور آپکو ماننا پڑے گا سردار صاحب۔" بہت نرمی سے کہتے ہوئے اُس نے آخر میں تنبیہاً کہا اور اُٹھ کھڑا ہوا۔ سردار ولّی خان نے چہرہ اُٹھا کر اُسکو دیکھا اور اُنھیں وہ اُس پل اپنی اکلوتی، لاڈلی بیٹی کا مُحافظ اور نِجات دہندہ لگا تو وہ بھی خاموشی سے سَر ہلا کر اُٹھ کھڑے ہوئے تھے۔

----@-----@-----@-----@-----@----

جب سے اُس نے مَنّت کے بھائی کو دیکھا تھا وہ اُلجھ گیا تھا کیونکہ وہ شخص دراز قامت تھا تقریباً حدید کے برابر کا جبکہ مَنّت کے پانچوں بھائی درمیانے قد کے تھے۔ آخر یہ کیا معملہ تھا؟ وہ اِتنے کیسے بدل گئے تھے نہ صرف قد میں بلکہ رُویئے میں بھی۔؟؟

"کِس سُوچ میں گُم ہے؟" زاور نے اُسکے سامنے آکر بیٹھتے ہوئے ٹیبل بجایا تو وہ بے ساختہ چُونکا۔مِیس میں رش نہ ہونے کے برابرا تھا اور اُسکا کھانا سامنے پڑا کب کا ٹھنڈا ہو چکا تھا۔

"کچھ نہیں یار، ویسے ہی۔" وہ کچھ اُلجھا اُلجھا بولا تو زاور نے بغور اُسکے افسردہ سے تاثرات کو دیکھا۔ آج دوسرا دن تھا اور وہ ویسے ہی گُم سُم تھا جیسے اُس دِن مَنّت کو جاتے دیکھ کر ہو گیا تھا۔

"اچھا، تیرا زخم کیسا ہے؟" زاور نے اُسکے ہاتھ کو دیکھ کر مُسکراتے ہوئے پُوچھا۔

"ٹھیک ہے اللہ کے کرم سے۔ مسیحا کے ہاتھ میں شِفا ہی اِتنی تھی کہ زخم کافی حد تک بھر گیا ہے۔" وہ آہستہ سے بولا تو زاور کے چہرے کی مُسکراہٹ ماند پڑ گئی۔

"میں اُس زخم کا پُوچھ رہا ہوں جسکو کوئی مسیحا نہیں مِلا اب تک۔" اُسکے شریر انداز پر حدید نے ہنستے ہوئے ہاتھ کھُول کر اُسکے سامنے کیا جہاں ابھی بھی کانچ کے چُھبنے کے نِشان واضح تھے۔

"جس زخم کو مسیحا نہیں مِلتا وہ بھی بھر ہی جاتا ہے بس ذرا وقت لگتا ہے۔" کہتے ہوئے اُسکے چہرے پر افسردگی چھا گئی تھی۔زاور نے تاسف سے اُسکو دیکھا جو دِلگرفتہ سا ہاتھ کو دیکھے جا رہا تھا۔

"آج رات دو بجے ہمیں نکلنے کے آرڈر ہیں۔" زاور نے قدرے آگے کو ہو کر آہستگی سے کہا تو حدید بے ساختہ چونک کر سیدھا ہوا۔اب اُسکا چہرہ سنجیدہ ہو گیا تھا۔

"یقیناً مُجھے اکیلا نہ جانے دینے کا آئیڈیا بابا جان کا ہو گا۔" اُسکے کہے جانے پر زاور نے بےاِختیا پہلو بدل کر نگاہ چُرائی۔

"نہیں میرا آئیڈیا تھا۔اچھا غصّہ مت ہو جانا۔ایک تو جس عمر میں مُجھے اپنی بیوی کو منانا چاہئیے میں بیٹھ کر تُجھے مناتا پِھرتا ہوں۔" اُسکے جلے کٹے انداز پر حدید کا قہقہ بےساختہ تھا۔جیپ کی چابی اُٹھاتے ہوئے اُس سے زاور کے کندھے پر دھپ رسید کی تو زاور نے کھڑے ہوتے ہوئے خشمگیں نظروں سے اُسے دیکھا جو اب چہرے پر شریر تاثرات لائے پلٹ رہا تھا۔

"بیٹا! تُو مُجھ سے عہدے میں تھوڑا بڑا نہ ہوتا تو تجھے دیکھ لیتا میں۔" اُسکے پیچھے ہوتے ہوئے زاور نے اِردگرد گزرتے افسران کو دیکھ کر دبی دبی آواز میں غرّا کر کہا۔حدید نے چہرہ پھیر کر تپاتی نظروں سے اُسکو دیکھ کر مزید آگ لگا دی۔

"دیوانے کا خواب۔" اُسکو چِڑا کر کہتے ہوئے حدید نے بےنیازی سے کندھے اِچکائے تو زاور نے اِدھر اُدھر کا لحاظ کیئے بغیر اُسکو ایک مُکّہ مارنا چاہا مگر بیڑہ غرق ہو قسمت کا کہ سامنے سے آتے کرنل جواد کو دیکھ کر اُسکو اپنا سا مُنہ بنانا پڑ گیا تھا۔

----@------@------@------@------@-----

"آج رات کے لیئے میں کافی ہوں اُن پر لیکن احتیاطاً پلان بی تیار کر رکھا ہے میں نے۔رستے میں دیکھتے ہیں۔"سیاہ دستانے پہنتے ہوئے اُس نے کان میں لگائے بلیو ٹوتھ سے دوسری جانب موجود شخص کو کہہ کر بلیو ٹوتھ کا بٹن دبا کر کال ختم کرتے ہوئے اُس بیسمنٹ کو دیکھا اور ٹیبل پر موجود نقشہ اُٹھا کر سیاہ لباس کی جیب میں ڈال کر جدید پستول اور چاقو تیزی سے اڑاسنے لگا جیسے یہ اُسکا ہمیشہ کا معمول ہو پھر چہرے پر سفید ماسک پہن کر وہ تیزی سے بیسمنٹ کی سیڑھیاں عبور کرتا ہوا باہر آگیا جہاں اُسکا سیاہ ہیوی بائیک کھڑا ہوا تھا۔ہیلمٹ پہنتے ہوئے اُس نے کان میں پہنے بلیو ٹھوتھ کا بٹن دوبارہ دبایا اور بائیک پر بیٹھتے ہوئے تیزی سے سٹارٹ کیا۔وہ بہت جلدی میں لگتا تھا اور پھر اُسکا بائیک اندھیری رات میں زورداز آواز کے ساتھ اپنا رستہ تیزی سے بناتے ہوئے اُس جنگل میں موجود گھر کو پیچھے چھوڑتا ہوا اپنی منزل کی سِمت گامزن ہو گیا اور جنگل میں ہولناک قسم کی خاموشی باقی رہ جانے والی تھی۔

-----@-----@-----@-----@----@-----

جس وقت وہ دونوں دیوار پھلانگ کر اُس گاؤں میں تمکنت اور غرور سے کھڑی ہوئی بُلند و بالا حویلی میں کُودے تھے اُسی وقت حویلی کے عین سامنے کوئی خاموش قدموں سے دُوڑتا ہوا آیا تھا اور اِدھر اُدھر دیکھ کر بِنا خوف و خطر سامنے سے دیوار پھلانگ کر حویلی میں داخل ہوا تھا۔

وہ دو سائے جو ایک ساتھ خاموش قدموں سے چل رہئے تھے ایک جگہ رُکے اور الگ الگ سِمتوں میں چل پڑے تھے۔مُختلف راہداریوں سے گزرتا ہوا وہ ایک بڑے ہال کمرے تک آیا جسکے باہر چار مسلحہ افراد بے فکری سے کھڑے گپیں ہانکنے میں مصروف تھے۔حدید نے ایک نظر اُن چاروں پر ڈال

کر اُس کمرے کی دیوار پر نصب الارم کے بٹن کو دیکھا اور پھر اپنے بیگ سے لمبا سا سلینڈر نکال کر کھولتے ہوئے جُھک کر اُس سِمت دھکیل دیا جہاں وہ چار افراد کھڑے تھے۔ کچھ سکینڈ وہ یونہی کھڑا رہا اور پھر اپنا دائیاں ہاتھ ماسک زدہ چہرے کے قریب لایا اور تیزی سے اُس ہال کمرے کی جانب بڑھا۔ دھوئیں کے باوجود اُس نے اُن چاروں کو وہاں ڈھیر پڑا دیکھا تو جُھک کر باری باری سب کی جیبیں ٹٹولنے لگا پھر مطلوبہ چیز مِلتے ہی وہ اُس دروازے کی سِمت بڑھ گیا جس پر پہلے پہرے دار تھے۔ "سامنے کی سِمت حویلی میں جو بھی تھے میں نے بے ہوش کر دیا ہے کرنا تو قتل تھا مگر میں اُنکو ہاتھ ملتے دیکھنا پسند کروں گا اپنے عظیم نقصان پر۔" وہ ہمزاد تھا جو سَرد لہجے میں کہتے ہوئے آگے بڑھ رہا تھا۔

"میں پُر یقین ہوں کہ وہ سارا مال اِس حویلی میں ہے۔ سجاول بہت شاطر ہے اُس نے اِس حویلی کا اِنتخاب بغیر کسی وجہ کے نہیں کیا ہو گا۔" اپنا دائیاں ہاتھ چہرے کے قریب لا کر وہ مدھم آواز میں باہر کھڑے اپنے ساتھی سے محوِ گُفتگو تھا۔ کھٹکے پر اُس نے تیر کی سی تیزی سے پلٹ کر دیکھا اور اپنی ہی دُھن میں آتا وہ شخص وہاں سفید ماسک میں ملبوس کسی اجنبی شخص کو دیکھ کر ٹھٹھکا اور اِس سے پہلے کہ وہ ردِ عمل دے پاتا۔ وہ تیزی سے بھاگتا ہوا آیا اور اُسکے ایک ہی وار سے وہ اسلحہ بردار پُورے قد سے زمین بوس ہو گیا۔ پاؤں سے اُسکو ٹٹول کر اُس نے سَر اُٹھا کر سامنے دیکھا اور لمحے بھر کے لیئے ساکت رہ گیا مگر پُھرتی سے آستین سے کچھ تیز دھار نِکال کر اُسکی سِمت اُچھالا جو اُس پر اپنے ساتھی کی حالت دیکھ کر بندوق تانے قدم قدم اُسکی جانب بڑھ رہا تھا۔ گردن پر کچھ تیز دھار، باریک

سی جلن پر وہ لمحے بھر کو شل کھڑا رہ گیا اور پھر عین اپنے پچھلے ساتھی کے اوپر ڈھیر ہو گیا۔اُن سے فارغ ہو کر اُس نے اِدھر اُدھر ایک تیز نِگاہ دُوڑائی اور ستون کی اُوٹ میں پُھرتی سے ہوا۔
"معلوم ہوتا ہے کہ کوئی اور بھی ہے یہاں ہمارے علاوہ جسکا پیچھا کرتے یہ مُجھ تک پہنچے تھے۔نہیں باہر ہی رہو اور سُورتحال سے آگاہ کرتے رہنا۔" کہہ کر اُس نے بلیو ٹُوتھ بند کر دیا اور جیکٹ کے اندرونی حصّے سے ایک جدید پستول نِکال لیا اور اب وہ قدرے مُحتاط ہو کر آگے بڑھ رہا تھا۔۔۔

-----@-----@-----@----@----@----

"معذرت کے ساتھ مگر سجاول صاحب آپکو اپنا حقِ قصاص استعمال کرنا ہو گا۔"سجاول کو دیکھ کر کہتے ہوئے اُس نے بھرے مجمعے کو ورطہ حیرت میں ڈال دیا۔اِس سے پہلے کے قصاص کا سُن کر سجاول کچھ کہتا وہ اُسی بے نیازی سے چلتا ہوا عین مُجاہد کے رُوبرو آ کھڑا ہوا تھا۔
"قتل آپ سے ہوا ہے یا نہیں قصاص آپکو ہی ادا کرنا ہو گا، مُجاہد خان۔"اُسکی سَرد آواز پر مُجاہد کی گردن میں گلٹی سی ڈوب کر اُبھری۔سفوان ایک جھٹکے سے اُٹھ کھڑا ہوا تھا۔
"مُحترم! سب طے ہو چکا ہے۔مُجاہد قصاص نہیں دے گا کیونکہ سردار سجاول نے قصاص نہیں مانگا۔آپ اِس ذاتی معاملے سے دُور رہیں۔"سُفوان کے سخت لہجے پر وہ مُسکراتا ہوا مُجاہد سے نظر ہٹا کر اُسکے سامنے آیا اور کچھ پل وہ سُفوان کے تپتے چہرے کو محظوظ ہو کر دیکھے گیا۔سردار ولّی خان کو اپنا دِل ڈوبتا ہوا محسوس ہونے لگا تھا۔
"جو شخص اپنی بہن کے حق میں نہیں بُول سکتا اگر وہ دوسروں کے حق میں زبان کُھولے تو اِنصاف کا تقاضہ ہے کہ اُسکی زبان کاٹ دی جائے۔" تمسخرانہ لہجے میں کہتے ہوئے اُس نے سفوان کے یک دم

سُرخ اور پھیکے پڑتے چہرے سے نِگاہ ہٹا کر پوری پنچائیت کو دیکھتے ہوئے کہا جہاں سب حیرت اور غصّے سے بھرے اُس شخص کو دیکھ رہے تھے جو ایک ایک کو بھری محفل میں ذلیل کر رہا تھا اور پھر وہ سردار ولّی خان کی جانب پلٹا۔وہ گیلی ہوتی آنکھوں سے خاموشی سے اُسے دیکھتے رہے جسکے پاس وہ ہمت اور حوصلہ تھا جو اُنکے پاس سردار ہو کر مفقود تھا۔

"اگر مُجاہد کی بہن کا اِس لیئے نہیں سُوچا جا سکتا کہ وہ آپکے بڑے بیٹے کی منگ ہے تو آپ نے اِن سب کو میری منگ کا نام لینے سے رُوکا کیوں نہیں سردار صاحب؟" اُسکی غصیلی اور گرجدار آواز کے باعث پُوری پنچائیت میں سنّاٹا چھا گیا۔منّت کے پانچوں بھائیوں نے بے یقینی سے اپنے باپ کو دیکھا جو ساکن سے اپنے رُوبرو کھڑے شخص کو دیکھ رہے تھے۔مُجاہد کے دِل پر اِس قدر زبردست گھونسہ پڑا تھا کہ وہ بِلبِلا اُٹھا۔

"اُو بھائی تم بیچ میں کہاں سے آ گئے ہو؟" سجاول تپ کر کہتے ہوئے اُٹھ کھڑا ہوا، حدید نے پلٹ کر اُسکو جن نظروں سے دیکھا تھا وہ گھگھیا کر پھر سے بیٹھا۔مُجاہد نے پُرسوچ بھری حیرت سے سجاول کو بھیگی بلّی بنے دیکھا تھا کسی کے سامنے۔حدید سب سے بے نیاز دوبارہ سے سردار ولّی خان کی سِمت متوجہ ہو گیا۔

"بتائیں سب کو سردار صاحب کہ میں سچ کہہ رہا ہوں۔"وہ اب عین اُنکی آنکھوں میں تادیبی اور اندر تک اُتر جانے والی نظروں سے دیکھ رہا تھا۔اُنکے کانوں میں اُسکے پھر سے پچھلی مُلاقات میں کہے گئے اُسکے الفاظ گُونجنے لگ گئے۔

"تین دن بعد یہ ثابت ہو جائے گا کہ آپکو اپنی بیٹی زیادہ عزیزی ہے یا یہ سرداری۔"وہ جیسے اُنہیں اُکسا رہا تھا اندر سوئے ہوئے باپ کو جگانے کے لیئے۔

"حدید سہی کہہ رہا ہے۔مَنّت، حدید کی منگ ہے اور سجاول کو واضح اِنکار کی وجہ بھی یہی تھا مگر تب حدید شہر میں تھا۔"سردار ولّی خان نے خود کو کہتے سَنا۔حدید جو اُنکو بغور دیکھ رہا تھا، دھیرے سے مُسکرا دیا۔طمانیت سے، تشکر سے۔۔۔

یہ سُن کر وہ بھی سردار کے مُنہ سے وہاں سنّاٹا چھا گیا اور پھر چہ مگیاں شروع ہو گئیں۔سردار ولّی خان کے اپنائیت سے نام لینے پر سب پہ واضح ہو گیا کیونکہ حدید نے پنچائیت کو اپنا نام نہیں بتایا تھا۔کھٹکے کی آواز پر وہ وہ چونک کر پلٹا اور مَنّت کو یوں اِس حال میں اپنے رُوبرو دیکھ کر اُسکی رُوح تک چھلنی ہو گئی تھی اور پھر 'حدید قوسین' نے خود کو اُسکی سِمت بِنا جھجکے بڑھتے پایا اور مَنّت ولّی خان کے عین سامنے آ کھڑا ہوا اور اُسکو سب کی نظروں سے بچا لیا تھا۔اب وہ دونوں اِردگرد سے بےپرواہ ہو کر ایک دوسرے کی سِمت متوجہ تھے۔محبت سے، تشکر سے، طمانیت سے۔۔۔

؎راستے اور بھی آتے ہیں تمہاری جانب

میں مُحبت کے سہارے سے رسائی چاہوں۔۔۔

----@----@----@----@----@-----

وہ جو مُحتاط سا چل رہا تھا اپنے عقب سے گرنے کی آواز سُن کر تیزی سے پلٹا اور کچھ لمحے وہ نیچے بےدم پڑے ہٹے کٹے اِنسان کو دیکھتا رہا اور پھر نظر اُٹھا کر اُسکو دیکھا جو 'ہمزاد' تھا۔ایک ہاتھ میں چُھوٹا سا چاقو تھامے، دوسرا یقیناً اُس نے قدرے دُور سے پھینک کر اُس بندے کا کام تمام کیا تھا۔

"اِسے کیا سمجھوں؟" حدید نے بے سُدھ پڑے شخص کی طرف آنکھ سے اِشارہ کر کے گویا مُدعا جاننا چاہا اِس مہربانی کا۔ ہمزاد نے قدرے آگے کو بڑھتے ہوئے جُھک کر اپنا چاقو جھٹکے سے نِکالا اور یونہی جھک کر کھڑے ہی محض چہرہ اُٹھا کر حدید کو دیکھا جو سوالیہ نظروں سے اُسکی جانب مائل تھا۔ جو یقین نہیں کر پا رہا تھا کہ 'ہمزاد' آخر ہے کیا؟ اور کون؟؟ حدید جو فرصت سے اُسے دیکھ رہا تھا یک دَم چونکا جب ہمزاد نے چاقو گرفت میں لے کر اُسکی سِمت تیر کی سی تیزی سے اُچھالا۔ حدید نے تیزی سے جُھکائی دی اور اپنے عقب میں ایک اور شخص کو گرتے پا کر پلٹ کر ہمزاد کو دیکھا۔

"اِسے احسان کا بدلہ سمجھو، میجر۔" چاقو اپنی آستین میں اڑاستے ہوئے وہ بہت مدہم سا بُولا تو حدید چُونک اُٹھا الفاظ اور آواز پر کیونکہ وہ آواز بھاری تھی یوں جیسے 'وائس چینجر' سے نِکل رہی ہو اور اُسکے 'میجر' کہے جانے پر بھی چونک اُٹھنا لازمی تھا۔ وہ کہہ کر اُسے عجیب سے، نہ سمجھ میں آنے والے اِحساسات سے دوچار کر گیا تھا۔ دو اُنگلیاں وکٹری کے انداز میں بنا کر ماتھے تک لے آتے ہوئے اُس نے لہرائیں اور حدید کو کچھ بھی سُوچنے، سمجھنے کا موقع دیئے بغیر وہ راہداری میں غائب ہو گیا۔ چند لمحے وہ انجان سی کیفیت لیئے کھڑا رہا اور پھر سَر جھٹک کر دائیں جانب تیزی سے دُوڑتا ہوا نِکل گیا اور پیچھے دبیز، پُراِسراریت ماحول پر چھاتی چلی گئی۔

-----@-----@------@------@-----@-----

اور پھر وہ ہو گیا جو مَنّت ولّی خان نے تصور میں بھی نہیں سُوچا تھا۔ جب مُولوی صاحب نے دوبارہ اُس سے پُوچھا تو سَر پر کسی کا پُرشفقت لمس محسوس کرکے وہ فوراً سنبھل کر ہوش میں آئی۔ سب کچھ ماورائے گُماں تھا۔ دو آنسو شکر کا حق ادا کرنے کو اُسکی بےیقین سی آنکھوں سے نِکل پڑے۔ گہرا

سانس لے کر اُس نے جالی دار دُوپٹے کی آوٹ سے سامنے دیکھا۔وہ سامنے ہی جُھکتے ہوئے دِلکش مُسکراہٹ سے نِکاح نامے پر تیزی سے دستخط کر رہا تھا اور پھر سامنے کھڑے شاہسوار کے گلے لگ گیا۔خوشی تھی کہ سنبھالی نہیں جا رہی تھی۔

آنسوؤں کی دبیز دُھند نے سامنے ہنستے شخص کا دِلکش چہرہ دُھندلا دیا تھا مگر وہ چہرہ مَنّت کے دِل کے نہاں خانوں میں ہر سُو ثبت ہو کر نمایاں ہو چکا تھا۔اُسی شخص کا چہرہ جو اب مَنّت کا محرم بن گیا تھا۔ وہی شخص، جسکی تمنا میں دِل الگ ہی لے پر دھڑکنے لگا تھا۔معجزہ تو رُونما ہو گیا تھا آخر کار۔۔۔

اِس سے پہلے کہ وہ سب کے متوجہ ہونے پر اِقرار کرتی، مائدہ قدرے جُھک کر اُسکے چہرے کے قریب آئی اور 'اِقرار مت کرنا' کہہ کر مُطمئن سی حدید کو دیکھنے لگی کیونکہ اب اُسکے کلیجے پر حدید کی سمٹتی مُسکراہٹ ٹھنڈ ڈالنے والی تھی لیکن مَنّت کے 'قبول ہے' کہنے پر وہ سفید پڑتے چہرے کے ساتھ کتنے ہی پل اُسکا سُرخ زرتار دُوپٹے میں جُھکے سَر کو دیکھے گئی اِس آس سے کہ شاید اُس نے غلط سُنا ہو لیکن مَنّت کی مدھم مگر خوشی سے مہکتے یکے بعد دیگرے 'قبول ہے' کہنے پر اُس نے فق ہوتے چہرے کے ساتھ نظر اُٹھائی، بیٹھک کے دروازے کے ساتھ ٹیک لگا کر کھڑے مُجاہد کو دیکھ کر اُس نے دکھتے دِل کے ساتھ نظر چُرا لی تھی۔

دوسری جانب یہی 'قبول ہے' سید حدید قوسن کے اِضطراب سے دھڑکتے دِل کو ساکن کر کے شاد کر گئی تھی۔ہاں سہی کہا گیا ہے کہ الفاظ زندگی بخشتے ہیں، دِل کو راحت پہنچاتے ہیں یا کم از کم حدید کی سماعتوں پر اُن دو الفاظ نے سحر طاری کر دیا اور پھر اُسے نہیں معلوم کہ اُسے کیا ہوا مگر وہ اپنے قدم مَنّت کی جانب بڑھنے سے رُوک نہیں پایا تھا جو یونہی گُھونگھٹ اُوڑھ کر کھڑی حُرمت سے کچھ کہہ

رہی تھی۔ وہ اُسکے عین عقب میں جا کر ٹھہر گیا۔ وہ مائدہ، مَنّت کے بھائیوں، وہاں موجود عورتوں اور مَردوں یہاں تک کہ سردار ولّی خان کی خوشی سے دمکتی نظروں سے بھی بے پرواہ ہو کر اُس تک پہنچا تھا جو اب اجنبی نہیں رہی تھی۔

یک دم چھاتی خامشی اور حُرمت کی حیرانگی پر وہ کچھ اُلجھن اور تعجب سے پلٹی لیکن اپنے عین نگاہوں کے سامنے اُس دِلربا سے شخص کو دیکھ کر اُسکا دِل دھڑکنا بُھول گیا۔ اِس سے پہلے کہ وہ سمجھ پاتی حدید نے دونوں ہاتھوں سے قدرے آگے کو ہو کر اُسکا گھونگھٹ اُلٹ دیا۔ اُس ملکوتی چہرے، وہ حیران ہوتی مسحور کُن آنکھوں کو دیکھ کر حدید کے اندر زندگی انگڑائی لے کر دُوڑی تھی۔

"اور مُنکرِ خدا تیرے چہرے کو دیکھ کر

حیرت ذدہ ہوئے تو خدا کی طرف گئے۔۔۔"

اُسکے بہت مدہم، آہستہ سے کہے جانے پر مَنّت کی آنکھیں لرز کر سجدہ ریز ہو گئیں تھیں۔ وہاں موجود ہر شخص دنگ ہو کر حدید کو دیکھ سکتا تھا اور دیکھ رہا تھا۔ وہ اُسکی ابھی پنچائیت والی للکار اور جُراءت نہیں بُھولے تھے اور اب یہ بے باکی۔۔۔ لیکن کوئی بھی وہ سُن نہیں پایا جو حدید نے محض مَنّت کو دیکھ کر، مَنّت کے لیئے بے ساختہ سرگوشی میں شعر کہا تھا سوائے مَنّت، حُرمت اور مائدہ کے اور اُسکو یوں محسوس ہوا گویا اُسکا پُورا وجود جل کر بھسم ہو گیا ہو شاید نفرت سے یا پھر جلن سے۔۔۔ فیصلہ بے حد مُشکل تھا اور پھر حدید قوسین تو ایک اپنائیت بھری مکمل نِگاہ اُس پر ڈالتے ہوئے گھونگھٹ دوبارہ گِرا کر جا چکا تھا مگر سب کی زبان پر اپنا ذکر چھوڑ کر۔ مَنّت یونہی سب کی گفتگو سے

بے نیاز وہاں تادیر دیکھتی رہی جہاں سے وہ پورے وقار سے گُزر کر سارے ماحول کی خوبصورتی اور شادابی اپنے ہمراہ لے گیا تھا بمعہ 'مَنّت حدید' کے دِل کے۔۔۔

کسی عجیب سے اِحساس کے تحت اُس نے اپنی نیند سے بُوجھل ہوتی آں کھیں کھُول کر دیکھا اور خود پر جُھکے چہرے کو دیکھ کر وہ پل بھر میں اُس دِلکش ماضی سے حال میں لوٹ آئی تھی۔ وہی جُھک کر اُس پر چادر آہستگی سے ڈال رہا تھا جسے ابھی ابھی وہ سالوں پرانے ماضی میں خواب کی صورت دیکھ رہی تھی۔ نہیں یہ کوئی دوسرا حسین خواب تھا یا پھر خواب کے اندر ہی کوئی خواب۔۔۔ وہ اُسی طرح یک ٹک اُسے دیکھ رہی تھی جو مصروف سا چادر اچھی طرح اُسکو اُوڑھا رہا تھا اور پھر نظر اُٹھا کر اُسے مُندی مُندی آں کھوں سے اپنی جانب متوجہ پا کر لمحے بھر کو ٹھٹھک کر یونہی جُھکا کھڑا اُن نیند کے بُوجھ سے گلابی ہوتی آں کھوں میں دیکھتا رہا۔

یاور صاحب کے رُوم کا دروازہ کھُول کر اندر آتا مُصطفیٰ بے اِختیار ٹھٹھکا۔ دِل جیسے چند زینے نیچے بھی پھِسلا تھا شاید۔ اپنے عقب میں آتی ڈاکٹر زرباب کی موجودگی کا اِحساس کر کے مُجبوراً اُسے کھنکھارنا پڑا اور ڈاکٹر مَنّت اِمام جو زمانے سے بے نیاز آنکھوں سے خود پر جُھکے کھڑے شخص کو دیکھنے میں محو تھی لمحے کے ہزارویں حصّے میں جھٹکا کھا کر حقیقت کے بے آب و گیاہ صحرا میں لوٹ آئی۔ اُس سے بھی تیزی سے میجر حدید قوسین سنبھل کر پیچھے ہٹا اور انکل یاور کو ایک نظر دیکھ کر اُس کمرے سے نِکل گیا جبکہ وہ یونہی ہق دق بیٹھی اُس شخص کی پُشت کو نظر آنے تک دیکھتی رہی جو کچھ لمحے پہلے دِل اور نگاہوں کے بے حد قریب تھا مگر وہ وقتی عنایت تھی، پل بھر کا فسُوں۔۔۔

تم سے بچھڑ کر سانس سے رشتہ بحال ہو ؎

ہم کو یہ اِختیار تھا؟ ثابت نہ ہو سکا۔۔۔

-----@-----@-----@------@-----@-----

"بابا جان کو کل ڈسچارج کر دیں گیٔ۔"اُلٹے ہاتھ سے فون کان سے لگائے اور سیدھے ہاتھ سے فائل پر تیزی سے لکھتے ہوئے وہ مدہم آواز میں ہمدی بھائی کو آگاہ کر رہی تھی۔دوسری جانب کی سُن کر وہ کچھ پل ٹھہری اور پھر فائل بند کر کے اُسی مصروف انداز میں کھڑے ہو کر اُوور کوٹ پہننے کے ساتھ وہ وہ ہمدی کی بات بھرپور توجہ سے سُن رہی تھی۔اپنا پیک بیگ اُٹھا کر دونوں کندھوں پر پہنتے ہوئے وہ اپنے آفس کا دروازہ لاک کر کے نِکل آئی۔

"ہاں میں نے پُوچھا تھا مگر آپکو تو معلوم ہے نہ بابا جان کے رولز کا۔"دھیمے سے مُسکراتے ہوئے وہ چند گھنٹوں قبل والی مَنّت نہیں لگ رہی تھی۔

"خیر ہمارا تحفہ پسند تو بہت آیا ہو گا۔کاش میں اُس وقت شکل دیکھ سکتی اُسکی۔"بامُشکل مُنہ پہ ہاتھ رکھتے ہوئے اُس نے اپنی ہنسی کو رُوکا تھا لیکن دوسری جانب ہمدی کا جاندار قہقہ سُن کر اُسکی بھی ہنسی پُھوٹ پڑی تھی کیونکہ اُسکا لاڈلا بھائی برسوں بعد دِل کھُول کر خوش ہوا تھا جسکا یہ قہقہ اِعجاز تھا۔چند قدم دُور کال سے فارغ ہوتے حدید کی غیر اِرادتاً وہاں نِگاہ اُٹھی تھی اور پھر واپسی کا راستہ فراموش کر بیٹھی۔وہ چہرہ، وہ مُسکراہٹ آج بھی اُتنی ہی تابناکی اور کشش سے اپنی جانب اُسکے نڈھال پڑتے دِل کو کھینچ رہی تھی۔تیزی سے نگاہوں کا زاویہ بدل کر وہ کیفے کی جانب چل دیا تھا۔راہداری سے نِکل کر وہ یونہی کسی آشنا چہرے کو دیکھ کر ٹھٹھکی۔

"ایک سیکنڈ، میں آپکو کال بیک کرتی ہوں بھائی۔" ہمدی بھائی کے اِستفسار پر تسلی آمیز لہجے میں کہہ کر اُس نے کال مُنقطع کی، چند پل یونہی سُوچ میں لگے اور پھر وہ فیصلہ کر کے اُس شخص کی سِمت بڑھنے گی جسکا مَنّت اِمام کی جانب نیم رُخ تھا۔

"بات سُنیں۔" اُسکی مدھم آواز پر وہ شخص تیزی سے کچھ چُونک کر پلٹا لمحے بھر کو حیرت کا شِکار ہوا لیکن بامُشکل سنبھل کر مُسکرا دیا۔

"اسلام و علیکم! بھابی۔" ادب سے کچھ جھجھک کر وہ بے ربطی سے بولا تو کچھ پل وہ اِس طرزِ تخاطب پر ساکن سی کھڑی رہ گئی۔ وہ کیوں آ گئی تھی یہاں؟ اِسکو پُکار لینے کا مقصد کیا تھا بھلا؟؟

"خیریت بھابی؟" اُسکو یونہی گُم صم سا کھڑا دیکھ کر اب کے وہ سنجیدگی سے بولا۔ پل بھر کو وہ خالی الذہنی سے اُسے دیکھتی رہی جو حدید کا جگری، بچپن کے زمانوں کا یار تھا اور پھر وہ جیسے ہوش کی دُنیا میں آ کر سر ہلاتے ہوئے الفاظ تلاشنے لگی۔

"وعلیکم اسلام۔ آپ شاید قوسین صاحب کو جانتے ہونگے میں نے آپکو اُن کے ساتھ اکثر دیکھا ہے۔ سہی؟" آہستگی سے کہہ کر اُس نے اَستفسار کیا تھا اور اب تایدی نظروں سے اُسے دیکھ رہی تھی جو بے ساختہ ہنس دیا تھا۔

"جی بالکل۔ میرے باس ہیں اور پھر اپنے حدید کے والد جو ہیں۔" 'حدید' کے نام پر وہ بے ساختہ نِگاہوں کا زاویہ بدل کر اُسکے عقب میں دیکھنے لگی تو زاور کی مُسکراہٹ سِمٹی۔

"خیر، آپ حکم کریں بھابی۔" اب کہ وہ سنجیدگی سے مُودب سا بولا تھا۔ اِتنے اِحترام، اِتنی آو بھاگت پر اُسکا دِل کُرلایا تھا۔ ہمیشہ حدید کی جانب سے، اُسکی وجہ سے ہی اُس نے بہت ساری عزت سمیٹی تھی۔

"یاور سَر کو ڈسچارج کر دیں گے کل۔یہ اِطلاع دے دیجیئے گا قوسین صاحب کو۔"بات مکمل کر کے وہ تیزی سے پلٹ کر چند قدم ہی دُور گئی تھی کہ زاور کی بات سُن کر تھم گئی۔

"میرا نام زاور ہے بھابی اور حدید کے زحم بالکل ٹھیک ہیں ہاتھ اور کندھے والے۔"زاور کی سنجیدہ آواز پر وہ پلٹی نہیں مگر دِل کے چُور نے ضرور اُس سے نِگاہ چُرائی تھی اور پھر وہ کچھ کہے بغیر جس طرح آئی تھی دبے قدموں اُسی طرح چلی گئی۔زاور نے پینٹ کی پاکٹ سے سیل فون نکال کر یونہی نظر اُٹھا کر سامنے دیکھا اور پھر اِدھر اُدھر دیکھے بغیر ناک کی سیدھ میں چل کر آتے حدید قوسین کو واپس آتے دیکھ کر گہری سانس لے کر رہ گیا۔

"تُو کیوں اِس ٹھنڈ میں اِتنی آہیں بھر رہا ہے؟" اُسکے قریب آ کر جوس کا ٹن اُسکی سِمت اُچھالتے ہوئے حدید نے سنجیدگی سے کہا تو وہ قہقہ مار کر ہنس پڑا۔چونک کر تادیبی نظروں سے اُسے دیکھ کر اُس نے اِردگرد نگاہ دُوڑائی اور پھر لوگوں کو متوجہ نہ پا کر زاور کو گھُور کر سیل فون سے ٹائم دیکھنے لگا۔

"ہمیشہ تُو بھرتا رہا ہے میں نے تو کبھی اعتراض نہیں کیا۔"چڑاتے ہوئے لہجے پر حدید نے سیل سے نظریں اُٹھا کر اُسکو دیکھا جو آنکھوں میں شرارت اور ڈھٹائی لیئے ہنس رہا تھا۔

"کچھ بتانا ہے تو پُھوٹ دے مُنہ سے ورنہ میرے ہاتھ سے ضائع نہ ہو جانا۔"حدید کے جُھنجھلائے لہجے پر زاور نے اب کے اُسے بغور دیکھا تھا۔

"کیوں بھئی، تیری دُم پر کِس نے پاؤں رکھ دیا ہے؟" زاور کے تفتیشی انداز پر اُس نے سیل فون پاکٹ میں رکھ کر اُسکو دیکھا جو کھُوجتی نظروں سے حدید کو ہی گھُور رہا تھا۔

"چھوٹ دے مُنہ سے جو کہنا چاہ رہا ہے۔" زاور کے پُریقین لہجے پر وہ چند لمحے کے لیئے زاور کو دیکھ گیا جو اِیسے مُسکرا رہا تھا گویا چُور کو رنگے ہاتھوں پکڑ لیا ہو۔

"بکواس کروا لو بس جتنی مرضی تُجھ سے۔" کہہ کر وہ تیزی سے پلٹ کر باہر جانے کو چل پڑا تو زاور بھی بڑبڑا کر سپیڈ سے اُسکے پیچھے ہو لیا۔

"ٹھیک ہے نہ سہی میں تو تُجھے کچھ ضروری بتانا چاہ رہا تھا۔" کندھے اچکا کر کہتے ہوئے اُسکی بے نیازی دیکھنے لائق تھی۔ حدید نے کھا جانے والی نظروں سے اُسے دیکھا اور وہیں زاور کی ہنسی چھُوٹ گئی۔

"جب معلوم ہے کہ سارے بغیرتوں والے کام مُجھ سے کروانے ہوتے ہیں تو بنا کر رکھا کر نہ مُجھ سے۔" ہنستے ہوئے کہہ کر اب وہ حدید کے لتّے لے رہا تھا اور آخرکار حدید کے چہرے کو بھی ایک مدھم سی مُسکراہٹ چھُو گئی تھی۔

"ہاں شاباش، اب بُول بیٹا کیا کام ہے؟" زاور کے کہتے ہی وہ پھر سے سنجیدہ ہو کر ٹھہر گیا۔ زاور بھی رُک کر بغور اُسکو دیکھ رہا تھا جو شُوز سے اب اِضطراری انداز میں زمین کُھرچ رہا تھا

"کیا بات ہے حدید؟" لمحہ لگا تھا زاور کو سنجیدہ اور مُتفکر ہونے میں۔ وہ اِیسا ہی تھا کم اَز کم حدید توسین کے معاملے میں۔

" ابھی مَنّت کو دیکھا تھا میں نے تو کچھ خیال آیا۔۔۔ مُصطفیٰ۔۔۔" چند پل کی خاموشی کے بعد وہ یونہی سَر جُھکائے زمیں کُھرچتے ہوئے کہہ کر رُکا تو زاور نے قدرے گردن جُھکا کر اُسکا سنجیدہ لیکن بے چین سا چہرہ دیکھ کر گہرا سانس لیا۔

"کیا مُصطفیٰ؟" اُسکے کندھے پر ہاتھ رکھتے ہوئے زاور نے جیسے اُسے خاموش تسلی دیتے ہوئے پُوچھا تھا۔

"مُصطفیٰ کیا مَنّت کو لے کر بہت سنجیدہ ہو گا؟" بہت مدھم سا وہ جیسے خود سے ہی سوال کر رہا تھا۔

پارکنگ لاٹ میں زاور اور حدید کو کھڑا دیکھ کر اُن دونوں کی سِمت مُسکرا کر بڑھتا شخص اپنا نام سُن کر تھما اور حدید کی بات سُن کر اُسکی مُسکراہٹ تیزی سے سِمٹی تھی وہی جو مُصطفیٰ تھا۔۔۔

"یہاں بات مُصطفیٰ کی ہو رہی ہے تو سُو فیصد۔" زاور کے کہنے پر حدید نے جُھکا سَر اُٹھا کر زاور کو دیکھا جس نے فوراً کندھے اچکا کر حدید کے مضطرب دل کو مزید بے چین کر دیا تھا۔

"میں مُصطفیٰ کے بارے میں کچھ نہیں کہہ رہا، کچھ نہیں کہنا چاہتا لیکن تُو جانتا ہے نہ مَنّت میرے لیئے کیا ہے اور وہ مُصطفیٰ ہمارا اِتنا اچھا، صابر سا دوست ہے اُسکے سامنے کوئی بات مت کر دینا جو اُسکا دِل دُکھانے کا سبب بن سکے، تُو سمجھ رہا ہے نہ۔" جیپ کی چابی کو پاکٹ سے نِکال کر اُس نے بہت ٹھہر کر کہتے ہوئے زاور جیسے شوخ سے مَرد کو سنجیدہ کر دیا اور وہ بےاِختیار سمجھ کر سَر ہلا گیا۔چند قدم کے فاصلے پر کھڑے ڈاکٹر مُصطفیٰ نے بُوجھل ہوتے دِل سے آسمان کو دیکھا تھا۔

؎وقت ہر زخم کا مرہم تو نہیں بن سکتا

درد کچھ ہوتے ہیں تا عمر رُلانے والے۔۔۔

"کبھی کبھی تُجھے دیکھ کر دِل کرتا ہے ایک عدد مُحبت کر ہی لوں میں بھی لیکن کوئی ہو بھی تو۔" شرارتاً کہتے ہوئے آخر میں وہ بےچارہ سا مُنہ بنا کر بولا تو حدید کے چہرے کو بھی مُسکراہٹ چُھو گئی۔

"ابھی بھابھی سے بات ہوئی تھی میری۔" لمحے بھر کے توقف کے بعد وہ کچھ سُوچ کر بولا اور حدید قوسین کا دِل دھڑکنا بُھول گیا۔ ٹھہر کر وہ یونہی خالی نظروں سے زاور کو دیکھتا رہا۔

"سَر یاور کے ڈسچارج کا کہا کہ قوسین صاحب کو بتا دینا۔ تیرا پُوچھنا چاہ رہی تھیں مطلب تیرے زخم کا سُو میں نے بتا دیا۔" مَن و عن ساری بات بیان کرتے ہوئے زاور نے حدید کا بُجھتا چہرہ دیکھ کر نِگاہوں کا زاویہ بدل لیا تھا۔ کچھ مزید کہے، کچھ پُوچھے بغیر وہ سَر جھٹک کر جیپ کی جانب بڑھ گیا تو زاور بھی گہرا سانس لے کر اُسکے پیچھے ہو لیا۔ ڈاکٹر مُصطفیٰ پیشانی مسلتے ہوئے جونہی جانے کے لیئے پلٹا چند قدم کے فاصلے پر کھڑی ڈاکٹر اِمام کر دیکھ کر چونکا۔ وہ اُسکی سِمت متوجہ نہیں تھی بلکہ اُسکے عقب میں لمحہ بہ لمحہ دُور جاتے میجر حدید قوسین کو دیکھ رہی تھی۔ مُصطفیٰ نے پہلی بار اُسکی شفاف آنکھوں میں کچھ ٹوٹتا دیکھا اور پھر بکھر کر آنکھوں کے رستے بہہ نِکلا تھا۔ جسے دُو اِنگلیوں کے ساتھ تیزی سے صاف کر کے جھٹکتے ہوئے وہ اندر کی سِمت بڑھ گئی تھی اور ڈاکٹر مُصطفیٰ کتنی ہی دیر وہاں ساکن کھڑا رہ گیا تھا۔

----@-----@------@------@-----@------

"بابا جان اب آپ نے گھر میں مکمل ریسٹ کرنا ہے ورنہ آپ جانتے ہیں نہ کہ ہمدی بھائی میرے ایک اِشارے پر آپکو ہمارے گھر لے آئیں گے۔" اچھی طرح اُنکو کمبل اُوڑھا کر اب وہ اُنکو چکن سُوپ پلاتے ہوئے گویا اُنکی اچھی طرح خبر لے رہی تھی اور وہ اُسکی ڈانٹ کے ساتھ سُوپ

اِنجوائے کرتے ہوئے ہمدی کو دیکھ کر مُسکرا رہے تھے جو مَنّت کی باتوں سے بھرپور متفق نظر آ رہا تھا۔

"مَنّت بالکل ٹھیک کہہ رہی ہے بابا جان۔ آپکو معلوم تو ہے کہ سجاول کِس قماش کا اِنسان ہے پھر بھی آپ میری ایک نہیں سُنتے۔" یاور اِمام صاحب نے مُسکرا کر ہمدی کو بغور دیکھا جو حددرجہ سنجیدگی اور تفکر سے اُنھیں دیکھ رہا تھا۔ اُنکا دِل مُحبت اور شفقت سے مزید بھرنے لگا تھا۔

"جب تک تم تینوں میرے ساتھ ہو مُجھے کچھ نہیں ہو سکتا۔" اُنکے لہجے میں چُھپا مان اور مُحبت محسوس کر کے مَنّت نے مُسکرا کر ہمدی کو دیکھا جو مُضمحل سا مُسکرا رہا تھا۔ وہ پھر سے چُونک گئی۔ آخر یہاں آ کر ہمدی بھائی اِتنا تھک کیوں جاتے ہیں؟ اِتنا بُوجھل اور رائیگاں ہوتا کیوں محسوس کرتے ہیں؟؟ اُس نے پُرسوچ نظروں سے ہمدی کو دیکھا جسکی آنکھوں کی چمک کچھ اور ماند پڑ گئی تھی۔ اِس سے پہلے کہ وہ کچھ مزید سُوچتی دروازے پر ہوتی دستک پر وہ مُسکراتے ہوئے اُٹھ کھڑی ہوئی اور پھر چند قدم دُور دروازے کو بہت آہستگی سے کھُول کر معمول کی طرح نیچے پڑی کھانے کی ٹرے جُھک کر اُٹھائی اور سَر اُٹھا کر جاتی لڑکی کو دیکھا جو ہمیشہ دروازے کو دستک دے کر منظر سے یونہی غائب ہو جاتی تھی۔

"جذاک اللہ، حریم۔" مَنّت کی مدہم آواز پر وہ یک دَم رُکی لیکن پلٹی نہیں یونہی چہرہ پھیر کر اُس نے مَنّت کو دیکھا اور مَنّت کا دِل نہ جانے کیوں پل بھر کو بے طرح دھڑک اُٹھا تھا گُو کہ اُسکا چہرہ دوپٹے کے ہالے میں تھا محض آنکھیں نمایاں تھیں جو کہ مَنّت کو شناسا سی لگیں۔ وہ مَنّت کو اپنی اپنی سی کیوں لگی تھی؟ شاید وہ یاور صاحب کی بیٹی تھی اِس لیئے۔

"مَنّت۔" یاور صاحب کی پُکار پر وہ سنبھلی اور پھر مُسکراتے چہرے کے ساتھ ٹرے لے کر دروازہ بند کرتی اپنی سِمت متوجہ اُن دونوں کی سِمت آئی اور ٹرے ٹیبل پر رکھتے ہوئے اُس نے کنکھیوں سے ہمدی کو دیکھا جو ٹرے کو دیکھ کر نِگاہوں کا زاویہ بدل گیا اور جیسے مَنّت کے دماغ میں تیزی سے جھماکا ہوا۔ اُس نے اب کے ہمدی کو بغور دیکھا اور زیرِ لب مُسکرا دی مگر وہم کی تصدیق بھی ضروری تھی۔

"حریم کے ہاتھ میں بہت ذائقہ ہے بابا جان۔" سموسہ اُٹھا کر چکھتے ہوئے اُس نے ہمدی کو دیکھا جو نہ صرف چُونکا تھا بلکہ عجیب سے تاثرات کے ساتھ قدرے رُخ پھیر گیا تھا یعنی تیر عین نِشانے پر جا لگا تھا۔۔۔ حریم کی تعرف پر یاور صاحب پورے دِل سے مُسکرائے تھے مگر ہمدی کا چہرہ دُھواں دُھواں ہوتا دیکھنا مَنّت کے لیئے بڑا ہی انوکھا تجربہ تھا۔

------@------@-------@-------@-------@-----

"یہ آخر ہوا کیسے اُلو کے پٹھوں؟" سجاول کمرے کی ہر شے تہس نہس کرتا ہوا دھاڑ رہا تھا۔ دن بہ دن وہ لُٹتا جا رہا تھا، تباہ ہو رہا تھا اور وہ خود کو نقصان پہنچانے والوں سے مکمل انجان پہلی بار تھا اِس لیئے اُسکی حالت زخمی سانپ کی سی ہو رہی تھی۔

"سب راکھ کر دیتے بس وہ حویلی چھوڑ دیتے میری۔" اب کے خبر لانے والے کو بالوں سے پکڑ کر پاگلوں کی طرح مارتا ہوا وہ مغالفات بھی ساتھ بک رہا تھا۔ اُسکا بس نہیں چل رہا تھا ورنہ وہ طیش سے ساری دُنیا تلپٹ کر کے رکھ دیتا۔

"فرید کہاں ہے؟" اچھی طرح اپنا غصّہ نِکال لینے کے بعد وہ اب جیسے کچھ بہتر سُوچنے لگا تھا۔ اُسکے پلٹتے ہی زخموں سے چُور، لہولہان ہوتا وہ مُخبر تیزی سے گِرتا پڑتا وہاں سے نِکل گیا.

"وہ تو دو دِن سے غیر حاضر سے سَرکار۔" کچھ دُور قدرے خوفزدہ سے کھڑے مُلازم نے قدرے جھجھک کر کہا تو سجاول ٹھٹھک کر ٹھہر گیا۔

"اِتنے اہم موقعوں پر فرید غیر حاضر۔" تھوڑی کُھجا کر کہتے ہوئے وہ جیسے حیرت کے ساتھ اُلجھن کا شکار بھی معلوم ہوتا تھا۔

"اور ہامان کی کیا خیر خبر ہے۔" اُس نے پُرسوچ آواز میں پُوچھا ساتھ ہی مُلازم کو اِشارے سے قریب بھی بُلایا تھا اور مُلازم 'مرتا کیا نہ کرتا' کہ مصداق ڈرتا، جھجھکتا ہوا آگے بڑھا۔

"گاڑی تیار کرواؤ جا کر۔ آج ہامان کی عیادت کو جانا ہے میں نے۔" چابی اُس قریب آتے مُلازم کی جانب اُچھالتے ہی اُس نے وہ جھٹ ہوا میں ہی تھام لی اور تیزی سے باہر کی جاب دُوڑ گیا تھا۔ اب اِدھر سے اُدھر چکر کاٹتا ہوا وہ بے حد مُتفکر، تشویش کا شکار تھا۔ دشمن کا گھیرا، گلے کے پھندے کی مانند اُسکے گِرد تنگ ہوتا جا رہا تھا۔

------@------@-------@------@------@------

وہ اب ڈاکٹر مَنّت اِمام کو دیکھ کر پہلے کی طرح بدحواس نہیں ہوتی تھی نہ ہی خوف اور عدم اعتمادی کا حملہ ہوتا تھا جس سے وہ کافی خوش اور پُرجوش تھی۔ سُوچوں کے گرداب میں اُلجھی وہ آگے بڑھ رہی تھی کہ کسی سے زوردار تصادم کی بدولت اِس سے پہلے کہ وہ لڑکھڑا کر گرتی کسی نے نرمی سے اُسے سنبھال لیا تھا۔ بےاِختیار خوفزدہ ہو کر اُس نے تیزی سے اوپر دیکھا اور اپنی جانب قدرے جُھک کر کھڑے متفکر اور حیرت ذدہ سے شخص کو دوبارہ سے اپنے رُوبرو دیکھ کر وہ بُوکھلاتے ہوئے پیچھے ہوئی۔

"مُحترمہ! آرام سے۔" پیچھے سیڑھیوں کا اِختتام دیکھ کر اُس نے تیزی مگر نرمی سے کہا تھا۔شرمندگی، ندامت اور پشیمانی گو کہ اِن سب کا معنی یکتا ہے مگر اُس نے بیک وقت یہ سب محسوس کیا تھا۔ شرمندگی اور معذرت خواہانہ انداز سے جھجھک کر جھکتے ہوئے وہ ہاتھ سے چہرے کو چُھپا کر بہت پُھرتی سے اُن دونوں کے برابر سے گُزری جو فوجی وردی میں ملبوس پلٹ کر اُسکو بھاگ کر جاتا دیکھ رہے تھے۔حدید خاموشی سے آگے بڑھ کر لفٹ کر کھڑا ہو گیا جبکہ زاور ابھی تک پلٹ کر وہیں دیکھ رہا تھا جہاں سے وہ گئی تھی جو اُس سے کئی بار ٹکر کر بُوکھلاتے ہوئے یونہی بھاگ جایا کرتی تھی۔وہی جسکا نام داکٹر ارباب تھا۔

"میری خیال سے وہ بےچاری کب کی جا چکی ہے۔" حدید کی مُسکراتی آواز پر وہ سر کُھجاتے ہوئے اُسکے برابر آ کھڑا ہوا تھا۔

"ہاں جا تو چکی ہے۔" زاور کی کچھ دِلگرفتہ سی آواز پر حدید نے چہرہ پھیر کر مُسکراتی نظروں سے بغور اُسکو دیکھا جو سَر اُٹھائے لفٹ کے تیزی سے چلتے نمبرز کو اب دیکھ رہا تھا۔

"لیکن لگ رہا ہے نہیں گئی۔" حدید کے پُریقین انداز پر زاور نے ٹھٹھک کر اب کے اُسے دیکھا جو یقیناً اُسکی حالت سے بےحد محضوظ ہو رہا تھا۔

"بکواس نہ کر۔" اُسکے جھینپتے ہوئے کہنے پر حدید خود کو قہقہ لگانے سے رُوک نہیں پایا تھا۔اُسکا جاندار قہقہ راہداری میں بہت دُور تک گیا تھا۔وہیں سَر جُھکا کر آتی مَنّت کو چونک کر سَر اُٹھانے پر مجبور کر دیا تھا۔ہاں وہ وہی تھا۔بےفکری سے قہقہے لگاتا ہوا یوں جیسے اُسکا غموں اور پریشانیوں سے دُور دُور تک کا بھی واسطہ نہ ہو۔مَنّت کے اندر تک تلخی اور غصّہ اُتر آیا لیکن وہ سَر جھٹک کر بہت مدھم

قدموں سے اُس بے خبر سے کھڑے سے شخص کے پیچھے عین چند قدم کے فاصلے پر سیل فون ہاتھ میں تھام کر مصروف سی کھڑی ہو چکی تھی۔

"اچھا بکواس، چند دِن پہلے تک تو میری طرح مُحبت میں مُبتلا ہو جانے کا خبط سوار تھا۔ کہیں یہ اُسی سلسلے کی جانب تیسرا، چوتھا قدم تو نہیں۔" اُسکی مُسکراتی لہجے پر جہاں زاور کی ہنسی چھوٹی ہیں مَنّت کا دھیان، ساری سماعت اُس جانب مُنتقل ہو گئی بظاہر وہ فون کی جلتی سکرین کو دیکھ رہی تھی مگر اِک اُداس سی، خالی نِگاہ ضرور اُسکی مضبوط پُشت پر ڈالی تھی۔

؎ حسرت سے سُوچتے ہیں تُجھے دیکھ کر ہم

بندہ وفا پرست ہو چاہے حسیں نہ ہو۔۔۔۔

"کچھ بھی کہنا قبل اَز وقت ہو گا مگر یہ طے ہے کچھ تبدیل تو ہوا ہے دِل کی دُنیا میں۔" زاور کی سنجیدہ بات پر حدید سے اپنی ہنسی ضبط کرنا محال ہو رہا تھا۔

"مُجھے کہنا اچھا تو نہیں لگ رہا مگر یار زاور کِس شے نے دِل کی دُنیا بدل دی۔ اُس لڑکی کی حماقتوں نے بُوکھلاہٹ نے؟؟" بے حد سنجیدگی سے کہتے ہوئے آخر میں ہنس کر وہ حفظِ متقادم کے طور پر قدرے زاور سے دُور ہو گیا تھا جس نے کھانے والی نظروں سے اُسے گھورا تھا۔

"بالکل اُسی شے نے جسکی وجہ سے تُو بھابھی پر مَر مِٹا تھا۔" زاور کی مُسکراہٹ بھری آواز پر مَنّت نے تیزی سے دھڑکتے دِل کے ساتھ سَر اُٹھا کر اُسکو دیکھا جسکا مَنّت کی جانب نیم رُخ تھا اور وہ اُسکے چہرے کی سِمٹتی مُسکراہٹ کو بند ہوتے دِل کے ساتھ دیکھ کر سَر جُھکا کر دوبارہ سے فون کی تاریک

ہو چکی سکرین کو گھورنے لگ گئی۔ اُسکا جی چاہا وہ یہاں سے سرپٹ بھاگ جائے مگر اُسکے قدم جیسے زنجیر ہو گئے تھے۔

کچھ پل دبے پاؤں یونہی خاموشی سے سرک گئے تو زاور کو اِحساس ہوا کہ وہ کیا کہہ چکا ہے۔ حدید نے خاموشی سے چہرہ پھیر کر لِفٹ کے بٹن کو دو، تین بار اِضطراری انداز میں پُش کیا اور زاور کو مزید شرمندہ کر گئی تھی اُسکی یک دَم چھاتی خاموشی۔

"معذرت یار۔" زاور نے آگے کو ہو کر اُسکے کندھے پر تسلی بھرا ہاتھ رکھا تو زاور کو دیکھ کر وہ بامُشکل مُسکرایا اور یہ مُسکراہٹ دیکھنا زاور کے لیئے ہمیشہ سے بہت مُشکل رہا تھا۔

"ہاں ایک یہی قصور ہو گیا مُجھ سے کہ اُس پر مَر مٹا تھا بغیر کچھ سُوچے، کچھ سمجھے۔" سَر جُھکا کر وہ بہت مدھم سا کہہ کر مَنّت کی دھڑکن رُوک گیا تھا۔ ہر سمت جیسے مُضمحل اُداسی نے ڈیرہ ڈال لیا تھا۔ مَنّت یونہی سَر اُٹھائے ساکن ہوتے دِل سے اُس شخص کو دیکھ رہی تھی جسکی آواز میں بہت سُوز تھا۔ وہی شخص جسے دیکھ کر آج بھی دِل اُسی رفتار سے دھڑک اُٹھتا تھا۔ جسکا دھڑکنوں میں آج بھی کہیں بسیرا کیئے ہوئے تھا۔ جو مَنّت پر مَر مٹنے کو اب قصور گردان رہا تھا

"بڑے عرصے بعد خیال نہیں آیا ورنہ ہم تو سمجھا سمجھا کر آدھے رہ گئے۔" زاور کے سنجیدہ انداز پر اُس نے نِگاہوں کا زاویہ بدل کر زاور کو دیکھا اور پھر گہری، تھکی سانس لے کر رہ گیا۔

"میرے بس میں کہاں تھا اور معلوم بھی تو نہیں تھا کہ وہ میری جان کا رُوگ بن جائے گی۔" وہ جیسے بہت مَلال سے کہہ رہا تھا۔ اُسکی آواز کی شِکستگی اور تھکاوٹ پر مَنّت کا دِل سُکڑ کر پھیلتے ہوئے ویران ہو گیا تھا۔ وہ سب جو اُس نے سہا تھا یکے بعد دیگرے اُسکی گیلی پڑتی آنکھوں کے آگے لہرانے لگ

گئےل کونسا رشتہ تھا جو اُس نے نہ کھویا تھا، کِس قدر جگ ہنسائی اور ذلت سمیٹی تھی صرف اُس شخص کی خاطر۔رشتے، مان، مُحبت، اپنے سب کچھ لمحوں میں ہاتھ سے سَرک گئے تھے اور اب حدید قوسین کے الفاظ۔۔۔اُسکو اپنا برسوں کا لمبا، کڑی دھوپ کا دُشوار گُزار سفر جو بُمشکل طے کیا تھا، رائیگاں جاتا مُحسوس ہوا۔

؎جس مُشقت میں گُزاری ہے زندگی ہم نے

تیرا مِل جانا بھی اب اُجرت نہیں ہے۔۔۔

"دِل چُھوٹا مت کر۔تُو تو وہ حدید ہے جو آٹھ سالوں سے اپنی جگہ مضبوطی سے کھڑا ہے قدموں کے نیچے زمین نہ ہونے کے باوجود بھی۔تُو اپنوں کے کتنے ہی جنازوں کو کندھا دے چکا ہے۔حدید نے تو بھابھی کی کوئی خیر خبر نہ ہونے کے باجود اُنکو دَربدر بھٹک کر ہر جگہ ڈھونڈا اور اُنکے گھر والوں کی نفرت بھی تنہا ہی سہی اور اب اِتنی مایوسی؟؟" زاور نے اُسکے شانے پر ہاتھ رکھتے ہوئے ایک سانس میں اُسکو سب یاد دِلانا چاہا تھا جو اُس تنہا نے جھیلا تھا اور مَنّت اُس کو لگا گویا ساتوں آسمان اُسکے سَر پر آ گِرے ہوں۔یہ کیا سُن رہی تھی وہ؟ جنازے، خیر خبر نہ ہونا، گھر والوں کی نفرت سہنا؟؟ یہ سب کیا تھا؟ اِیسے کیسے ہو سکتا تھا؟؟؟

اِس سے پہلے کے حدید اور زاور لِفٹ سے اُکتا کر پلٹتے وہ اُن سے پہلے دبے قدموں سے راہداری میں گُم ہو گئی اور حدید نے بےاِختیار پلٹ کر پیچھے دیکھا تھا۔

"کیا ہوا؟؟" زاور نے حیرت سے اُسکی بے چینی کو دیکھتے ہوئے پُوچھا۔

"معلوم نہیں۔یوں لگا مَنّت کہیں قریب ہی ہے۔"وہ جیسے بہت مدہم سا بولا اور زاور بس تفکر سے اُسے دیکھا تھا۔

"سَر یہ لیفٹ خراب ہے۔"کسی ورکر نے آکر کہا تو زاور اور حدید ایک دوسرے کو دیکھ کر رہ گئے۔

"اِتنی جلدی اِطلاع دینے کا شکریہ۔اِس لِفٹ کے آگے براہِ کرم کوئی سائن بُورڈ رکھ دیں تاکہ کسی اور کا تو وقت ظائع نہ ہو۔"سنجیدگی سے کہہ کر وہ تیزی سے سیڑھیوں کی سِمت بڑھ گیا تو زاور معذرے خواہانہ انداز میں اُس ورکر کا شانہ تھپتھپا کر حدید کے پیچھے تیزی سے ہو لیا۔

------@------@------@-----@-------@------

"دشمن کو زیر کرنے کا طریقہ معلوم ہے کہ کیا ہے، ہمدی بھائی؟" بڑی سی ایل۔سی۔ڈی جس پر یکے بعد دیگرے سجاول کے نقصان کی تصویریں اور ویڈیوز چل رہی تھیں کے سامنے کھڑے اُس پر گہری نظر جمائے وہ بہت مدہم سا کہتے ہوئے کچھ ضروری کاغذات کی رُوگردانی کرتے ہمدی کو چُونکا گئی تھی۔ہمدی نے فائل سائیڈ پر رکھتے ہوئے بغور اُسکو دیکھا جسکا ہمدی کی جانب نیم رُخ تھا۔

"تمہارا زیادہ تجربہ ہے۔تم ہی بتا دو۔"ہمدی کے مُسکراتے لہجے پر وہ آہستگی سے پلٹی اور اُسکے چہرے کی مدہم مگر سَرد سی مُسکراہٹ کو دیکھ کر ہمدی کا دِل کہیں اندر تک اُداس ہو گیا تھا۔وہ اُسے سات سال سے جانتا تھا پھر بھی وہ دِل کے بے حد قریب ہو گئی تھی۔ایک الگ سا مقدس رشتہ بندھ گیا تھا۔کئی رشتوں کی کمی دونوں نے ایک دوسرے کے لیئے بھرنے کی کوشش کی تھی۔بہن، بھائی، دوست، ماں، باپ ہاں وہ ضرورتاً یہ سب ایک دوسرے کے لیئے بن گئے، خون کا رشتہ نہ ہونے کے باوجود بھی۔

وہ مَنّت ہی تھی جس نے اُسے جینے کا ہدف فراہم کیا تھا۔جس نے اُسے نااُمیدی اور مایوسی کے اندھیروں سے کھینچ کر اُمید اور روشنیوں سے متعارف کروایا تھا۔اُسکے بھٹکتے، نکارہ ہوتے وجود کو ہمت دے کر کام میں لانے کا اہل بنایا تھا۔وہ 'مُحسن' تھی اور ہمدی 'احسان مند'وہ 'بہن' تھی اور ہمدی اُسکا 'بھائی' وہ 'ہمراز' تھا تو وہ یعنی مَنّت 'ہمزاد'۔ہاں وہی "ہمزاد" تھی جو ظالموں کے لیئے خوف کی علامت بن گئی تھی۔جس نے اندھیروں کو اپنا مسکن بنا لیا۔جسکا مقصد آنکھ کے بدلے آں کھ بن گیا تھا۔جسے ہمدی نے صرف کسی ایک شخص کے لیئے رُوتا، بِلکتا دیکھا تھا ورنہ وہ ایک مضبوط، کبھی نہ ہلنے والی چٹان بن گئی تھی جس پر کسی مُوسم کا اثر ہوتا دِکھائی نہیں دیتا تھا۔جو آٹھ سالوں سے بڑے ہی شان اور طمراق سے کھڑی تھی۔عورت ہونے کے باوجود، تہی دَست ہونے کے باجود بھی۔۔۔۔

"خیر، تجرنہ کار تو آپ مُجھ سے بھی زیادہ ہوتے جا رہے ہیں۔"وہ جیسے ہمدی کی بات سے بے حد محضوظ ہوئی تھی۔

"جب دشمن کو بہت گہری چُوٹ پہنچے اُس وقت ایک آخری ضرب پُوری قوت سے لگا کر اُسکا کام مکمل طور پر تمام کرنا۔"اب کے اُسکے لہجے میں بے پناہ سختی تھی۔ہمدی نے بھی سنجیدگی سے سَر ہلایا تو اُس نے ہاتھ میں پکڑا ہوا چاقو گُھما کر سکرین پر اُبھرتی تصویروں کی جاب تیزی سے اُچھالا اور ایل۔ای۔ڈی کی سکرین ایک چھناکے سے وہاں سے دڑاڑ کا شکار ہوئی تھی جہاں چاقو نصب ہو گیا تھا اور وہ دونوں ہاتھوں کو بینچے نفرت سے ٹوٹی سکرین پر ٹھہری تصویروں کو دیکھ رہی تھی۔

-------@------@-------@-------@-------@------

وہ جس وقت اپنے آفس میں بیٹھی ضروری فائلز کو ری چیک کرنے میں مگن تھی اُسی وقت ڈاکٹر ارباب بُوکھلائی، گھبراتی ہوئی اُسکے آفس میں تیزی سے اندر آ کر مَنّت کو چُونکا گئی تھی۔

"سب خیریت ہے؟" مَنّت نے قدرے تحیر سے اُسے دیکھا تھا جو خوفزدہ تھی اور بُول نہیں پا رہی تھی۔مَنّت فائلز چھوڑ کر تیزی سے اُٹھ کھڑی ہوئی۔

"میم وہ باہر پیشنٹ علی کو کچھ غنڈے زبردستی لے کر جا رہے ہیں۔"ہکلا کر کہتے ہوئے وہ باہر کی سِمت اِشارہ کرتے ہوئے بولی اور اُسکی بات پُوری سُنے بغیر وہ تیزی سے باہر بھاگی۔

"کیا ہو رہا ہے یہاں؟" علی کو گھسیٹتے ہوئے دو لمبے تڑنگے بندوں کے عین سَر پر جا کر وہ قدرے اُونچی آواز میں بولی اور وارڈ میں اُسکی آمد سے خاموشی چھا گئی۔اُن بدمعاشوں کے ٹولے نے پلٹ کر تمسخرانہ انداز میں سَر تا پا اُس حجاب میں لپٹی تمکنت سے کھڑی لڑکی کو گھورا تھا۔

"اُو میڈم! دِکھائی نہیں دے رہا کہ ہم یہاں سے اپنا مہمان لینے آئے ہیں۔"اُسی بدمعاش نے مُونچھوں کو تاؤ دیتے ہوئے اُسکے عین سامنے کھڑے ہوتے ہوئے کہا۔مَنّت نے ناگوار نظروں سے اُسے دیکھ کر علی کو دیکھا جو بے حد گھبرایا ہوا معلوم ہو رہا تھا۔

"اِس مہمان کو کچھ دِن مزید آرام کی ضرورت ہے سُو بہتر ہے ہاتھا پائی کے بغیر ہی یہاں سے چلتے نظر آؤ سب۔"اُسکی سنجیدہ آواز پر وہاں موجود تمام ڈاکٹرز نے اب کے کچھ اِطمینان سے ایک دوسرے کو دیکھا تھا کیونکہ اُن کے نزدیک اِیسے معملات ڈاکٹر مَنّٹ اِمام سے بہتر کوئی نہیں سنبھال سکتا۔سیڑھیاں اُتر کر آتے حدید اور زاور اِتنا رش دیکھ کر ٹھٹھک کر ٹھہر گئے اور پھر مَنّت کو یوں تن

تنہا اِتنے سارے مردوں کے سامنے کھڑا دیکھ کر حدید کا دماغ پل بھر میں گھوما تھا۔اِس سے پہلے کہ وہ آگے بڑھتا زاور نے تیزی سے اُسکا ہاتھ پکڑ کر رُوکا تھا۔

"کیا مُصیبت ہے۔چھوڑ مجُھے زاور۔"غصّے سے اُس نے اپنا ہاتھ جھٹک کر چھڑوانہ چاہا مگر زاور کی گرفت مضبوط تھی۔

"پاگل ہر جگہ لڑنا مرنا نہیں ہوتا۔بھابھی عقل والی ہیں آرام سے معملا سُنبھال لیں گی۔"زاور کی بات ہر وہ پل بھر کے لیئے سُوچ میں مُبتلا ہوا اور پھر زور کا ہاتھ جھٹک کر تیزی سے باقی ماندہ سیڑھیاں پھلانگ کر ہجوم کی سمت بڑھ رہا تھا اور زاور کا جی چاہا اپنا سَر پیٹ لے۔

"اُو میڈم ہٹ سائیڈ پہ۔ہمارا ٹائم نہ ذائع کر۔"دوسرا بندہ تیزی سے ہاتھ اُٹھاتا ہوا آگے بڑھا لیکن مَنّت کی ایک تیز مگر سَرد نظر نے اُسکو یک دَم قدم پیچھے ہٹانے پر مجُبور کر دیا۔

"اگر دوبارہ ہاسپٹل میں آ کر یوں تماشا کیا تو بہتر نہیں ہو گا۔"علی کو ایک جھٹکے سے اُنکے نرغے سے چھُڑا کر وہ تنبیہی لہجے میں بولی اور پھر علی کو بیٹھنے میں مدد دے کر اُسکو ڈرپ لگانے میں مصروف ہو گئی اور سب لوگ سانس رُوکے ڈاکٹر مَنّت اِمام کی جُراءت کو ہمیشہ کی طرح دیکھ رہے تھے۔حدید نے ساکن ہوتے دِل سے اُس آدمی کو چاقو لے کر مَنّت کی پُشت سے حملہ کرتے دیکھا اور پھر تیزی سے رش کو چیرتا ہوا وہ اُس تک بڑھا لیکن وہ ایک بار پھر بُھول گیا کہ وہ اب مَنّت اِمام تھی سُو وہ تیزی سے پلٹی اور اُسکی کلائی ایک جھٹکے سے مروڑ کر چاقو لمحے کے ہزارویں حصے میں نیچے گرا دیا۔اِس سے پہلے کہ وہ کلائی جھٹکے جانے پر درد سے کراہتا، مَنّت نے اپنے سینڈل کا کونا اُسکے گھُٹنے پہ مار کر اُسے گھُٹنوں کے بل گِرتے ہوئے پلٹ کر علی کو دیکھا تھا جو ہک دق ڈاکٹر مَنّت اِمام کو دیکھ رہا تھا۔

"آرام کریں۔ آپ یہاں ہماری ذمہ داری ہیں۔" علی کو تسلی دے کر وہ پلٹی لیکن چند قدم کے فاصلے پر بے یقین سے کھڑے سے حدید قوسین کو دیکھ کر ٹھٹھکی پھر اُسی تیزی سے نِگاہوں کا زاویہ بدل کر اب کر ابھی تک کراہتے ہوئے اُس آدمی تک آئی اور قدرے جُھک کر اُسکے بالوں سے پکڑ کر اُسکا چہرہ اُونچا کیا۔ بال زاور دار طریقے سے کھینچے جانے پر اُسکی چیخ نے حدید کو مزید حیرت بھری بے یقینی میں دھکیل دیا تھا۔ گو کہ وہاں موجود باقی سب ڈاکٹر اِمام کے اِس رُوپ کو دقتاً فوقتاً دیکھتے رہتے تھے پھر بھی وہ سب ہمیشہ اُسکی جُرائت پر نئے سَرے سے حیرت کا شکار ہوتے تھے۔ حدید حیرت سے اُسکا جارہانہ رویہ دیکھ رہا تھا جو پہلے چیونٹی تک کو نہیں کچل سکتی تھی پھر اِتنا ہٹا کٹا مَرد کیسے زیر کر لیا تھا اُس نے؟

"شاید میں نے بتایا نہیں لیکن پیچھے سے وار کرنے والوں کو میں معاف نہیں کیا کرتی۔" اُسکی مدہم، سَرد سی آواز جو اُس کراہتے شخص یا چند قدم کے فاصلے پر کھڑے حدید تک پہنچ پائی تھی۔ پہلے بھی حدید نے مَنّت کو بہت سارے مَردوں کے ساتھ ماہرانہ انداز میں لڑتے دیکھا تھا جب مُجاہد کے بندے اُسکو اغوا کر کے لے گئے تھے مگر تب حدید کا دِل اِس قدر خوفزدہ تھا کہ وہ کچھ اور سُوچ سمجھ ہی نہ سکا۔

اور اِس سے پہلے کہ وہ کراہتا شخص اپنے چیلوں کو واپسی کا کہتا اُنہوں نے اپنے باس کو دیکھ کر تنہا کھڑی اُس عورت پر دھاوا بُول دیا تھا۔ اِس سے پہلے مَنّت اُن سب کا بھی وہی حشر کرتی حدید نے پُھرتی سے آگے بڑھ کر مَنّت کو اپنی اُوٹ میں لے کر سائیڈ پہ کیا تھا اور مَنّت کو حیران ہونے کا بھی موقع دیئے بغیر اب وہ خود اُن سے نمپٹ رہا تھا۔ وہاں ایک مجمع سا لگ گیا تھا۔ کچھ دلچسپی سے جبکہ

کچھ نا سمجھی سے اُسے دیکھ رہے تھے جو اُن پر صفائی سے ہاتھ صاف کر کے اب زاور کی پھینکی گئی ہتھکڑی لگا رہا تھا باری باری۔

آخری والے نے حدید کی غفلت کو بھانپتے ہوئے چاقو لے کر ہاتھ میں چُھپایا اور اپنی جانب پُشت کیئے ساکت سی کھڑی اُس لڑکی کی جانب تیزی مگر ہوشیاری سے بڑھا تھا جس نے اِس سب کی شروعات کی تھی۔اِس سے پہلے کہ مُصطفیٰ آگے بڑھتا حدید نے ہاتھ آگے بڑھا کر راستے میں ہی اُس چاقو کو گرفت میں لیتے ہوئے رُوک لیا تھا۔بہت سی چیخوں پر مَنّت نے دہل کر پیچھے دیکھا اور اُس نے بامُشکل اپنے ہونٹوں پر ہاتھ رکھتے ہوئے چیخ کا گلا گُھونٹا اور اب صدمے سے بے سُدھ ہوتے دِل سے وہ اُسکو دیکھ رہی تھی جسکے ہاتھ سے خون روانی سے بہہ رہا تھا لیکن مَنّت نے آج بھی اُسکے چہرے پہ کوئی تکلیف دہ تاثرات نہ پائے تھے۔

"عورت پہ پیچھے سے حملہ کرنا بہادروں کا شیوہ نہیں ہوتا۔"چاقو یونہی ایک ہاتھ سے گرفت میں لیئے وہ اُس بندے کو دھکیلتا ہوا پیچھے لے جا رہا تھا۔بَھل بَھل کر گرتے خون سے بے نیاز اُس نے دوسرے ہاتھ کھڑا کر کے اُسکی گردن پر ایک ہی ضرب سے مار کر اُس بندے کو پُورے وجود سے گرا کر ہاتھ جھٹکا اور پھر چاقو قریب آتے زاور کے حوالے کرتا ہوا وہ ششدر سی کھڑی مَنّت کی سِمت بڑھا جو دونوں ہاتھ ہونٹوں پر جمائے حیرت بھری نظروں سے دیکھتی حدید قوسین کو دِل ہی دِل میں مُسکرانے پر مجبور کر گئی تھی۔

"تم ٹھیک ہو؟" عین اُسکے رُوبرو آ کر حدید نے مَنّت سے کہا جو یک ٹک اُسی کو دیکھ رہی تھی۔حدید نے نرمی سے دوسرا ہاتھ بڑھا کر اُسکے شانے پر رکھا تو وہ چونک کر جیسے اُس لمس کی بدولت ہوش کی

دُنیا میں آئی تھی۔کندھے پر برسوں بعد وہی مہربان، محبت بھرا لمس محسوس کر کے اُسکا دِل پھر اُسی رفتار سے دھڑک اُٹھا وہی رفتار جس سے دھڑک اُٹھنا دِل جیسے بُھلا بیٹھا تھا۔وہاں موجود تمام ڈاکٹرز حیرت بھری بے یقینی سے میجر حدید قوسین کی اِس قدر اپنائیت اور محسوس کی جانے والی مُحبت کو دیکھ رہے تھے جو ہمیشہ سَرد، سپاٹ سا رہتا تھا ہمہ وقت۔ڈاکٹر سارہ نے تنفر سے یہ سب دیکھا۔دِل میں جیسے مَنّت اِمام کے خلاف عناد کچھ اور بڑھا تھا۔سارا سٹاف اب مَنّت اِمام کے شدید ردِ عمل کے مُنتظر تھے۔جیسے وہ باقی سارے مردوں کو دُو ٹوک جواب دے کر حد میں رکھا کرتی تھی۔

"آ۔۔آپ کا خو۔۔خون نِکل رہا ہے۔"اُسکے مدھم بے ربط مگر مُتفکر لہجے پہ حدید نے بغور اُسکے چہرے کو دیکھا۔دِل جیسے شاد ہو کر دھڑکا تھا مگر وہ اُسی سنجیدگی سے سنبھل کر آگے ہوا اور اپنا دوسرا بازو دراز کرتے ہوئے اُسکو اپنے حصار میں لے کر مَنّت کو کچھ بھی سُوچنے سمجھنے کا موقع دیئے بغیر اُس ہجوم سے لے کر نِکل آیا تھا۔پیچھے سب ششدر سے پلٹ کر جاتے ہوئے اُن دونوں کو دیکھ رہے تھے جن کا آپس میں ربط بہت گہرا معلوم ہوتا تھا۔جسے ہمیشہ کی طرح ڈاکٹر اِمام نے جھٹکا نہیں تھا جیسے وہ سب کو جھٹکتی آئی تھی۔سب بے یقین ہو کر اُس حصار میں ٹرانس میں جاتی ڈاکٹر مَنّت اِمام کو دیکھ رہے تھے اُنھیں میں ڈاکٹر مُصطفیٰ بھی تھا۔ مُضمحل، نڈھال سا۔۔ مُصطفیٰ ہار چکا تھا، مَنّت جیت گئی تھی۔مَنّت ہار گئی تھی، حدید جیت گیا تھا۔۔۔

وہ مُجھ سے جیت کر آگے کسی سے ہارا ہے

اور اِس کا رنج مُجھے مات کے علاوہ ہے۔۔۔

-----@------@------@------@------@-----

مَنّت ایک کیف میں اُس شخص کے ساتھ، اُسکے حصار میں چل رہی تھی جسکی پناہ میں آج بھی اُتنا ہی تحفظ ویسی ہی ٹھنڈی تھکان اُتار دینے والی چھاؤں تھی۔جو دِل کو مائل کرنے کا ہنر آج بھی جانتا تھا۔ مسلسل خود پر پڑتی نظروں پر حدید نے چہرہ پھیر کر اُسکو دیکھا جو آٹھ سال بعد اُسکے پاس، اُسکے حصار میں آئی تھی۔جسکے لیئے اُس نے اپنی زندگی کے آٹھ سال دربدر بھٹکتے ہوئے پھونک ڈالے تھے۔اُسکی اُداسی میں لپٹی، حیران آنکھوں کو دیکھ کر حدید کا دِل ایک بار پھر سے اِختیار سے باہر ہو جانے کی ضد کرنے لگا تھا۔وہ دونوں کتنے ہی پل ٹھہر کر یونہی ایک دوسرے کو دیکھتے رہے۔آٹھ سال نے چہرے کے نقوش میں کچھ تبدیلی رُونما کر دی تھی، مزاج بدل دیئے تھے۔زیاں بہت عظیم تھا۔۔

کہا تھا نہ جاؤ اور اب دیکھتے ہو کہ اِن دُوریوں نے

ہمیں اپنی عمروں سے کتنا زیادہ بڑا کر دیا ہے

ہوا یوں کے سانسوں کے سب سلسلے اُسکے قبضے میں دے کر

مُحبت کے چکر میں ہم نے بندے کو خُدا کر دیا ہے۔۔۔

اُسکے دونوں شانوں پر ہاتھ کا دباؤ دے کر اُس نے مَنّت کو چُونکا کر بینچ پہ بٹھا دیا تھا۔مَنّت یونہی خاموشی سے اُسے دیکھ رہی تھی جو اپنے ہاتھ کی پرواہ کیئے بغیر اُسکے ہاتھوں کا جائزہ لے رہا تھا کہ یک دَم مَنّت نے اپنا بائیاں ہاتھ بڑھا کر حدید کا خون سے تربتر ہاتھ تھام لیا۔حدید نے ٹھٹھکتے ہوئے تیزی سے سَر اُٹھا کر اُسکو دیکھا جو چہرے پر کوئی بھی تاثرات لائے بغیر اُسکے زخمی ہاتھ کا جائزہ لے رہی تھی پھر کچھ سُوچ کر اپنے دوپٹے کا کونہ پھاڑتے ہوئے اُس نے حدید کو چُونکا دیا تھا۔اب وہ اپنے کام میں مگن تھی اُسکی تحیر میں ڈوبی نظروں کو خاطر میں لائے۔

اُسکی اچھے سے دوپٹے سے بینڈج کر کے اُسکا ہاتھ مَنّت نے آہستگی سے اُسکی گُود میں رکھ کر ایک نظر اپنے خون آلود ہاتھوں کو دیکھ کر حدید کو دیکھا جو اُسکی جانب جی جان سے متوجہ تھا۔دھک دھک کرتے دِل کے ساتھ وہ تیزی سے اُٹھ کھڑی ہوئی۔حدید نے یونہی بیٹھے بیٹھے ہی چہرہ اُٹھا کر اُسے دیکھا جو اب الوداعی نِگاہ اُس پر ڈال کر آگے بڑھی تھی لیکن پر رُک کر اُس نے حدید قوسین کے ہمکتے دِل کو ساکن کر دیا تھا۔

"مُجھے اپنی حفاظت کرنا خُوب آتا ہے یقیناً دیکھ لیا ہو گا اِس لیئے آئندہ میرے لیئے کبھی آگے مت بڑھنا۔" پلٹے بغیر اُس نے بہت ہی مدہم سا کہہ کر حدید کے دُکھتے دِل کو کچھ اور بھی سُوگوار کر ڈالا اور پھر وہ منظر کی ساری رونق اور شادابی لے کر اُسکی نظروں سے اُوجھل ہو گئی تھی۔

ہنسی خوشی نیا غم دان کر دیا ہے مجھے

پر اُس نے یہ سب نہیں جان کر دیا ہے مجھے
نہ پھیر مُجھ سے تُو اپنی اُداس آں کھیں
خُدا نے اِن کا نگہبان کر دیا ہے مجھے
یہی تو دُکھ ہے ستم گر تیرے رویے نے
دُکھی نہیں کیا، حیران کر دیا ہے مجھے
کسی کو رُوپ میں بھگوان کے نظر آیا
کسی کی آنکھ نے رحمان کر دیا ہے مجھے۔۔۔

-----@-----@--------@-------@------@-----@-----

"اُس فوجی سے نِکاح کروا کر تم کچھ زیادہ ہی ہواؤں میں نہیں اُڑنے لگی۔"بیڈ کراؤن سے ٹیک لگا کر آں کھیں مُوندے وہ خوبصورت تصور کے زیرِ اثر مُسکرا رہی تھی کہ مائدہ کی نخوت ذدہ آواز پر بے یقنی سے آنکھیں کھُول کر سیدھی ہو بیٹھی۔ناسمجھی سے اب وہ مائدہ کے اِتنے سخت اور سَرد تاثرات کو بغور دیکھ رہی تھی۔مائدہ نے بھی اب اپنی نفرت چُھپا لینے کا تکلف تک نہیں کیا تھا۔

"تمھیں کیا ہوا ہے مائدہ؟ بجائے خوش ہونے کے کہ میری جان چُھوٹ گئی اُس سجاول سے تم کل سے مُجھ پر آتے جاتے طنز کر رہی ہو۔"مَنّت نے بھی بغیر کسی لگی لپٹی کے کہا تو مائدہ کی آنکھوں میں پہلے حیرت اور پھر تمسخر لہرا گیا۔

"اُو، تو ہوا بی مینڈکی کو بھی ذوکام۔"مائدہ نے دونوں ہاتھ باندھتے ہوئے چبا کر کہا تو مَنّت پہلے ہق دق رہ گئی اور پھر غصّے کے باعث تیزی سی اُٹھ کھڑی ہوئی۔

"کیا بکواس ہے یہ۔اگر تمھیں میری خوشی خوش ہونے نہیں دے رہی تو جاؤ یہاں سے میری مُسرت مت برباد کرو۔"مَنّت نے اب کی بار دروازے کی سمت اِشارہ کرتے ہوئے جیسے بات رفع دفع کرنی چاہی تھی مگر سامنے مائدہ تھی نفرت اور اِنتقام سے جلتی بُھنتی۔

"چار دِن کی چاندنی پھر اندھیری رات۔دیکھتے ہیں کب تک وفادار رہتا ہے تم سے وہ کیپٹن حدید قوسین۔"تنفر سے کہہ کر وہ دروازہ ذوردار آواز سے مارتے ہوئے نکلتی چلی گئی تھی اور مَنّت ساکت سی وہیں کھڑے ہنوز دروازے کو دیکھ رہی تھی جہاں سے وہ گئی تھی۔وہی مائد جو مَنّت کے دِل کے بے حد قریب تھی۔جو مَنّت کی دوست اور بہن تھی۔اُسکے ہر سُکھ دُکھ کی ساتھی۔اب سب کچھ تحلیل ہوتا کیوں محسوس ہو رہا تھا؟ کیا وہ واقعی مائدہ تھی جسے مَنّت کی خوشی زہر لگ رہی تھی؟؟ وہ مائدہ ہی

تھی؟؟؟ یا اُسکا کوئی نیا رُوپ؟؟؟ اور دوسری جانب اپنے کمرے کا دروازہ بھی اُسی طاقت سے بند کرتے ہوئے سیل فون بیڈ پر پھینک کر اب وہ غصے سے کمرے میں چکر لگا رہی تھی۔

"اِس مَنّت کی اِتنی ہمت کے یہ مُجھ سے زبان چلائے۔بڑی بھیگی بلی بنی رہتی تھی پہلے تو میرے سامنے۔"اُسکا بس نہیں چل رہا تھا ورنہ وہ ہر شے اِس حویلی کی تہس نہس کر کے رکھ دیتی۔مُجاہد کی سُوگوار اور دِلگرفتہ سی شکل ذہن میں آتے ہی اُسکا دِل مزید نفرت سے بھرتا چلا گیا۔شیشے کے سامنے کھڑے ہو کر اُس نے اپنے غصے سے تلملاتے عکس کو دیکھا جہاں یک دم اُس شخص کا عکس لہراتے دیکھ کر وہ ساکن رہ گئی، دِل کی دھڑکن جیسے رائیگانی کے خیال سے سُست پڑ گئی تھی۔اُسی کا عکس جسکا نام حدید قوسین تھا۔جو کسی اور کا محرم بن چکا تھا۔یک دَم مُنّت کا خیال آتے ہی اُس نے سامنے پڑا گلدان اُٹھا کر پوری قوت سے شیشے پر دے مارا۔زوردار چھناکے کی آواز کے ساتھ ہی وہ شیشہ لاتعداد ٹکڑوں میں بٹتا چلا گیا۔اُس نے نفرت بھری نِگاہ نیچے گرے شیشے کے ٹکڑوں پر ڈالی جہاں اب بھی حدید قوسین کا مدھم، ماند پڑتا عکس اپنے تمکنت اور وقار سے ساتھ موجود تھا۔سَر جھٹک کر وہ بیڈ کی سمت آئی اور تیزی سے فون اُٹھا کر کوئی نمبر ملانے کے ساتھ وہ پھر بے چینی سے ٹہل رہی تھی۔

دوسری جانب سے کال اٹینڈ کیئے جانے پر اُسکا غصہ پھر سے عود آیا تھا۔

"بزدل، نکمے اِنسان! مُجھے تم جیسے شخص پر بھروسہ کرنا ہی نہیں چاہیئے تھا۔شرم سے ڈوب مرو جا کر کے اپنے سے آدھی عمر کے مَرد سے مار کھا گئے ہو۔"نان سٹاپ اُسکی مغالفات سُنتے ہی دوسری جانب موجود سجاول کا دماغ پل بھر میں گھوما تھا۔

"اُو بی بی! زیادہ اُچھلنے کی ضرورت نہیں ہے میرے سامنے۔مت بُھول کے تیرے سارے کالے کرتوتوں کے ثبوت ہیں میرے پاس۔پہلے ہی میرے ہاتھ میں بہت خارش ہو رہی ہے ضائع نہ ہو جانا میرے ہاتھ سے۔"سجاول تھا اگلا وہ کیسے بُھول گئی۔لمحے بھر میں وہ جھاگ کی طرح بیٹھی تھی اور اُسکی مدہم سی آواز پر سجاول اپنا قہقہہ نہیں رُوک سکا تھا اور مائدہ کا جی چاہا کہ وہ سامنے ہوتا تو وہ اُسکا مُنہ یقیناً نوچ لیتی۔

"اب تم بُھول جاؤ کہ میں تمہاری مدد کروں گی۔تم نے مُجھ سے وعدہ کیا تھا کہ مَنّت کے قریب کسی کو نہیں پھٹکنے دو گے لیکن تمہاری مہربانی سے وہ حدید اُسکا شوہر بن گیا ہے۔"بامُشکل اپنے طیش پر قابو پاتے ہوئے وہ اپنی فطرت کے خلاف بہت مدہم سا مگر چبا چبا کر کہہ رہی تھی اور دوسری جانب سجاول اُسکی بچگانہ باتوں پر بے اِختیار قہقہہ لگا کر ہنس پڑا۔

"آفرین ہے تم پر مائدہ۔خوامخواہ میں مَنّت کے پیچھے خوار ہوتا رہا تمہارے پیچھے لگتا تو میرا اِتنا قیمتی وقت تو برباد نہ ہوتا۔بےوقوفانہ باتوں میں تو تمہیں ملکہ حاصل ہے۔"اپنی ہی بات پر ہنستے ہوئے اُس نے مائدہ کا فشارِ خون بلند کر دیا تھا۔سُرخ چہرے کے ساتھ اُس نے دِل میں دو چار مُوٹی مُوٹی گالیوں سے اُسے ضرور نوازا۔

"سجاول! دائرے میں رہ کر بات کرو اور یہ مت بُھولو کہ میں سُفوان کے نِکاح میں ہوں۔آئیندہ ایسی بےہودہ بات کرنے سے پہلے ہزار بار سُوچنا۔"نخوت ست کہہ کر اُس نے گویا ناک سے مکھی اُڑاتے ہوئے اُسکو دھمکایا تھا اور فون کی دوسری سِمت سے گُونج اُٹھنے والے چھت پھاڑ قہقہے پر اُس نے سیل فون تیزی سے کان سے ہٹا کر کان سہلاتے ہوئے دوبارہ فون کان سے لگایا تھا۔

"تمہارا نام مائدہ کے بجائے پارسا ہونا چاہیئے تھا۔بی بی یہ تب بھی نہیں بھولنا تھا نہ جب تم اُس کیپٹن حدید پر مَر مِٹ گئی تھی یا یہ نِکاح اپنے مطلب کے وقت کیش کرواتی ہو۔"سجاول کے طنزیہ انداز پر وہ پل بھر کے لیئے بالکل شَل رہ گئی تھی۔اُسکے دِل کا چُور سجاول نے آخر کیسے بھانپ لیا؟ اُسکی نیت کا فتور کسی اور نے کیسے سمجھ لیا تھا؟؟ خوفزدہ ہو کر اُس نے تیزی سے کال ڈراپ کر کے سیل فون بستر پر یوں اُچھال دیا جیسے وہ کوئی افریت ہو۔آہستہ قدموں سے آ کر وہ بستر پر خود بھی بے دَم ہو کر بیٹھ گئی۔دماغ ابھی تک سُن تھا اور قوتِ گویائی سَلب۔۔۔چہرے پر ہاتھ پھیرتے ہوئے اُس نے خالی نظروں سے کھڑکی کی جانب دیکھا جہاں رات چھا چکی تھی اور چاند آسمان پر مکمل تابناکی سے جگمگا رہا تھا بالکل حدید قوسین کی مانند۔۔۔

تُو لاکھ چاہے مگر مُجھ سے بچ نہیں سکتا

میں حادثہ ہوں اور تیرے ساتھ ہونے والا ہوں۔۔۔

یک دَم سَر جھٹک کر اُس نے وہ بےنام سی مُضمحل، دِل کو نڈھال کرتی کیفیت پر قابو پایا تھا۔یہ وقت اب جذباتیت دِکھانے کا نہیں رہا تھا۔ذہن کے گھُوڑے دُوڑاتے ہوئے مائدہ سُفوان کی سُوچ زہریلی ہوتی جا رہی تھی اور آنکھیں نفرت اور حسد کے مارے شعلے اُگلنے کو بے تاب۔اپنی جگہ سے اُٹھ کر وہ وہاں آ کر ٹھہر گئی جہاں شیشے کے ٹکڑے زمین پر بکھرے پڑے تھے اور اُن ٹکڑوں پر لہراتا، بکھرا ہوا سا حدید قوسین کا عکس مائدہ کے دیکھتے ہی دُھندلانے لگا تھا۔دائیاں پاؤں آگے بڑھا کر اُس نے عکس پر رکھ دیا وہی عکس جو دِل پر بھی پہلی ہی نِگاہ میں نقش ہوا تھا۔پیروں تلے کتنے ہی ٹکڑے

آ کر اُسے چُبھ گئے تھے مگر پرواہ کسے تھی۔اِتنی بڑی چُوٹ اور مَات کھا لینے کے بعد یہ تکلیف ثانوی سی تھی۔

"اگر تم میرے نصیب میں نہیں تھے تو کسی اور کا کیوں ہو جانے دوں۔ تمہیں بھی تو جلنا ہو گا، سُلگنا ہو گا حدید قوسین نفرت کی اُس آگ میں جسے تم نے اپنے ہاتھوں سے نفرت میں بدلا تھا۔"نخوت اور تنفر سے کہتے ہوئے اُس نے اپنا پاؤں ایک جھٹکے سے پیچھے کیا تھا اور خون کے کتنے ہی قطرے گلابی سے قالین کو سُرخ کرتے چلے گئے تھے۔

-------@------@-------@-------@-------@-----

"کیا بات ہے بابا جان، اِتنی ایمرجنسی میں آپ نے بُلوایا۔خیریت؟؟" ہمدی نے تیزی سے کمرے کا دروازہ کھُول کر اندر آتے ہوئے بے چینی سے ٹہلتے یاور صاحب کو دیکھ کر کہا جو ہمدی کی آواز پر یک دَم ٹھہر کر اُسکی سِمت اِضطراب میں پلٹے تھے۔ہمدی اَزحد پریشانی سے اُنھیں دیکھ رہا تھا جو ٹھہر کر اب نہجانے کس سُوچ میں مُبتلا تھے۔

"بابا جان۔"ہمدی نے آگے بڑھ کر تسلی بھرا ہاتھ اُنکے شانے پر رکھا تو وہ بے اِختیار چونک کر خالی خالی نظروں سے اُسے دیکھنے لگے جو اُنکا بازو بن چکا تھا۔جس نے بیٹے کی کمی کو بخوبی ختم کر دیا تھا۔ اُنھیں آج بھی وہ وقت یاد تھا جب مَنّت اُسکو خون میں لت پت، زندگی سے مبرا کہیں پہاڑوں سے لے کر آئی تھی۔کتنی مُشکلوں سے وہ زندگی کی جانب لُوٹا تھا مگر اُسکا سکتہ چھ، سات ماہ تک برقرار رہا تھا۔معلوم ہوتا تھا جیسے وہ اپنے جینے کی اُمنگ، مقصد سب گنوا بیٹھا ہو۔کوئی زندگی سے پیارا اُسکے

ہاتھوں سے سَرک گیا ہو۔ کتنے عرصے تک مَنّت اور اُنہوں نے اُسکا خیال نومولود بچے کی مانند رکھا تھا اور وہ اُسے خود اپنے ہاتھوں سے یوں کھانا کھلاتے تھے گویا وہ اُنکی سگی اولاد ہو۔

اور پھر جب وہ اُن دونوں کی اَنتھک محنت اور مُحبت سے بستر سے اُٹھ کھڑا ہوا تب یاور صاحب اُسکو سینے سے لگا کر بچوں کی طرح بِلک بِلک کر رُو دیئے تھے لیکن وہ ساکن کھڑا رہا۔ ہمدی جو پہلے بالکل ہی کچھ نہیں کہتا تھا مَنّت اور یاور صاحب کی مُحبت کو سمجھ کر مثبت جواب دینے لگا تھا اور پھر آہستہ آہستہ وقت کے ساتھ وہ بھی اُن دونوں کی ڈگر پہ چل پڑا۔

یاور صاحب اُن دونوں کو جب مارشل آرٹ کی پریکٹس کرتے دیکھتے تو بے اِختیار دِل شکر سے لبریز ہوتا جاتا۔ مَنّت نے ہمدی کا ذہن پرانی، تکلیف دہ سُوچوں سے ہٹانے کے لیئے اُسکو گھُڑ سواری، اُونچی دیواریں پھلانگنا، جدید گنز اور اسلحہ چلانا، مارشل آرٹس اور ایسی نوعیت کی بہت ساری صلاحیتوں سے متعاوف کروایا تھا۔ اور پھر ایک دِن ڈاکٹر مَنّت اِمام نے اپنے راز میں ہمدی کو بھی شریک کر کے اُسے زندہ رہنے کے نئے پہلو سے آشنا کر دیا تھا۔ گو کہ وہ ہمدی کی رہنما، دوست اور اُستاد تھی لیکن بہت ساری چیزوں کو سکھانے کے لیئے ہمدی بھی اُسکا اُستاد رہ چکا تھا۔ وہ دونوں ایک دوسرے کے کرائم پارٹنر تھے گو کہ اُنکے اقدام ابھی تک کرائم کی حدود سے پرے ہی تھے۔ یاور صاحب اِس بات سے آگاہ تھے۔ اُنہوں نے فل سپورٹ سے نواز رکھا ہوا تھا دونوں کو ہر گام، ہر لمحہ۔۔۔

"بابا جان۔" ہمدی کے دوبارہ پُکارے جانے پر وہ جیسے ایک ٹرانس سے ماضی کو جھٹک کر نِکل آئے تھے۔ ہمدی کو اپنی سِمت اِتنی فکرمندی سے دیکھتے پا کر اُنکے چہرے کو ایک بھلی سی، پُر شفقت مُسکراہٹ چھُو گئی تھی۔

"کچھ خیر نہیں ہے بیٹا۔"وہ جیسے یک دَم نڈھال ہو کر برسوں کے بیمار نظر آنے لگے تھے۔ ہمدی کو بہت وسوسوں نے گھیر لیا تھا۔

"آپ مُجھے کچھ بتائیں گے بھی۔ آخر ہوا کیا ہے؟؟" وہ اب کی بار پریشانی سے جُھنجھلا گیا تھا۔ یاور صاحب اُسکا سہارا لے کر صوفے پر
بے دم ہو کر بیٹھتے ہوئے اب سُوچ میں پڑ گئے۔

"حریم۔۔۔میں حریم کی طرف سے بہت پریشان ہوں۔ ہمدی۔"اُنہوں نے جیسے تھک کر اصل مُدعا کھُولا تھا۔ ہمدی کا دِل اُس نام کو سُن کر ناجانے کیوں بے حد تیزی سے سکڑ کر پھیلا تھا۔

"کیا ہوا حریم کو؟" یہ کہتے ہوئے ہمدی کو خود اپنی آواز بھی اجنبی محسوس ہوئی تھی۔ دِل کا یوں دھڑک اُٹھنا سمجھ سے باہر تھا۔ وہی دِل جو برسوں سے خاموشی کی بکل اُوڑھے ساکن سا سینے میں دُبک کر بیٹھا ہوا تھا۔

"تم جانتے ہو میری شناخت زیادہ تر مُخفی ہے۔ میں حریم کو اب وہ تحفظ نہیں دے سکتا جو باپ ہونے کے ناطے مُجھے دینا چاہیئے۔"وہ جیسے بہت سُوچ سمجھ کر لفظ بہ لفظ بُولتے ہوئے ہمدی کو مزید فکر میں مُبتلا کر رہے تھے۔

"آپ آخر کہنا کیا چاہ رہے ہیں؟ حریم کے ساتھ کوئی مسئلہ ہوا ہے کیا؟؟" اب کے ہمدی نے قدرے جھجھک کر کہا تھا۔ یہ پہلی بار تھا جب یاور صاحب اپنی بیٹی حریم کا ذکر ہمدی کے سامنے کر رہے تھے ورنہ اِس سے پہلے نہ تو حریم اُن دونوں کے سامنے آئی تھی اور نہ یاور صاحب اُسکا ذکر کرتے تھے اُنکے سامنے۔ ناجانے کیوں؟؟

"میں چاہتا ہوں تم حریم سے شادی کر لو ہمدی۔ میرے بچے وہ بڑی مُشکل میں ہے۔ پیچھے پڑ گیا ہے وہ میری بچی کے جسے میں نے اپنے ہاتھوں سے سینچا ہے۔" اُنکی بات اور آنکھوں کی نمی نے یک دَم ہی ہمدی کو دنگ کر دیا تھا۔ اُسکا یوں لگا کہ شاید اُسے سُننے میں کوئی غلطی ہوئی ہو۔ اُسکا دِل کتنے ہی زینے نیچے پھسلتا چلا گیا تھا۔

"بابا جان یہ آپ کہ، کیا کہہ رہے ہیں؟" اُس نے بامُشکل، لڑکھڑاتی لہجے میں کہا تو یاور صاحب نے نِگاہ اُٹھا کر اُسکو دیکھا جو حیرت اور بے یقینی سے سفید پڑ چکا تھا۔

"میں جانتا ہوں ہمدی میں نے بہت بڑی قربانی مانگ لی ہے تم سے مگر میں تمہارے علاوہ کسی پر بھروسہ نہیں کر سکتا۔ میں اُسکو ایک بار پھر مُوت کے مُنہ میں جاتا نہیں دیکھ سکتا۔" اُنکے شکستہ لہجے اور نمناک آنکھوں پر ہمدی کو اپنا دِل پھٹتا محسوس ہو رہا تھا۔ کب دیکھا تھا اُنکو اِس حال میں۔ وہ تو ہمیشہ سے بہت مضبوط رہے تھے۔ دوسروں کو سایہ، تحفظ، مان اور جینے کا مقصد دیتے ہوئے۔ سارے الفاظ اُس بے یقینی، دُکھ اوع ڈوبتے دِل کے باعث اپنی موت آپ مَر گئے تھے۔

اُس نے گہرا سانس لے کر پیشانی سے بال ہٹاتے ہوئے سامنے نِگاہ کی، مَنّت کو دروازے میں متفکر سا کھڑا دیکھ کر اُسکا پھٹتا دِل مزید ندامت سے جُھکا تھا اور مَنّت کی ہینڈل پر گرفت مزید مضبوط ہوئی تھی کیونکہ سامنے وہ لوگ پریشان اور تکلیف میں تھے جو اُسکی زندگی کے لیئے لازم و ملزوم تھے، اپنے تھے، ساتھ کھڑے رہنے والے، حوصلہ ہر حال میں دیتے رہنے والے۔

"بابا جان آپ جانتے ہیں کہ میں شادی شُدہ ہوں۔" وہ جیسے بہت ضبط سے مدھم سا بولا تھا۔ مَنّت کی نِگاہ بہت تیزی سے دُھندلائی اور یاور ضاحب کا دِل جیسے بُوجھ تلے دبا جا رہا تھا۔

"سب جانتا ہوں ہمدی لیکن کیا تم بس نام کا سہارا دے سکتے ہو میری کرموں جلی بیٹی کو؟ کوئی اور میری حریم کو اِتنی بڑی خامی کے ساتھ قبولے گا نہیں۔وہ بہت حساس ہے ہمدی، بہت تکلیفیں دیکھی ہیں اُس نے۔"اُنہوں نے ہارے ہوئے لہجے میں کہتے ہوئے باقاعدہ ہاتھ جوڑے تھے اور ہمدی کا ضبط اِتنا ہی تھا وہ تڑپ کر آگے بڑھا تھا اور اُنکے جُڑے ہاتھوں کو عقیدت سے کھُولتے ہوئے اُنکو اپنے سینے سے لگا گیا تھا اور یاور صاحب اِس قدر مضبوط سہارا پاتے ہی ہمت کھُو کر ہچکیوں سے بِلک بِلک کر رونے لگ گئے تھے۔وہیں ہمدی بھیگتی آنکھوں اور ساکت ہوتے دِل سے اُنکو تھپک رہا تھا جو اُنکا سب کچھ تھے۔۔۔مَنّت نے پُرسوچ نظروں سے اُن دونوں کو دیکھ کر گالوں پر پھسل آنے والے آنسوؤں کو صاف کیا اور تیزی سے منظر سے ہٹتی چلی گئی تھی۔

آپ کہتے ہیں تو نبھاتے چلے جائیں گے

اِس تعلق میں تو اذیت کے سواء کچھ بھی نہیں۔۔۔

------@------@-------@-------@------@------

وہ دنوں آج تقریباً چار دِن بعد یہاں کا رُخ کر بیٹھے تھے شاید دونوں کو ہی کچھ فیصلے درکار تھے۔کچھ سُوچیں تھیں جن پر یقین کی مُہر ثبت کر کے اُن پر عمل کرنا تھا۔ہمیشہ کی طرح حدید آج بھی سنجیدہ اور خاموش سا اندر بڑھ رہا تھا لیکن عادت کے خلاف زاور بھی اپنی ہی کسی سُوچ میں محو تھا۔حدید نے چلتے چلتے چہرہ پھیر کر زاور کو دیکھا اور پھر نہ جانے کیوں زیِ لب مُسکرا دیا۔

"کچھ حتمی بات بنی یا ابھی تک اُلجھن ہے؟" حدید کی دھیمی لیکن مُسکراتی آواز پر زاور بُری طرح چُونک کر حدید کو دیکھنے لگا اور اُسکی اِتنی بے خبری پر حدید کا جی چاہا وہ جگہ کا لحاظ کیئے بغیر قہقہ لگائے

لیکن بامُشکل اُس نے بائیں ہاتھ کی مُٹھی بنا کر ہونٹوں پر رکھی اور اُسکی اِس حرکت نے زاور کو ضرور تپا دیا تھا ہمیشہ کی طرح۔

"ہاں خبیث انسان! ہنس لے کُھل کت کہیں ہنسی ضبط کرنے کے چکر میں پھٹ نہ جانا۔"زاور کے جلّے کٹے انداز پر وہ بےاِختیار ہنس پڑا۔وہ دونوں سُنسان راہداری سے گزر کر کانفرس رُوم میں جا رہے تھے سُو اب کسی کا متوجہ ہونا عبث تھا۔

"مُجھ پر کیوں اُوکھا ہو رہا ہے۔میں نے کہا تھا اِس اُوکھلی میں سَر دینے کو؟؟" حدید نے ہنس کر کہتے ہوئے بےنیازی سے کندھے اِچکائے اور زاور کو اُسکی یہ بےنیازی ایک آنکھ نہ بھائی تھی۔

کاش میں تیرا مُنہ نُوچ سکتا کاش۔یا اللہ کیسی حسرتوں کو تُو پُورا ہونے نہیں دیتا۔"حدید کے شانے پر مُکہ مار کر اُس نے اُوپر دیکھتے ہوئے چبا چبا کر کہا تھا اور حدید اِس سے پہلے ضبط کھُو کر قہقہ مارتا نگاہ سامنے سے متفکر سی بھاگ کر آتی مَنت' کو دیکھ کر ٹھٹھک کر تھم گیا۔وہ اِتنی تیزی سے اُسکے برابر سے نِکلی تھی کہ اپنے اِردگرد حدید قوسین کو بھی محسوس نہیں کر پائی تھی۔شاید کچھ بہت اہم تھا، شاید کوئی گھمبیر پریشان کُن بات تھی۔زاور نے قدرے حیرت سے اُسکے چہرے کے اُڑتے رنگوں کو دیکھا اور اِس سے پہلے کہ وہ کچھ پُوچھتا وہ تیزی سے مُخالف سمت بھاگا۔زاور کچھ پل سُوچتا رہا کہ جائے یا نہ جائے لیکن پھر وہ تیز قدموں سے وہاں بڑھنے لگا جہاں حدید گیا تھا۔

"کیا ہوا؟" زاور نے اُسکو اگلی رہداری میں ٹھہر جاتے دیکھ کر کہا تو وہ چونک کر پلٹا اور پھر اِشارے سے اُسکو خاموش رہنے کا اِشارہ کرتے ہوئے قدرے اپنی جانب کر کے پیچھے دھکیلا۔

"یہ تو بھابی ہیں۔"زاور کی مدہم سَرگوشی پر حدید نے گھور کر اُسکو دیکھا تو وہ دونوں ہاتھ اوپر اُٹھا کر ہنستا ہوا پیچھے ہو گیا۔مَنّت کو بے چینی سے اِدھر اُدھر ٹہلتے دیکھ کر اُسکو دِل میں پریشانی اور خوف محسوس ہوا تھا۔اگر وہ مُشکل میں ہوئی؟ اگر معملہ بڑا ہوا؟؟ اِنہی سُوچوں میں گھرا مَنّت کو یک دَم ٹھہر کر سیاہ قمیض شلوار اور سیاہ ہی پی۔کیپ میں ملبوس شخص کی جانب تیزی سے لپکتا دیکھ کر چُونکا۔ذہن کے پردے پر بے ساختہ وہ منظر لہرایا جب مَنّت اُسی شخص کے سانے کے ساتھ لگ کر بہت رُوئی تھی اور حدید کا دِل کتنے بہت سے دِنوں کے لیئے مُرودہ رہا تھا وہی ایک منظر سُوچ سُوچ کر مَنّت کی تُوجیہہ کی باوجود۔۔۔

"ہمدی بھائی۔"مَنّت کی مُتفکر آواز اُسکو گہری سُوچ کے ساگر سے باہر نکال لائی۔وہ شخص جسکی حدید کی جانب پُشت تھی وہ اب خاموشی سے ایک ہاتھ سے سَر تھامے کھڑا تھا۔آخر وہ اِتنا مُتفکر کیوں تھا؟ کون تھا وہ؟؟ اور مَنّت سے اِس قدر قریبی رشتہ کیسے ہو گیا؟؟

"یہ وقت پریشان ہو کر کھڑے رہنے کا نہیں مسئلے کے حل کا ہے۔ہمدی بھائی" وہ بُولی تو یک دَم حدید پیچھے ہوا کیونکہ اُسکو یوں کھڑے ہو کر باتیں سُننا بے حد غیر اِخلاقی لگا تھا اُس صورت میں جبکہ مَنّت اُسکی شکل دیکھنے کی روادار نہیں تھی۔وہ تیزی سے پلٹا اور اُسکو لمحہ بہ لمحہ دُور جاتے دیکھ کر زاور نے پلٹ کر ڈاکٹر مَنّت اِمام کو دیکھا تھا جو ہمیشہ کی طرح انجان تھی پھر وہ سَر جھٹک کر اپنے جگری یار کے پیچھے ہو لیا تھا۔

------@------@------@------@------@------

"حریم بیٹا میں جانتا ہوں تمہیں مجھ سے شکایت ہو گی بیٹا لیکن یہ بہت ضروری ہو گیا ہے۔"اُنہوں نے حریم کے برف ہوتے ہاتھوں پر اپنا پُرشفقت ہاتھ رکھا تو وہ خالی خالی نظروں سے اُنھیں دیکھنے لگی، نِگاہ تیزی ست دُھندلائی تو اُس نے جُھکا لی تھیں۔

"آپ سب جانتے ہیں بابا جان۔آپ کا جو بھی فیصلہ ہو گا وہ میرے حق میں بہترین ہو گا۔"وہ جیسے بہت حوصلے سے ڈوبتے دِل کو تھام کر بُولی تھی۔یاور صاحب نے اُسکے چہرے کو دیکھ کر اُسکے سَر پر ہاتھ رکھا تو اُس نے چُونک کر سَر اُٹھایا۔نِگاہ یاور صاحب کی گیلی ہوتی آنکھوں سے ٹکرائی تو اُس نے نگاہوں کا زاویہ تیزی سے بدل لیا۔کمرے میں چھاتے دلگیر، پُرمَلال سے خاموشی پر یاور صاحب نے اِردگرد نِگاہ دُوڑائی۔وہ کمرہ بالکل سادہ سا تھا۔ایک جہازی سائز بیڈ، صوفے اور ایک الماری کے علاوہ باقی اُس کمرے میں کچھ بھی نہیں تھی ڈریسنگ ٹیبل اور کہیں شیشے کا شائبہ تک نہیں تھا۔اُس کمرے کی گِنّی چُنّی چیزوں سے ہوتی ہوئی اُنکی نِگاہ حریم پر ٹھہر گئی جسکا یہ کمرہ تھا۔جس نے زمانے ہوئے آئینہ دیکھنا ترک کر دیا تھا۔

"کچھ دِن تک ہمدی واپس آ جائے گا تو میں سارے معملات دیکھ کر سب ٹھیک کر دوں گا۔"اُنہوں نے اُسکی خاموشی سے خائف ہو کر دوبارہ کہا تو حریم نے بس سَر ہلا دینے پر اِکتفا کیا تھا۔گہرا سانس لے کر وہ اُٹھ کھڑے ہوئے۔دِل کا درد حد سے سوا تھا۔جاتے جاتے اُنہوں نے درواز کی ناب پر ہاتھ رکھتے ہوئے پلٹ کر اُسے دیکھا تھا اِس آس سے کہ شاید وہ اُنکو جاتا کبھی تو دیکھے مگر وہ ہمشیہ کی طرح یونہی سَر جُھکائے بیٹھی رہی تو وہ نڈھال قدموں سے اُسکے کمرے کا دروازہ آہستگی سے بند کر کے چلے گئے تھے۔

خاموشی کا اِحساس ہوتے ہی اُس نے سَر اُٹھا کر دیکھا۔وہ کمرے میں کہیں بھی نہیں تھے یہاں مگر ایک مہربان سا، پُرشفقت اِحساس چُھوڑ گئے تھے ہمیشہ کی طرح۔چمکتی سرمائی آنکھوں سے دروازے کو دیکھ کت اُس نے اپنی تھکی سی آنکھیں مُوند لیں۔دِل جیسے پھٹ جانے کو بے تاب تھا۔ضبط جیسے اب رخصت چاہ رہا تھا مگر زبان سے کوئی سسکی گزرے کئی برسوں سے نہ نِکلی تھی۔آنکھیں مُوندتے ہی پھر سے سامنے وہی چہرہ لہرایا جو دِل کے نہاں خانوں میں نہ جانے کب سے نقش تھا۔وہ کون تھا؟ کیوں دِل کو مائل کرتا تھا اپنی جانب؟؟ دِل کی دھڑکن وہ چہرہ دیکھتے ساتھ ہی کیوں سَرپٹ دُوڑا کرتی تھی؟؟؟ سوال بہت سے تھے مگر جواب نادارد۔۔۔کچھ لمحے بعد وہ ہر تکلیف سے بے نیاز نیند کی وادیوں میں اُتر گئی تھی۔دوائیوں نے اپنا اثر دیکھانا شروع کر دیا تھا۔

ے تمہیں خبر بھی نہیں ہے پیارے

اِدھر کہانی بدل گئی ہے۔۔۔۔

------@-------@--------@---------@--------@------

"بس ہمدی بھائی اب آر یا پار۔"فیصلہ کُن انداز میں کہتی ہوئی وہ اُٹھ کھڑی ہوئی تو ہمدی نے چہرہ اُٹھا کر نا سمجھی سے اُسے دیکھا اور پھر جیسے سمجھ کر چہرہ دوبارہ جُھکا لیا تھا۔

"ہر بات مرنے مارنے سے تہہ نہیں ہوتی مَنّت۔"وہ جیسے تھک ہار کر بُولا۔مَنّت اُسکے تھکان ذدہ سے چہرے کو دیکھ کر رہ گئی مگر اُسکا فیصلہ اٹل تھا۔

"میں نے اپنی زندگی سے یہی سیکھا ہے کہ گھی ٹیڑھی اُنگلی سے ہی نکالنا چاہیئے۔"اُسکے حتمی اور سنجیدہ انداز پر ہمدی نے لمحے بھر کو کچھ سُوچھا تھا لیکن وہ مَنّت کی کچھ سُوچ کر ٹھان لینے والی فطرت سے

بخوبی واقف تھا اِس لیئے گہرا سانس لے کر اُٹھ کھڑا ہوا۔ مَنّت کے چہرے کو پُراِسرار سی مُسکراہٹ رینگ گئی۔

"کیا پلان ہے تمہارے پاس؟" ہمدی نے ہار مان جانے والے انداز میں مُسکرا کر کہا۔ مَنّت کو اُسکی مُسکراہٹ بہت مُضمحل اور تھکا دینے والی محسوس ہوئی تھی۔

"پہلے تو ہمیں معلوم کرنا ہے کہ کِس نے حریم کا جینا حرام کر رکھا ہے پھر اُسکو سبق سِکھا کر آپ نے حریم سے نِکاح کرنا ہے بس۔ یہ ہے کُل پلان۔" مَنّت نے اُسکے عین سامنے رُکتے ہوئے نہایت آرام سے کہہ کر ہاتھ جھاڑے تھے۔ پل بھر کے لیئے ہمدی دنگ ہوا اور جب سمجھ آئی اُسکا جی چاہا اپنا سَر پیٹ لے۔

"مطلب وہی ڈھاک کے تین پات۔" تپتی نظروں سے کہتے ہوئے اُس نے مَنّت کو ہنسنے پر مجبور کر دیا اور اُسکی مُسکراہٹ دیکھ کر حدید نے خفگی سے چہرہ پھیرا تو مَنّت دونوں ہاتھ سیلنڈر کرنے والے انداز میں ہاتھ اُٹھا کر پیچھے ہوئی۔

"اچھا آپ بتائیں، آپ کیا چاہتے ہیں؟" مَنّت نے اب کہ سنجیدگی سے کہا تو ہمدی نے تصدیقاً اُسکے سنجیدہ چہرے کو دیکھ کر سَر ہلایا۔

"میں حریم سے۔۔۔ یار بس اِس نکاح کو رُوکنے کی کوئی تدبیر کرو کچھ۔" کچھ کہتے ہی وہ تیزی سے جُھنجھلا کر بولا، مَنّت نے بغور اُسکے مضطرب اور بےچین نظر آتے چہرے کو دیکھا تھا۔

"کیوں؟ اُس سے نِکاح کر نہیں سکتے یا کرنا نہیں چاہتے؟" مَنّت کے مدہم سوالیہ لہجے پر ہمدی نے چونک کر اُسکو دیکھا جو اُسکو اندر تک اُتر کت پڑھ لینے کی کوشش میں تھی۔ہمدی نے تیزی سے نِگاہوں کا زاویہ بدل لیا۔

"ایک ہی بات ہے یار۔" نظر چُراتے ہوئے وہ کچھ اُلجھ کر بُولا۔

"دو مُختلف باتیں ہیں۔پہلی بات میں ہمت کی کمی ہے جبکہ دوسری میں مُحبت کی کمی ہوتی ہے۔"اُسکے مُدبرانہ لہجے پر ہمدی کا خوف سے پریشان ہوتا دِل ساکن ہوا تھا۔وہ کہنا کیا چاہ رہی تھی؟؟

"دونوں کی بات نہیں ہے۔بس اِیسے ہی نہیں کر سکتا۔"پیشانی مَسلتے ہوئے وہ آہستگی سے بولا تو مَنّت عین اُسکے رُوبرو آ کھڑی ہوئی اور پھر اپنے دونوں ہاتھ اُسکے کندھوں پر رکھتے ہوئے اپنی جانب متوجہ کیا۔مَنّت کو وہ کبھی بھی اِس قدر اُلجھا ہوا اور پریشان نہیں محسوس ہوا تھا۔وہ واقی بہت اُلجھن اور مسئلے میں تھا۔مَنّت کے ہاتھ شانے پر محسوس کرتے ہوئے اُس نے ٹھٹھک کر مَنّت دیکھا اور جیسے ضبط رخصت ہو جانے کو تھا۔

"کیا اب بھی آپ مُجھ سے کچھ شیئر نہیں کر سکتے۔کِس بات نے آُکو اِتنا اِنسکیور اور پریشان پر کر رکھا ہے؟" مَنّت کی بات پر بےاِختیار اُس نے نگاہوں کا زاویہ بدل لیا۔

"چلیں میرے ساتھ۔"اُسکا بازو کہنی سے تھام کر وہ تیزی سسے چلتی ہوئی کامن رُوم کی سِمت بڑھ رہی تھی اور ہمدی چہرہ جُھکائے بُوجھل دِل کے ساتھ گھسیٹ رہا تھا خود کو اُسکے برابر چلتے ہوئے۔اِنفرمیشن ڈیسک کے پاس تنہا کھڑے حدید قوسین نے یہ منظر بس ایک نگاہ دیکھا اور پھر نِگاہوں کا زاویہ بدل گیا۔

"اب مُجھے بتائیں۔"رُوم کا دروازہ آگے کر کے اُسے صوفے پر بیٹھا کر وہ سٹول لے کر اُسے رُوبرو آ بیٹھی تھی۔ ہمدی نے بغور اُسکے پریشان اور متفکر چہرے کو دیکھا اور بے اِختیار اُسکا دِل کِھل اُٹھا تھا۔وہ اکیلا نہیں تھا بلکہ اُسکی بہن، اُسکی دوست اُسکے شانہ بشانہ تھی بلکہ اُسکی حفاظت کے لیئے اُس سے چند قدم آگے چلتی اُسکی ڈھال بن جانے والی۔

"پتہ نہیں مَنّت۔میں نے حریم کو کبھی دیکھا تک نہیں، کبھی سُنا نہیں پھر بھی اُس گھر میں جب بھی جاتا ہوں ایک عجیب سے احساس میں گھِرا محسوس کرتا ہوں یوں جیسے میرے اندر کا کوئی حصّہ کہیں آپ پاس سے مجھے خاموش زبان سے بُلا رہا ہو۔"وہ جیسے اُلجھ کر آخرکار بُول ہی پڑا۔مَنّت نے بغور اُسکو دیکھا اور پھر اُسکے چہرے کو دیک بہت ہی مدہم سی مُسکراہٹ چُھو گئی۔

"شروعات میں اِیسا ہی محسوس ہوتا ہے میرے پیارے بھائی۔جب غارِ دل پر مُحبت الہام کی مانند اُترتی ہے۔"مَنّت نے مُسکرا کر جیسے اُسکی مُشکل سُلجھانی چاہی لیکن لفظ 'مُحبت' پر اُسکے چہرے پہ دَر آنے والا وہ تاریک سایہ اور اذیت بھرے تاثرات۔۔۔مَنّت نے تیزی سے نِگاہوں کا زاویہ بدل لیا۔

"میں دوسری بار مُحبت کر لینے کو کیسے تسلیم کر لوں جب پہلی مُحبت ہی دِل سے نہیں نِکلی۔جو میرے ہر جانب اپنے پَر پھیلائے بیٹھی ہے لیکن مَنّت اُس اِحساس کو میں لفظوں میں بیان نہیں کر سکتا جو مُجے بابا جان کے گھر جا کر محسوس ہوتا ہے۔اِس عجیب سے گِرداب نے میرے مسخ ذدہ وجود کو مزید جُھلسا دیا ہے۔"اُسکے چہرے اور لفظوں میں جو اذیت تھی اُس نے مَنّت کا دِل خدشوں اور خوف میں دھکیل دیا تھا۔

"خدارا ہمدی بھائی ہم آپکو دوبارہ اُس حال میں نہیں دیکھ سکتے۔ماضی میں رہا نہیں جاتا وہ بس سبق حاصل کرنے کے لیئے ہوتا ہے جیسے میں نے اُس سے سبق حاصل کیا۔"مَنّت کو سمجھ نہیں آ رہی تھی کہ وہ سامنے بیٹھے عزیز اَز جان شخص کو کیسے سمجھائے۔دروازے کی ناپ پر ہاتھ رکھ کر کھڑا حدید قوسین وہیں ساکت ہوا تھا اور یونہی اُلٹے قدموں واپسی کی جانب تیزی سے پلٹا۔دِل نے جو ہمت مدد کر لینے کے لیئے باندھی تھی وہ بُھربھری دیوار کی مانند گرتی چلی گئ۔آض پھر مَنّت کی باتوں نے انجانے میں اُس اکیلے پڑتے شخص کو نِڈھال کر کے مُنہ کے بل گرا دیا تھا مگر وہ اپنی کرنی سے ہمیشہ کی طرح بے خبر تھی۔۔۔۔

"ٹھیک ایک اور حل ہے میرے پاس۔"مَنّت نے پُرسوچ سا کہا تو ہمدی تیزی سے آگے کو ہوا، اِضطراب بہت واضح تھا۔

"لیکن اِس حل کے دو آپشنز ہیں۔"اُس نے گویا تمہید باندھنی چاہی ہمدی کی اُلجھن محسوس کر کے۔

"ہم حریم کے لیئے کسی اور کو ڈھونڈ لیتے لیتے ہیں بلکہ میری نظر میں ایک قابل، بھروسہ مند آرمی آفسر ہے۔"مَنّت نے اب کی بار ہمدی کے اعصاب پر گویا دھماکا کیا تھا۔وہ کتنے ہی پل نا سمجھی سے مَنّت کو دیکھے گیا۔

"کیپٹن زاور نام ہے اُسکا لیکن مُجھے معلوم ہے کہ وہ میری جونئیر ڈاکٹر اَرباب میں دِلچسپی رکھتا ہے۔" مَنّت کے اطمینان میں کوئی فرق نہ محسوس کر کے ہمدی کو اُسکی دماغی حالت پہ شبہ ہوا تھا۔

"تم پاگل تو نہیں ہوگئی ہو مَنّت۔کسی اور کو پسند کرنے والے کا نام تم حریم کے لیئے لے رہی ہو۔"وہ جس تیزی سے اُٹھا تھا اور اب یہ سنجیدگی، مَنّت نے اپنی مُسکراہٹ بامُشکل دبائی۔

"اچھا یہ بتائیں کہ پسند زیادہ سنگین ہے یا مُحبت؟" مَنّت نے یونہی بیٹھے بیٹھے قابلِ دید اطمینان سے جاننا چاہا۔

"ظاہر ہے مُحبت۔" ہمدی نے بامُشکل اپنے غصّے اور جُھنجھلاہٹ کو قابو میں کرتے ہوئے کہا تو مَنّت بھی ہاتھ جھاڑ کر اُٹھ کھڑی ہوئی۔

"تو وہ صرف پسند کرتا ہے وہ بھی کچھ مہینوں کی پسندیدگی ہے جبکہ آُ زمانوں سے کسی کے اِسیر ہیں، سالوں سے جان لیواء مُحبت کے گرفتار تو بتائیں اب کون زیادہ مُناسب ہے حریم کے لیئے؟" مَنّت کے قطعی لہجے پر ہمدی کا دِل ڈوب کر اُبھرا۔وہ دِلرُبا چہرہ، وہ مسحور کُن آنکھیں چھم سے نگاہوں کے سامنے آ کر پھر سے دِل جلانے لگیں تھیں۔وہ سب تو مَر جانے کے بعد بھی بُھلائے جانے کے قابل نہیں تھا تو پھر وہ کیسے کسی اور کے لیئے اپنے دِل میں کچھ محسوس کر پائے گا؟؟ مگر وہ کیا تھا جو اُس خاموش، نظر نہ آنے والے لڑکی کو اِردگرد پا کر محسوس ہوتا تھا؟؟ وہ دِل جو برسوں سے سَرد پڑا تھا وہ اُس حریم نامی لڑکی کی آہٹ پا کر کیوں دھڑک اُٹھا تھا؟؟؟ خوابوں کا جہاں تو اب بھی اُسی کے دَم سے آباد تھا تو پلٹ کر اُسکے جُھلسے ہوئے چہرے کو دیکھتی تک نہیں تھی۔

"ابھی دوسرا آپشن ہے ہمدی بھائی۔اِتنا خود کو مت تھکائیں۔"مَنّت نے اُسکے شانے پر ہاتھ رکھتے ہوئے اُسے چونکا کر اپنی جانب مائل کیا تھا۔

"ہاں کیا؟؟' بامُشکل وہ دو حرف ہی کہہ سکا تھا۔

"یہ کہ آُ حریم سے نِکاح کر لیں۔"مَنّت کے حتمی انداز پر ہمدی نے خفگی سے اُسے دیکھا جسکی سُوئی وہیں اٹکی ہوئی تھی۔

"پُوری بات سَن لیں ابھی سے اِیسی خونخوار نظروں سے مت گُھوریں۔"اُس نے اب کے مُسکراتے لہجے میں کہتے ہوئے ہمدی کی تنبیہی نظروں کو ہمیشہ کی طرح خاطر میں نہیں لائی تھی۔

"ابھی کے لیئے آپ حریم سے نِکاح کر لیں۔بابا جان کی تسلی اور حریم کے تحفظ کے لیئے پھر جب سب سہل ہو جائے گا حریم کی رضامندی سے تو آُ اپنے رستے حریم اپنے۔"مَنّت نے کہہ کر ہمدی کو دیکھا جو پُرسوچ مگر قائل ہو جانے والی نظروں سے دیکھ رہا تھا اور اُسکی بات کے خاتمے پر اُس نے گہری سانس لے کر سَر ہلا دیا تو مَنّت کے سَر سے منّوں بُوجھ اُتر گیا تھا سات سالوں بعد۔۔۔جبکہ ہمدی بے چین ہوتے دِل سے کھڑکی سے باہر دیکھنے لگا تھا۔

میں اپنی انا کے ہاتھوں عجب بے بس ہوں یارو

میں اُسکا ہو نہیں سکتا، اُسے ہونے نہیں دیتا۔۔

------@------@------@------@------@------

"حدید بس اب اور نہیں۔"اُس نے آئینے کے سامنے کھڑے ہوتے ہوئے جیسے دِل کو، خود کو سمجھانا چاہا تھا۔وہ دو دن تک پھر کہیں نہیں گیا تھا۔نہ زاور سے کینٹ میں مِلا تھا نہ بابا جان سے مُلاقات ہو سکی تھی۔رہ جانے والے گِنتی کے محبوب لوگوں کو وہ پریشان نہیں کرنا چاہتا تھا۔عمر بھر کی دُوڑ دُھوپ، خاک کھنگلنا، لاحاصل سفر بن کر رائیگاں ہوتے محسوس ہو رہے تھے۔آج بھی وہ خود کو بہت سمجھا بُجھا کر ہاسپٹل لانے پر آمادہ کر پایا تھا۔بچی کُچی عزتِ نفس نے مُحبت کے آگے مایوس ہو کر ہاتھ جوڑے تب کہیں جا کر وہ ہوش کی دُنیا میں لوٹتا آج علی کو خود لینے کے لیئے آیا تھا۔دِل کو مضبوط کرتے ہوئے وہ آگے بڑھ رہا تھا کہ سیل فون کی بجتی بیل پر پل بھر کو چُونکا اور پھر پاکٹ سے سیل

نکال کر دیکھا۔ نمبر دیکھتے ہوئے اُسکے چہرے پر تفکر چھایا تھا، دِل سکڑ کر پھیلا تھا۔ چہرے پر ہاتھ پھیرتے ہوئے اُس نے وہیں سبزہ زار میں رُک کر کال اُٹھا لی۔

گاڑی سے نِکل کر آتی کچھ دِلگرفتہ، کچھ مطمئن مَنّت اِمام اُسکو دیکھ کر ٹھٹھک کر ٹھہری جو کچھ دِنوں سے نگاہوں سے اُوجھل تھا۔ وہ کچھ دُور ہی تھا مگر کسی قدر خوفزدہ، اُلجھا اور متفکر۔ مَنّت کی آنکھوں کی چمک جو اُسکو دیکھ کر بڑھی تھی اُسکے چہرے کے تاثرات دیکھ کر فوراً معدوم ہو گئی۔ وہ اب ٹھہر کر اپنے فوجی بُوٹوں کی نوک سے زمین کُھرچ رہا تھا اور ایک ہاتھ سے اپنے بال آگے کی جانب سے مُٹھی میں دبا رکھے تھے۔ مَنّت کا دِل ڈوب کر اُبھرا۔ اُسکو نہیں معلوم کیسے مگر وہ خود کو اُس شخص کے پاس بڑھنے سے رُوک نہیں پائی جو اُسکا محرم تھا، ہر دُکھ کی دوا۔ جو اُسکے لیئے اپنی ذات میں آپ تحفظ تھا۔ جو جا کر بھی دِل سے، زندگی سے، نِگاہوں سے جاتا ہی نہیں تھا۔

جس شخص کو برسوں لاشعوری طور پر نِگاہوں نے بارہا تلاشا تھا۔ وہ جو بے حد پریشان اور مضطرب تھا۔ پریشانی میں جوتے کی نوک سے زمین کُھرچنے کی عادت زمانے اُس سے شاید چھین نہ سکے تھے لیکن اِس سے پہلے مَنّت اُسکے قریب پہنچتی اُس نے سیل فون تیزی سے بند کر کے پاکٹ میں ڈالا لمحے بھر کو یونہی بے چینی سے ٹہلتا رہا اور پھر سامنے موجود قد آدم کھڑکی جسکے سامنے کھڑا وہ کچھ دیر قبل خود کو سمجھا رہا تھا کے قریب آیا، زاوردار کراہ سے مُکہ بنا کر شیشے پر دے مارا نتیجتاً ایک زوردار چھناکے سے وہ سارا ٹکڑوں میں تبدیل ہو کر اُسکے قدموں میں آ گرا۔ یہ سب پلک جھپکتے ہوئے تھا۔ اُسکی کراہ پر اُسکی جانب تیزی سے آتی مَنّت اُس آواز پر بے یقینی سے اپنے ہونٹوں پر دونوں ہاتھ رکھتے ہوئے تھم گئی۔ دِل جیسے اُس منظر کو دیکھ کر بے یقینی سے دھک رہ گیا تھا۔

اپنے خون سے لتھڑے ہاتھ کو چہرے پر پھیرتے ہوئے اُس نے اپنے نڈھال ہوتے اعصاب اور ٹوٹتی ہمت کو سنبھلنا چاہا تھا۔ سنبھل کر وہ اُسکے قریب آئی جو خون سے لتھڑے چہرے کے ساتھ آنکھیں مُوندے چہرہ آسمان کی جان اُٹھائے بے حد تکلیف میں تھا۔

"حدید۔" بہت مدہم سا پُکارا جانا وہ بھی اُس دِل کو چُھوتی، ڈھارس بندھاتے لہجے میں وہ کچھ پل یونہی ساکت سا آنکھیں مُوندے کھڑا رہا۔ یقیناً یہ اُسکے تخیل کا فریب تھا ورنہ ہاسپٹل میں حدید کو وہ پُکار بیٹھے، ناممکن۔۔۔ دھڑکتے دِل کے ساتھ اُس نے آہستگی سے آنکھیں کھُول کر دیکھا ہاں وہی سامنے کھڑی تھی بے یقین سی، متفکر سی۔ کیا وہ خواب تھا؟ جاگتے میں دیکھے جانے والا؟؟ یونہی بے دھیانی میں وہ ہاتھ بڑھا کر اُسکو کندھوں سے تھام کر یقین کرنا چاہتا تھا مگر اُسکے ہاتھ اُٹھانے سے قبل ہی مَنّت دو قدم اُسکے عجیب سے تاثرات کو دیکھ کر پیچھے ہوئی۔ وہ اِیسے کیوں دیکھ رہا تھا؟ کیا وہ مَنّت کو پہچان نہیں پا رہا تھا؟ اِتنے سوال کیوں تھے اُسکی آنکھوں میں؟؟؟

آپکو میرے تعارف کی کیا ضرورت ہے

میں ہوں وہی جسے آپ نے چاہا تھا کبھی۔۔۔

"میں مَنّت۔" آہستگی سے کہہ کر اُس نے حدید کو اپنے خیالات اور بے یقینی سے نِکالا تھا۔ یہ دو الفاظ بمُشکل اُسکے لبوں سے ٹوٹ کر آزاد ہوئے تھے۔ کچھ پل اُسے یونہی دیکھتے رہنے کے بعد وہ نِگاہوں کا زاویہ بدلتا ہوا ڈاکٹر مَنّت اِمام کے برابر سے ہو کر نِکلتا چلا گیا اور مَنّت سانس رُوکے وہیں کھڑی رہ گئی۔ دُھندلی پڑتی نِگاہوں سے اُس نے پلٹ کر آہستہ قدموں سے دُور جاتے اُس شخص کی پُشت کو دیکھا تھا۔ تو اِیسے محسوس ہوتا ہے جب آپ اپنے محبوب اِنسان کے ہاتھوں نظر انداز ہوتے ہیں۔۔۔

اُس نے بھی تو دو مہینے قبل اِیسی ہی تکلیف سے حدید کو دُوچار کیا تھا تو پھر تکلیف حد سے سِواء کیوں ہوئی تھی؟ شاید اِس لیئے کیونکہ حدید قوسن، بںّت اِمام کو نظرانداز کر کے نہیں گُزرا تھا بلکہ وہ اُس حالت میں مَنّت کا سامنا نہیں چاہتا تھا۔وہ مَنّت کا دِل آج بھی دُکھائے جانے سے اول روز کی طرح ڈرتا تھا۔وہ جا چکا تھا لیکن اُسکے ہاتھ سے گرتا خون قطرہ قطرہ اُسکے پیچھے فرش کو رنگین کرتا گیا تھا۔ بہہ جانے والے آنسوؤں کو اُس نے ہاتھ کی پُشت سے دھکیلا اور پھر کچھ ٹھان کر دِل کی ہمنوا ہوتے ہوئے وہ آٹھ سال بعد چل پڑی تھی اُس قیمتی خون کے تعاقب میں۔۔۔

ے مُجھ کو ڈر ہے تُو تقسیم نہ اُلفت کر دے

تُو کہ پیارا بھی ہے اور نرم طبیعت والا

میں کہ خوش رُو، نہ نرم طبیعت عادت میری

تُو کہ پیارا بھی ہے اور نرم طبیعت والا۔۔۔

------@------@-------@-------@------@------

"قوسین صاحب سے بات ہوئی تھی میری۔وہ لوگ کچھ دِن میں رخصتی کی تاریخ لینے آنا چاہ رہے ہیں۔"سردار ولّی خان کے بُلاوے پر وہ اُنکے کمرے میں گئی تھی اور اب کچھ پل کی خاموشی کے بعد وہ گویا ہوئے تو مَنّت نے سَر اُٹھا کر اُنکے اطمینان بھرے تاثرات کو دیکھا تو دِل جیسے پُرسکون ہو کر تشکر سے دھڑکا تھا۔

"تم بیٹا سب جانتی ہو اپنے بھائیوں کے بارے میں، باقی سب کے رویوں کے بارے میں بھی۔ اِس لیئے میں چاہتا ہوں تم خیر سے رخصت ہو جاؤ۔" وہ بہت سُوچ کر لفظوں کا چُناؤ کرتے ہوئے اِحتیاط سے کہہ رہے تھے۔ مَنّت نے بھیگتی آنکھوں سے بامُشکل سَر ہلایا۔

"تم میری محبوب بیوی کی سب سے چھُوٹی اولاد ہو شاید اِس لیئے بھی یہاں سب کو تمہارا وجود ناگوار گُزرتا ہے کیونکہ تم ہو بہو ملیحہ کا رُوپ ہو، مکمل اُسکا ہی عکس۔" اُس محبوب عورت کا ذکر کرتے ہی اُنکی آنکھیں اور آواز دونوں کپکپا گئے۔ دِل سُوگواری سے دھڑک رہے تھے دونوں باپ بیٹی کا۔ وہ زکر ہی اِیسا تھا

"اِن سب کے ناگوار رویوں سے بچانے کے لیئے میں نے ملیحہ کی باری ایڑھی چُوٹی کا زور لگا دیا مگر اُسکی زندگی محدود تمہارے آنے تک تھی۔ تم آئی اور وہ اپنا عکس چھُوڑ گئی۔" ولّی خان کی آواز کا بھیگا پَن محسوس کر کے اُسکی آنکھیں تیزی سے چھلک گئی۔ یہ غم اُن دونوں کا سانجھا تھا۔

"تمہاری ماں کا دِل بہت کڑھتا تھا جب ہمارے پانچوں بیٹے اُسکے علاوہ ہر ایک کی گُود میں رہتے مگر میں ہی اُسے صبر کرنے کا کہتا اور خاندان بھر میں اُسکے لیئے جھگڑتا لیکن کوئی صبر کرے تو کب تک اور کہاں تک کرے۔ صبر کی بھی کوئی حد تو ہونی ہی چاہیئے نہ۔" دلگرفتگی سے کہہ کر اُنہوں نے تاسف سے سَر ہلایا تو مَنّت نے بے اِختیار اپنا ہاتھ بڑھا کر اُنکے شفیق ہاتھوں پر نرمی سے رکھا تو وہ چونک کر اپنی عزیز اَز جان بیٹی کو دیکھتے ہوئے مُسکرا دیئے۔

"حدید کے ساتھ لوگ تمہیں ہاتھوں ہاتھ لیں گے۔ وہ عزت کرنا اور کروانا بخوبی جانتا ہے۔ عزت، مان، سکون، آرام اور سب سے بڑھ کر میری بیٹی کو وہاں ڈھیروں مُحبت ملے گی یہ تو طے ہے۔"

اُنھوں نے بات پلٹتے ہوئے مُسکرا کر کہا تو مَنّت بے ساختہ جھینپ گئی۔ دِل اُس نام پر مُحبت سے پھڑپھڑایا۔ سردار ولّی خان محویت سے اپنی بیٹی کا سُرخ ہوتا چہرہ دیکھ رہے تھے۔ یہ سارے رنگ اُس شخص کے نام کے تھے جو اُنکی بیٹی کا مُحافظ بنا، اُسکے لیئے سالوں پرانے رسم و رواج سے ٹکرایا۔ وہ خوش تھے، بے حد خوش اور پُرسکون مگر کون جانے کہ اکثر خوشیوں کی عمر بہت عارضی ہوتی ہے۔

تو کون آ کے بچائے گا بیٹیوں کو اب؟

کوئی نبیؑ بھی نہیں آخری نبی ﷺ کے بعد۔۔۔

-----@------@------@-----@-----@------

وہاں موجود کتنے ہی لوگوں نے چہرہ پھیر کر ڈاکٹر مَنّت اِمام کو دیکھا تھا جو اِردگرد کی پرواہ کیئے بغیر تیزی سے راہداریاں عبور کر رہی تھی۔ ہال میں پہنچ کر اُس نے لمحے بھر کو اپنا سانس ہموار کیا اور پھر اُسے دیکھا جو ہال کے دوسرے سِرے پر پہنچا اب منظر سے اُوجھل ہو جانے کو تھا۔ یک دَم وہ تقریباً بھاگ کھڑی ہوئی۔ سب ڈاکٹرز حیرت سے اُسے بھاگتا دیکھ رہے تھے جو بہت سُوبر، گریس فُل اور احتیاط پسند تھی لیکن دو ماہ سے قدرے مُختلف لگنے لگی تھی۔

"حدید۔" تھک کر اُس نے آخر اُس دُور جاتے شخص کو اُونچی آواز میں پُکارا تو اُس کھچا کھچ، پُرشور ہال میں سنّاٹا چھا گیا۔ جہاں ڈاکٹر اِمام کو جاننے والے ساتھی ڈاکٹر قریب موجود 'نیورو سرجری' ڈیپارٹمنٹ سے نِکل کر تحیر سے اُسے دیکھ رہے تھے وہیں دُور جاتے حدید کے دِل اور قدم اُس پُکار پر ساکن ہوئے تھے۔ وہ بے یقینی بہت زیادہ تھی۔ دھڑکتے دِل کے ساتھ اُس نے چہرہ پھیر کر اُسے تیزی سے پُھولی سانسوں کے ساتھ بھاگ کر آتے دیکھا۔ اُسکا دِل، ذہن اور نگاہیں بالکل شل سے اُس عورت کو

لمحہ بہ لمحہ قریب آتے دیکھ رہے تھے جسکا نعم البدل کہیں بھی نہیں تھا۔جسکے مقابل کوئی دوسری عورت کبھی نہیں آسکتی تھی۔جس عورت کو کبھی نہ دُکھ دینے کا عہد اُس نے بارہا خود سے کیا تھا وہی عورت جسکی بدولت اُس نے زمانے کا ہر غم، بے طرح تکلیفیں، اپنوں سے اذیت ناک جُدائی سہی تھی۔وہ عورت جسکا نام "مَنّت حدید قوسین" تھا۔جو اُسکے نکاح میں تھی، جسکے نام پر دِل نے دھڑکنا سیکھا، جس عورت کو سات نہیں ہزار خون معاف تھے کیونکہ وہ حدید قوسین کے دُکھتے دِل کے ہر درد کا مداوا تھی۔۔۔۔وہی مَنّت جب اُسکی زندگی سے اُوجھل ہوئی تو اُسے ہر طرح سے کنگال کر گئی۔ رشتوں سے، دِل سے، جینے کی وجہ سے یعنی کے ہر ایک شے سے۔۔۔۔لیکن آج بھی وہ دِل کو اُتنی ہی خوبصورتی، اُتنی ہی شدت سے پیاری لگتی تھی۔حدید قوسین نے اُسکو چند قدم دُور آکر کھڑے ہوتے دیکھ کر خود سے ایک بار پھر دِل شکستہ اعتراف کیا تھا۔

بچھڑ کر تُجھ سے کبھی پھر نہیں کہا میں نے

"ہمارے پاس خُدا کا دیا بہت کچھ ہے۔۔۔۔"

قریب آکر وہ قدم ڈگمگانے کے باعث لڑکھڑائی اور اِس سے پہلے کہ مُنہ کے بل زمین بوس ہوتی حدید قوسین ہمیشہ کی طرح اپنے دونوں بازو کھول کر آگے بڑھا اور اُسکو دونوں کہنیوں سے تھام کر اپنے ہلکے میں لے لیا تھا۔لمحے بھر میں ہی وہ اُس دلفریب، دِل کو چُراتی خوشبو کے حصار میں آکر سب بُھولی تھی۔چہرہ اُٹھائے وہ بھیگتی آنکھوں سے اُسکو دیکھ رہی تھی جو اُسی کی طرح بے یقین سا اُس کی جانب چہرہ جُھکائے کھڑا تھا۔

لگتا نہیں بُرا وہ کسی زاویے سے بھی

دیکھا اُسے قریب سے اور فاصلے سے بھی۔۔۔

"میم! آپ ٹھیک ہیں؟" پیچھے سے آتی آواز پر وہ دونوں جیسے اُس فسُوں سے سنبھل کر نکلے۔یونہی حدید کے دونوں ہاتھوں کو کلائیوں سے تھامے اُس نے چہرہ پھیر کر بائیں جانب دیکھا جہاں اُسکے ڈیپارٹمنٹ کے زیادہ تر ڈاکٹرز کھڑے حیرت اور تشویش سے اُسے اور سامنے کھڑے چہرے اور ہاتھ پر خون لیئے سَر جُھکائے کھڑے اُس شخص کو دیکھ رہے تھے۔

"جی بالکل۔آپ میرے ساتھ چلیں۔"اُن لوگوں کو ایک حرفی تسلی دے کر وہ حدید کا دوسرا ہاتھ نرمی سے تھامتے ہوئے اُسکو لے کر کامن رُوم کی جانب چل پڑی۔سب حیرت سے آگے سے ہٹتے ہوئے ڈاکٹر اِمام کی فکر دیکھ رہے تھے۔کامن رُوم کا دروازہ یونہی کُھلا چُھوڑ کر اُس نے حدید کو صوفے پر بیٹھایا جو ابھی تک بے یقین اور ششدر سا اُسکی پُھرتیاں دیکھ رہا تھا اور پھر چہرہ پھیر کر مَنّت نے وہاں دیکھا جہاں ڈاکٹرز کھڑے معملے کو سمجھنے کی کوشش کر رہے تھے۔

"ارباب آپ جاکر باہر کھڑے حدید کے دوست کیپٹن زاور کو بُلا کر لائیں اور ڈاکٹر آصف آپ پلیز مُجھے بینڈیج کِٹ دے دیں، جلدی۔"ارباب کے تاثرات اُسکا صرف نام پُکارے جانے پر ہونق ہوئے کیونکہ ڈاکٹر اِمام تو بے حد پُروفیشنل سی تھیں۔باقی سب حیران سے اُسکا مُنہ دیکھ رہے تھے کہ میجر حدید قوسین سے وہ حدید کیسے ہو گیا۔ایک ہاتھ سے اُسکے خون بہاتے زخم پر دباؤ ڈال کر اُس نے تیزی سے آگے بڑھتے آصف کے ہاتھ سے "جذاک اللہ" کہہ کر کِٹ لیتے ہوئے حدید کے برابر رکھی تھی۔وہ ابھی بھی یونہی سانس تک رُوکے بیٹھا تھا۔ڈاکٹر ارباب لمحے بعد بوکھلا کر منظر سے نِکلتی چلی گئی تھی دھڑکتے دِل کے ساتھ۔۔۔

-----@-------@-------@------@------@------

زاور جو جیپ کے بُونٹ سے پُشت ٹکا کر کھڑا سیل فون پہ سَر جُھکائے مصروف حدید کے اِنتظار میں کھڑا تھا، قدموں کی قریب آتی مدہم آہٹ پر چونکتے ہوئے گردن اُٹھا کر اُس نے اوپر دیکھا اور کاش نہ ہی دیکھتا۔ سامنے وہی سَر جُھکا کر اُنگلیاں مڑوڑتی آہستہ سے آ کر اُس سے دس قدم دُور ٹھہری تھی جسکی موجودگی کے باعث وہ اندر آج ہاسپٹل نہیں گیا تھا۔ مہینے سے ہوتی دِل کی اِس دغا بازی پر وہ ابھی تک اُلجھا اور پریشان تھا۔ وہ تو ہنس مکھ، لااُبالی سا شخص تھا فوج جیسے سخت پیشے میں آنے کے باوجود اب یوں گھنٹوں سُوچوں میں اُلجھا رہنا اُسکو خاصہ جُھنجھلاہٹ میں مُبتلا کر رہا تھا۔ ابھی بھی اُسکو دیکھ کر لمحے بھر کو اُسکے چہرے کا رنگ بدلا تھا مگر وہ تیزی سے سنبھل کر اُسکو دیکھنے لگا جو یہاں آ تو گئی تھی لیکن اب اپنی نازک اُنگلیوں کا حشر نشر کرتے ہوئے بہت بُوکھلائی ہوئی تھی۔ اُسکی حالت دیکھ کر زاور کو چہرے کو ناچاہتے ہوئے بھی ایک ہلکی سی مُسکراہٹ چُھو گئی۔

"اسلام و علیکم۔" زاور کے سنجیدگی سے کہے جانے پر وہ تیزی سے سَر اُٹھا کر ہونقوں کی طرح اُس شخص کو دیکھے گئی جسکے سامنے آ کر وہ ڈاکٹر اِمام سے بھی زیادہ بُوکھلاتی تھی۔ نہ جانے اُسکی آنکھوں میں اُسکو دیکھ کر اِیسا کیا سِمٹ آتا تھا کہ زرباب کو اپنا دِل کانوں میں دھڑکتا سُنائی دینے لگتا تھا اور اُسکے تاثرات دیکھ کر زاور نے بے حد مُشکل سے اپنی مُسکراہٹ کا گلہ گھونٹا۔

یوں بھی آتی ہے کبھی دِل کے دھڑکنے کی صدا
دیر کا بچھڑا ہوا دوست مُجھے پُکارے جیسے۔۔۔

"سلامتی کا جواب سلامتی سے دیا جاتا ہے، مُحترمہ۔" اُسکے مُسکراہتے لہجے پر اُس نے سٹپٹا کر نِگاہوں کا زاویہ بدلتے ہوئی اپنی ہتھیلیاں مسلی تھیں۔

"و۔۔وعلیکم اسلام۔۔۔ڈاکٹر اِمام آپکو اندر بُلا رہی ہیں۔" نگاہوں کا زاویہ بدلتے ہوئے اُس نے تیزی سے مُدعا بیان کیا اور اُسکی پُھرتی دیکھ کر زاور کی جہاں آنکھوں کی چمک میں مزید اِضافہ ہوا تھا وہیں اُسکی بات پر حیران بھی۔

"ڈاکٹر اِمام کون؟ اچھا بھابھی۔" لمحے بھر کو اُلجھتے ہوئے وہ جیسے یک دَم سمجھا تھا۔اُسکے لفظ "بھابھی" پر زرباب نے چُونک کر اُسکو دیکھا لیکن اُن چمکتی آنکھوں کو دیکھتے ہی اُس نے نہ صرف نِگاہ بدلی تھی بلکہ راہ بھی۔اُسکو پلٹتے دیکھ کر زاور کی مُسکراہٹ کم ہونے کے بجائے کچھ اور وسیع ہوئی تھی۔

"منزل ایک ہو تو ساتھ ہی چلنا چاہیئے، نہیں؟" اُسکے برابر چلتے ہوئے اُس نے دِلکش لہجے میں کہہ کر زرباب کی دھڑکن رُوک کر اُسے چلتے چلتے ٹھٹھکتے ٹھہر جانے پر مجبور کیا تھا۔اُسکو رُکتا پا کر وہ بھی اُسی رفتار سے رُک کر اُس کے حیران، پریشان سے چہرے کو دیکھ رہا تھا۔زاور کا جی چاہا وہ قہقہ لگا کر ہنسے مگر یہاں ہنسنا سامنے اُلجھی سی کھڑی لڑکی کے ہاتھوں کے طوطے اُڑانے کے مُترادف تھا۔سُو وہ ہنسی دباتے ہوئے خود چل پڑا۔

"چلیں گی اب آپ مُحترمہ۔" لمحے بھر کو چہرہ پھیرے بغیر رُکتے ہوئے کہہ کر اُس نے ڈاکٹر ارباب کے اُوسان سہی مانوں میں خطا کر دیئے اور وہ ہڑبڑا کر تیزی سے اُسکے مضبوط، لمبے قدموں کا ساتھ دینے کے واسطے تقریباً بھاگ رہی تھی۔

-----@-----@------@-----@------@-----

وہ پُکار لینا ہی حدید کے سُوگوار سے دِل کے لیئے بہت تھا اور اب وہ اُسکا ہاتھ نرمی سے تھامے بہت آہستگی کے ساتھ خون صاف کر کے ڈِس اِنفیکٹ کرنے کے بعد اب ماہرانہ طریقے سے سٹیچز لگا رہی تھی۔اپنے ہاتھ پر جُھکے مصروف سے چہرے کو دیکھنا آج بھی حواسوں کے لیئے ایک اِمتحان تھا۔وہ بے یقنی، وہ دِل کا حیران ہونا تو بنتا تھا کیونکہ مَنّت مہربان، مائل بہ کرم نظر آ رہی تھی۔خود پر جمی حدید کی نظروں کی تپش پر اپنے ہاتھوں کی لرزش کو بامُشکل سنبھالے وہ بظاہر مگن اور بے نیاز نظر آتی تھی مگر اُسکے دِل کی حالت بہت غیر تھی۔وہ بےاِختیاری جس سے اُس نے بھرے پڑے ہاسپٹل میں حدید کو پُکارا تھا اب وہ مُنہ چُھپانے پر اُکسا رہی تھی۔آج وہ کیوں حدید قوسین کو دیکھ کر سارے عہد، سارے پُختہ اِرادے فراموش کر کے بےاِختیار ہو گئی تھی؟ وہ تو بہت مضبوط اعصاب کی مالک تھی ہاں سہی ہے آٹھ سال پہلے وہ اِیسی نہیں تھی مگر آٹھ سالوں میں تو نئ مَنّت اِمام اُبھر کر سامنے آئی تھی تو پھر اب وہ نوعمر لڑکیوں کی طرح اپنے گال اُن نگاہوں کی ورفتہ حیرت پر جلتا محسوس کیوں کر رہی تھی؟؟ یا آج بھی اُسکا دِل حدید کے معاملے میں اُتنا ہی بےبس وہیں کھڑا تھا، اول روز کی طرح۔۔۔بینڈیج کر کے اُس نے بامُشکل نِگاہ اُٹھا کر حدید کو دیکھا اور پھر اُن جھکڑتی آنکھوں کی تاب نہ لاتے ہوئے نظر تیزی سے چُرا کر وہ اُٹھ کھڑی ہوئی۔حدید جو مبہوت ہو کر اُسکے گلابی پڑتے شفق رنگ گالوں کو دیکھ رہا تھا اُسکے نِگاہ چُرانے پہ تیزی سے نِگاہوں کا زاویہ بدل گیا۔

"ڈاکٹر اِمام! میجر صاحب کے چہرے پہ بھی کٹ لگا ہوا ہے۔"ڈاکٹر آصف کی آواز پر اُس نے تیزی سے حدید کے چہرے کو دیکھا جسکو زیادہ تر خون رنگین کر چکا تھا۔

"آپ اُس واش بیسن میں چہرہ دُھو لیں۔" بامُشکل اُسکے چہرے سے نگاہ ہٹا کر اُس نے کامن رُوم کے کونے میں بنے سفید واش بیسن کی جانب اِشارہ کرتے ہوئے کہا تو حدید لمحے بھر کو چونکا لیکن اُسی خاموشی سے اُٹھ کر وہاں پہنچ کر اب وہ جُھک کر اپنا چہرہ دُھو رہا تھا۔ مَنّت نے کھٹکے کی آواز پر پلٹ کر دیکھا وہاں کچھ ساتھی ڈاکٹرز اب راونڈ اور سرجریز سے فارغ ہو کر واپس کامن رُوم میں آ رہے تھے۔ حدید یونہی چہرہ گیلا چھوڑ کر واپس پلٹتا آنے والے ڈاکٹرز کو بھی ٹھٹھکا گیا تھا کیونکہ سب ہی اُس واقعے سے واقف تھے جب مہینہ پہلے اِسی فوج کی وردی میں ملبوس میجر نے ڈاکٹر اِمام کو بہت اپنائیت سے محض 'مَنّت' کہہ کر پُکارا تھا اور آج ڈاکٹر اِمام نے باہر ہال میں جو 'حدید' کہہ کر پُکارا وہ بھی سب کے ذہنوں میں تازہ ہی تھا۔

"میں چلتا ہوں۔" کافی سارے ڈاکٹرز کو دیکھ کر اُس نے مَنّت کو ایک نظر دیکھتے ہوئے سنجیدگی سے کہا، لمحے بھر کو مَنّت کا دِل ڈوب کر اُبھرا لیکن سنبھل کر تیزی سے اُسکے سامنے آ کھڑی ہوئی۔ جہاں حدید اُسکو سامنے یک دَم آنے پر ٹھٹھک کر تھم گیا وہیں سب ڈاکٹرز اپنے کام ترک کر کے اُن دونوں کی جانب متوجہ ہو گئے جن کا آپس میں کوئی تعلق مُشک اور عشق کی طرح چھپائے نہیں چُھپ رہا تھا۔

"ڈاکٹر اِمام! میں اِنکا زخم دیکھ لوں گا، آپکے راونڈ کا وقت ہو گیا ہے۔" ڈاکٹر آصف نے ایک نظر سامنے دیوار پر نصب وال کلاک کو دیکھ کر اُسکو کہا جو آج سب کو ہی مُختلف لگ رہی تھی۔

"نہیں میں خود دیکھ لوں گی۔ آپ میری جگہ آئی۔ سی۔ یو کا راوئڈ لگا لیں۔" اُسکے ہاتھ سے کِٹ لے کر اُس نے ہاتھ سے حدید کو بیٹھنے کا اِشارہ کیا جو ناسمجھی سے اُسکے تمام کولیگز کا ہق دق رہ جانا دیکھ رہا

تھا جو اِیسے حدید اور مَنّت کو دیکھ رہے تھے جیسے اُنکے سامنے کوئی انہونی ہوئی ہو۔اب کی بار ڈاکٹر آصف جیسا کام سے کام رکھنے والا ڈاکٹر بھی حیرت کا شکار ہوا کیونکہ بات ہی اِیسی تھی۔ڈاکٹر اِمام نے آج تک کسی میل پیشنٹ کے چہرے کے زخم کبھی خود صاف نہیں کیے تھے بلکہ ہمیشہ ساتھ موجود کوئی نرس یہ کام کیا کرتی تھی یا پھر یہ ڈیوٹی آصف کی ہوتی تھی۔سب کی حیرت بالکل مُناسب تھی۔

"لیکن ڈاکٹر۔۔۔"آصف نے کچھ کہنا چاہا شاید وہ حیرت وجہ مانگ رہی تھی۔مَنّت نے ایک نظر اُلجھے سے کھڑے آصف کو دیکھا اور پھر چہرہ پھیر کر چونکتے ہوئے سوالیہ نظروں سے ساکت، اپنا کام چھُوڑ کر کھڑے ڈاکٹرز کو دیکھا تو اُسے معاملے کی نوعت کا اندازہ ہوا۔

"میجر حدید میرے شوہر ہیں۔"اُن لوگوں کی بےیقنی دیکھ کر اُسکو نہیں معلوم کہ کیسے لیکن سختی اور تیزی سے کہہ کر نہ صرف خود کو بلکہ اپنے تمام ساتھی ڈاکٹرز کو ششدر کر دیا تھا۔اندر رُوم میں آتے زاور، ڈاکٹر ذرباب اور داکٹر مُصطفیٰ تک تھم کر ساکن رہ گئے صرف حدید تھا جو گُم صم سا چہرہ اُٹھائے اُسکو دھڑکتے دِل کے ساتھ دیکھ رہا تھا جس نے حدید توسین کی مُردہ رُوح میں جان ڈال کر اُسکو معطر کر دیا تھا۔اُن طلسماتی حیران سی آںکھوں نے یک دم سٹپٹا کر حدید کو دیکھا اور اُسکی تیزی سے دھمک کر روشن ہو جانے والی آنکھوں کو دیکھ کر اُسکا دِل کانوں میں آکر دھڑکنے لگا تھا۔

وہ اِس طرح سے مجُھے دیکھنے لگا کہ

میں اپنے آپ کو بہتر دِکھائی دینے لگا۔۔۔

لیکن دوسری جانب یہ الفاظ ڈاکٹر مُصطفیٰ کو اندر تک خالی کر گئے تھے بالکل ساکت۔زاور کی خوشگوار حیرت کو مُسکراہٹ نے چھُوا تو ڈاکٹر ارباب نے اُسکو نا سمجھی سے دیکھا لیکن پھر اچانک سماعتوں میں

اُسکا چونک کر 'بھابھی' کہنا یاد آیا تو نگاہوں کا زاویہ بدل کر اُس نے ڈاکٹر مَنّت اِمام کو دیکھا جو میجر حدید قوسین کی جانب ہی متوجہ تھی۔اچھا تو وہ دونوں اِس لیئے ایک دوسرے کو نظرانداز کر کے گُزرتے ہوئے بھی ایک دوسرے کی جانب جی جان سے مائل نظر آتے تھے گویا دونوں کے دِل ایک ہی لہہ پر دھڑک رہے ہوں۔سُوچ کر اُسکے لبوں کو بھی ایک مدہم مُسکراہٹ چھُو گئی جسے محسوس کر کے زاور نے مشکوک نظروں سے اُسکو دیکھا لیکن فلحال وہ حدید کے لیئے حد سے زیادہ خوش تھا، بے اِنتہا پُرمسرت۔۔۔اپنے الفاظ کا تاثر ذائل کرنے کو وہ تیزی سے ٹویزر سے رُوئی پکڑ کر اُسکو پائیوڈین میں ڈبو کر اُسکی جانب مصروف سی آئی اور یونہی جُھکی آنکھوں سے اُسکے دائیں گال پر موجود کٹ پر آہستگی سے لگانے لگی۔

جلن کا اِحساس تھا مگر پُرکشش، دِل گُدگُدا دینے والا۔حدید نے مُسکراتے دِل سے اُن مخمور آنکھوں کو بے حد قریب سے جُھکا دیکھا تو دِل نے جیسے صدیوں بعد بےساختہ کروٹ لے کر اُداسی اور ویرانی کو بیک وقت پچھاڑ کر پُھرتی سے باہر نکالتے ہوئے دِل کا دروازہ مضبوطی سے بند کر دیا تھا۔اِضطراری انداز میں تھرکتی اُسکی پلکوں کا سایہ اُن خفت اور شرمنگی سے گلاب ہوتے گالوں پر پڑتے ہوئے حدید کو کسی ہوش رُبا طلسم میں گرفتار کر رہے تھے۔وہ منظر حواس چھین لینے والا تھا، حواس اور دھڑکن رُوک دینے والا۔اُس محبوب عورت کی ہر ادا ہی جان لیوا تھی۔۔۔

میں تیری اِک ادا کا ہی فقط شیداء نہیں

یار تُو تو ہے میرے واسطے مکمل پیارا سا۔۔۔

-----@------@-------@------@------@-----

"تم مُجھے کچھ بتاؤ گے مُجاہد کے تمہارا یہ حل کِس نے کیا ہے؟" ہزار دفعہ کا پُوچھا گیا سوال اب کی بار اُس نے چیخ کر کرتے ہوئے مُجائد اور سُفوان کو چونکا دیا تھا۔ گردن پھیرنے کے باعث ہوتی تکلیف کو ضبط کرتا وہ اپنی عزیز از جان بہن کو دیکھنے لگا جسکو جب سے مُجاہد کی حالت کا معلوم ہوا تھا اُس نے آسمان رُو رُو کر سَر پہ اُٹھا لیا تھا۔ اُسکے سُرخ، نڈھال سے چہرے کو دیکھتے ہی مُجاہد نے نگاہوں کا نہ صرف زاویہ بدل لیا بلکہ آنکھیں بھی مُوند لیں۔ سُفوان تیزی سے چلتا ہوا مائدہ تک آیا اور اُسکے شانے پر بازو پھیلاتے ہوئے اُسکو ساتھ لگا کر خاموش تسلی دینی چاہی تھی جس پر وہ تڑپ کر اُسکے حصار سے نِکل کر سُفوان کو ہق دق کر گئی۔

"میرا بھائی یہاں زخموں سے چُور ہے اور آپکو لاڈیوں کی پڑی ہے۔" اُسکے چیخ کر مُنہ پھاڑ کر کہنے پر نہ صرف مُجاہد ساکت ہوا بلکہ اُس بےوقوفانہ بات پر سُفوان نے خفت زدہ ہو کر اُسکے شانے سے نہ صرف ہاتھ ہٹایا تھا بلکہ چند قدم دُور جا کر بھی کھڑا ہوا۔ مائدہ اِیسی ہی تھی مُوڈی سی اکثر وہ اِس بُری طرح سُفوان کو جھٹکتی کہ وہ خود بھی ششدر رہ جاتا اُسکے دُھوپ چھاؤں سے رُوپ کو جانتے ہوئے بھی۔ اِتنے سالوں کی رفاقت کے باوجود وہ ابھی تک جان نہیں پایا تھا کہ مائدہ اُس سے مُحبت کرتی بھی ہے، اُسکے ساتھ خوش ہے؟ گو کہ کثرت سے پُوچھے جانے والے اِس سوال کو وہ بڑی خوبصورتی سے ٹال جاتی مگر سُفوان ولّی خان کا دِل بھی ضرور بُوجھل کر دیتی تھی۔ بابا جان کی وفات کے بعد سے اُسکے سَر پر بہت سی ذمہ داریاں آ گئی تھیں لیکن وہ پھر بھی ہر ممکن کوشش کرتا کہ مائدہ کو اُس سے شکایت نہ ہو، وہ اور باقی گھر والے اُس سے خوش رہیں لیکن مائدہ کے مزاج ہمیشہ سے نہ سمجھ میں آنے والے تھے۔ یہ بھی شاید مکافاتِ عمل کا ہی کوئی رُوپ تھا مگر چونکہ اُس حویلی کے سبھی مکینوں

کی ابھی رسّی ذرا دراز تھی اِسی لیئے وہ لوگ اپنے ساتھ ہوتے نقصانات کی حقیقت سے پُوری طرح ناواقف تھے۔

"کیوں میری جان لینے کے درپے ہو مُجاہد۔" اُسکا بازو جھنجھوڑ کر وہ ہذیانی انداز میں چیخی تو مُجاہد نے تکلیف سے آنکھیں کھول کر اُسکو دیکھا جو اُس سے بے حد، بے حساب مُحبت کرتی تھی، جو ماں کے مرجانے کے بعد اُسکی ماں بن گئی تھی۔ اُسکی ہر پریشانی پر بلبلا اُٹھنے والی مائدہ کو جب خبر ہوئی کہ اُسکا اکلوتا بھائی، اُسکا کُل سرمایا کِس حال میں دُور بیابان سے مِلا ہے تو اُسکے کانپتے دِل پر گویا ہاتھ پڑا تھا ساتھ ہی وہ حواس کھوتے ہی پُورے قد کے ساتھ زمین پر آ گری۔ مائدہ کی بیٹی کی چیخ و پُکار پر سب وہاں جمع ہو گئے لیکن ہوش میں آنے کے بعد جو اُس نے ہنگامہ لگایا اُسکے بعد سُفوان کو اُس ضدی عورت کو اسلام آباد سے سوات کے ہاسپٹل میں لانا ہی پڑا اور اب یہاں بھی رُو رُو کر اُس نے اپنا گلہ بٹھا کر آنکھیں بھی سُوجا لیں تھیں۔

"میں ٹھیک ہوں مائدہ۔" مُجاہد کی نحیف ذدہ سی آواز پر اُس نے بھیگتی آنکھوں سے اپنے بھائی کو دیکھا جو اُسکو اپنی سگی اولاد سے کہیں زیادہ محبوب تھا۔

"پھر بتاؤ یہ سب کِس نے کیا؟ تمہیں معلوم ہے نہ میں کیسے سوات آئی ہوں۔ دِل میں ہزار وسوسے لے کر تمہیں آپریشن تھیٹر سے نکلتے دیکھا تھا میں نے۔ تم میرے ساتھ اِیسا کیسے کر سکتے ہو مُجاہد۔" اُسکے دونوں ہاتھوں کو تھام کر اُن پر سَر ٹِکا کر روتے ہوئے اُس نے سُفوان کی آنکھیں بھی بھیگو دیں تھیں۔ جب بھی وہ اپنے بھائی کے لیئے اِیسے تڑپتی کوئی چہرہ دُھندلا کر آنکھوں کے آگے لہراتا تھا اب بھی اِیسا ہی ہوا لیکن اُس نے ہمیشہ کی طرح سَر جھٹک کر نہ صرف لمحہ بہ لمحہ جاگتے ضمیر سے نظریں

چُرائی تھیں بلکہ نگاہوں کا زاویہ بدل کر کھڑکی سے باہر حیسن مناظر دیکھنے میں مگن ہو گیا۔ مُجاہد نے چُور نظروں سے کھڑکی سے باہر دیکھتے سُفوان کو دیکھ کر مائدہ کو دیکھا جس نے آنکھوں کو پُونچھتے ہوئے مُجاہد کی نگاہوں کے تعاقب میں دیکھا تھا۔

"سُفوان آپ ذدا باہر جائیں مجُھے مُجاہد سے بات کرنی ہے۔" مائدہ کے پُکارے جانے پر وہ چونک کر پلٹا لیکن اُسکی مکمل بات سُن کر اُسکا چہرہ اہانت سے سُرخ ضرور ہوا مگر وہاں پرواہ کسے تھی جو دو لوگ اُسکے مزاج کے موسموں کی پرواہ کرتے تھے اُنکو خود اپنے ہاتھوں سے اپنی زندگی سے باہر دھکیل دیا تھا۔ مُجاہد نے خفگی سے مائدہ کو دیکھ کر افسوس سے سَر ہلا کر سُفوان کو رُوکنا چاہا مگر وہ تیزی سے دروازے کی جانب بڑھا اور پھر پلٹ کر مائدہ کو دیکھا جو اُس سے ہمیشہ کی طرح یکسر غافل مُجاہد کی جانب جی جان سے متوجہ تھی۔

"اب بتاؤ مجُھے ماجی، میرا ضبط رخصت ہو رہا ہے۔" مائدہ کے سخت لہجے پر سُفوان سَر جھٹک کر دروازے کے ہینڈل کو دبا کر تیزی سے باہر نِکل گیا۔

"حدید نے۔" پُرسوچ خاموشی کے بعد وہ بولا تو لمحے بھر کے لیئے وہ نام برسوں بعد سُن کر مائدہ دھک سے رہ گئی۔ دِل دھڑک کر کئی زینے نیچے پھسلتا چلا گیا شاید وہ نام آج بھی دِل پر ویسے ہی اپنا اثر چھوڑتا تھا۔ اُس نے تو زمانہ ہوئے یہ نام خود سے اور اپنے ِگرد کہے جانے پر پابندی عائد کر دی تھی کیونکہ وہ جانتی تھی کہ اُس شخص کا اثر کتنا دیر پا رہنے والا تھا لیکن جب اُس شخص کے مرنے کی خبر وہاں پہنچی تھی تو وہ کتنے ہی دِن ساکت، گُم صم رہی۔ سُفوان اور باقی سب گھر والے اُسکے نا سمجھ میں آنے والے رویے سے بے حد پریشان رہے مگر وہ مائدہ تھی اپنے علاوہ کسی کا بھی نہ سُوچنے والی۔ جب

اُس نے صدمے سے نِکل کر اِس بات کو یعنی حدید قوسین کی موت کو پرکھا تو کہیں کمینی سی خوشی بھی ہوئی کہ چلو اب وہ مَنّت کا بھی رہنے کے قابل نہیں رہا۔اب نہ اُسکے سینے پہ سانپ لوٹیں گے نہ وہ کسی اور کے ہمراہ رہے گا۔بےساختہ مُسکراہٹ اپنے چہرے پر لاتے ہوئے وہ پھر سے اپنی زندگی، اپنی دُنیا میں مگن ہو گئی جہاں حدید اور مَنّت کا کہیں شائبہ تک نہیں تھا مگر شاید اوپر بیٹھے اِنصاف کرتے رب کو کچھ اور ہی منظور تھا۔

"تم۔۔ تمہیں غلط فہمی ہوئی ہو گی ماجی وہ تو زمانے پہلے مَر گیا تھا نہ۔"وہ نہیں جانتی تھی مگر خوف اور بےیقینی نے اُسکی آواز کو کپکپانے پر مجبور کر دیا۔پُشت پر گردن کے بال یک دَم سے کھڑے ہوتے محسوس ہوئے اِس اِحساس کے ساتھ کہ جسے اُس کے دِل نے عرصہ پہلے مُردہ جان لیا تھا وہ زندہ تھا اور اُسے خبر ہی نہیں تھی۔۔۔مُجاہد نے بےچینی سے بغور مائدہ کا سفید پڑتا چہرہ دیکھ کر نگاہیں چُرا لیں کیونکہ وہ جانتا تھا کہ حدید نامی شخص کا بسیرا اُسکی اِس بہن کے دِل پر بھی رہ چکا تھا۔

"اِیسے ہی کہا وہ کوئی اور تھا میرے کاروباری معاملے کا کوئی حریف۔"مُجاہد نے اُسکو دیکھ کر اب کے لفظ بہ لفظ سنجیدگی سے کہا تو یک دَم مائدہ کے بےیقین تاثرات اور حیرت سے پھیلی ہوئی آں کھیں تحیر سے اُلجھیں اور پھر اُس نے اِک گہرا تشکر بھرا سانس لے کر مُجاہد کو متفکر کر دیا۔کیا آج بھی وہ یہیں کہیں تھا؟ مائدہ کے دِل میں؟؟

"تم نے تو میری جان ہی نکال دی مُجاہد۔خس کم جہاں پاک تو اِتنی دقعت سے ہوا تھا۔تم بھی نہ۔" اب کے اُسکی آنکھوں میں ہی نہیں الفاظ میں بھی بےحد اِطمینان اور سُکھ ہلکورے لے رہا تھا۔مُجاہد نے اُلجھ کر اُسکا سکون دیکھا شاید مُجاہد غلط ہو۔۔۔لیکن مُجاہد نہیں جانتا تھا جس اِحساس نے مائدہ سُفوان

کی سانس رُوک لی تھی وہ صرف حدید قوسین کا زندہ ہونا ہی نہیں تھا بلکہ اُسکا مَنّت کے ساتھ ابھی تک ہونا تھا صد شکر کہ وہ اِس دُنیا کو خیر آباد کہہ کر جا چکا تھا مگر کون جانے۔۔۔؟؟

------@------@-----@-----@-----@------

"کیا ہوا ہے تُجھے؟" خوشگواریت کے بادل چھٹے تو وہ تیزی سے حدید کی جانب بڑھا جس کی آج شان ہی نرِالی تھی، جو آج نہ جانے کیوں اِتنا دھمک کر مزید نمایاں ہو رہا تھا۔ مَنّت نے ایک خفگی بھری نگاہ سَر اُٹھا کر زاور پر ڈالی جو سوالیہ نظروں سے اُسی کو دیکھ رہا تھا۔ مَنّت کی خفگی دیکھ کر وہ ٹھٹھکا اور پھر حدید کو دیکھا جس نے سنجیدگی سے کندھے اچکائے مگر ہاں اُسکی روشن آنکھیں بے طرح مُسکرا رہی تھیں۔

"بھابھی کیا ہوا ہے اِسے؟" اب کے زاور نے جُھنجھلا کر قدرے اُونچی آواز میں کہا تو مَنّت نے اُسے خفگی سے گُھور کر اپنے ہاتھوں سے تیزی سے گلوز اُتار کر جھٹکتے ہوئے پیچھے پلٹ کر دیکھا تھا۔ اُسکی نظریں۔۔۔ سارے ڈاکٹرز تتر بتر ہو کر اپنے کاموں میں مصروف ہو گئے ہاں سماعتیں سب کی ابھی بھی اُن تینوں کی جانب ہی تھیں۔

"زاور مُجھے آپ سے اِیسی غیر ذمہ داری کی اُمید نہیں تھی۔" اب کے اُس نے پلٹ کر دیکھتے ہوئے خفگی بھری سنجیدگی سے کہا جس سے وہ خود بے خبر تھی۔ اُس خفگی میں پہلے والی سَرد مہری مفقود محسوس کر کے زاور کے چہرے کو بے حد بھلی سی مُسکراہٹ چُھو گئی جسے دیکھ کر ڈاکٹر مَنّت اِمام کی تیوری مزید اُسکی ہنسی دیکھ کر چڑھ گئی۔ حدید بس ایک ہاتھ سینے پر لپیٹے دوسرا ہاتھ اُسکے اوپر کھڑا کر کے اُسکی مُٹھی بنا کر ہونٹوں پر رکھے آنکھوں میں شوق کا ایک الگ ہی جہان آباد کیئے اُسے دیکھ رہا تھا جسکا

اعتراف دِل فریب تھا، جس نے حدید کو فرش سے عرش پر بیٹھا دیا تھا اور خود اُسے شاید خبر بھی نہیں تھی۔

"آپ نے کہا تھا کہ آپ حدید کے دوست ہیں۔ دوست اِیسے دھیان رکھتے ہیں۔"وہ اب زاور کی اچھی خاصی کلاس لے رہی تھی۔وہ خفگی اور تفکر سے لبریز الفاظ حدید کے برسوں سے جلتے دِل ہر پھُوار کی مانند برس رہے تھے۔وہ شعلہ ہو یا شبنم ہر رُوپ دِل کھینچ لینے والا تھا۔

"بھابھی مُجھے سچ میں اندازہ نہیں کہ کیا ہوا ہے آخر۔"زاور نے اب کے قدرے مِنت کرتے لہجے میں کہا تو ڈاکٹر ذرباب بے فائلوں سے سَر اُٹھا کر اُسکو دیکھا جسکی اب ساری شوخی اور تیز طراری ڈاکٹر اِمام کے سامنے ہوا ہو گئی تھی۔مَنّت نے بغیر جواب دیئے ہنوز خفگی سے فرسٹ ایڈ کِٹ میں سامان رکھتے ہوئے اُسے 'ٹھاہ' کی آواز کے ساتھ بند کیا سب نے ہق دق ہو کر ڈاکٹر مَنّت اِمام کو دیکھا جو آج یکسر مُختلف رُوپ میں سامنے آئی تھی اور حدید نے جگمگ کرتی آنکھوں سے اُسکی اِس حرکت کو بغور دیکھا تھا وہ شاید نہیں جانتی تھی کہ اُسکی پُرانی عادتیں واپس آ رہی تھیں یکے بعد دیگرے۔۔۔

"اُو بھای میرے! تُو ہی مُنہ سے کچھ پھُوٹ دے کہ کیا ہوا تھا ورنہ بھابھی مُجھے نظروں سے ہی کھا جائیں گی۔"زاور نے حدید کو دیکھ کر کہتے ہوئے دانت کچکچائے اور حدید کا دِل لمحے بھر کو دھک سے رہ گیا۔مَنّت جو نظروں کا زاویہ بدل کر حدید کو جواز دیتا سُننے کے لیئے دیکھ رہی تھی اُسکی تیزی سے سمٹتی مُسکراہٹ کو دیکھ کر ٹھٹھک گئی۔اُسکی نا صرف مُسکراہٹ سِمٹی تھی بلکہ آنکھوں کی روشن قندیلیں بھی ماند پڑ گئی تھیں۔وہ اِضطراری کیفیت میں یک دَم تیزی سے اُٹھ کھڑا ہوا تو مَنّت کا دِل

ڈوب کر اُبھرا کیونکہ وہ اب پہلے والا حدید نہیں لگ رہا تھا بلکہ ایک اندیکھی دیوار پھر سے اُٹھتی محسوس ہو رہی تھی۔ زاور بھی اُسکے تاثرات دیکھ کر جیسے پریشانی سے سنجیدہ ہو کر آگے بڑھا تھا۔

"حدید کیا ہوا تھا؟" زاور نے اُسکے قریب آ کے دونوں شانوں سے ہلا کر جھنجھوڑا تو وہ چونک کر خالی نظروں سے اُسے دیکھنے لگا۔ زاور کا دِل وہ بے چین، خالی سی آنکھیں دیکھ کر خوف سے سکڑ کر پھیلا اور مَنّت وہ بے یقینی سے اُن دونوں کو دیکھ رہی تھی۔ اُسے اپنی ہمت اور محنت رائیگاں جاتی محسوس ہونے لگی۔

"میں چلتا ہوں۔" جُھکی نظروں سے مَنّت کی جانب پلٹ کر اُس نے کپکپاتے لہجے میں کہہ کر مَنّت کے دِل کو مُٹھی میں لے لیا تھا۔ وہ ناسمجھی سے اُسکے سفید پڑتے چہرے کو دیکھ رہی تھی اور اِس سے پہلے کہ زاور مزید کچھ پُوچھتا وہ تیر کی سی تیزی سے کامن رُوم سے باہر کی جانب بڑھ گیا۔ سب ڈاکٹرز نے وہاں سے اُسے جاتے دیکھ کر مَنّت کو دیکھتے ہوئے ایک دوسرے کے ساتھ خاموش نظروں کا تبادلہ کیا تھا۔ چند لمحے کے لیئے اُسکے ناسمجھ میں آنے والے رویے پر زاور حیران سا کھڑا رہا پھر کچھ چُونک کر مَنّت کے ذرد پڑتے چہرے کو دیکھ کر اُسکے سامنے آیا۔

"بھابھی میں دیکھ کر آپکو بتاؤں گا۔ آپ پریشان مت ہوں۔" کہہ کر وہ بھی تیزی سے نِکل گیا اور وہیں مَنّت ساکن سی کھڑی چہرہ پھیرے خون ہوتے دِل کے ساتھ وہیں دیکھتی رہی جہاں سے وہ اُسکی کوشش کو ناکام بنا کر نظروں سے اُوجھل ہو گیا تھا۔ ایک بار پھر اُسکا دِل بدگُمان ہونے لگا بِنا کچھ دوسری جانب کا جانے، بِنا سمجھے مگر وہ پچھلی بار کی طرح حقیقتاً بدگمان ہونے پر حق بجانب تھیں۔۔۔

کیا ہم ہی صدا اُسکے وفادار رہیں گے؟

کیا صرف ہمارے ہی نوالوں میں نمک تھا؟؟

----@-----@-----@-----@-----@-----

"تم جانتی ہو نہ کہ تم میرے لیئے کیا ہو؟" اُس نے پانی میں کنکر پھینکتے ہوئے اِک نظر ساتھ بیٹھے نگاہوں کو تراوٹ دیتے وجود کو دیکھ کر بہت مدہم سا کہا تو وہ بےساختہ مُسکراہی تھی اور اُس مُسکراہٹ سے ہمدی کو اپنا دِل گُھٹ کر تنگ ہوتا محسوس ہونے لگا۔سردی سے سُرخ ہوتے چہرے کے ساتھ اُس نے بےساختہ اُس سوال پر نفی میں سَر ہلایا تھا۔

"تم نہیں جانتی؟؟" لمحے بھر کو ہمدی کی آنکھوں میں سمٹتا تحیر اُسے ہنسنے پر مجبور کر گیا لیکن بغیر کچھ کہے اُس نے پھر سے نفی میں سَر ہلایا اور اُسکی اِس ادا پر اور یوں انجان بن جانے پر وہ کھسیا کر خوامخواہ بال ماتھے سے ہٹا کر پیچھے کرنے لگا۔

"جانتی تو ہو کہ لفظوں کا سُوداگر نہیں ہوں میں۔بیان کرنے کے علم سے بالکل نابلد ہوں۔"اب اُسکے اِتنے بےچارگی سے کہے جانے پر اپس نے اپنی مُسکراہٹ کا گلہ ہونٹوں پر ہاتھ رکھ کر گھونٹا اور ہمدی سے اُسکی یہ حرکت بھی پُوشیدہ نہیں رہی تھی۔وہ غافل ہی کب ہوا تھا اُس سے جو ہمدی کے جینے کی خاص الخاص وجہ تھی۔۔۔

"انسان چاہے لفظوں کا سُوداگر نہ ہو مگر اُسے ہمیشہ مُحبت کا اِظہار واضح کرنا چاہیئے۔کُھل کر، ببانگ دہل۔جانتے ہیں کیوں؟" ہمدی جو بغور اُسکو سُننے میں محو تھا چونک کر اُسکو سوالیہ نظروں سے دیکھنے لگا۔وہ پھر دھیرے سے مُسکرائی تھی اُسکی ناسمجھی پر، کم فہمی پہ۔۔۔

"کیونکہ مُحبت ہمیشہ، ہر زمانے میں اِظہار مانگتی ہے۔یہ اِظہار کے بغیر کُھوکھلی ہو کر مرنے لگتی ہے۔اِسی لیئے مُحبت کے پودے کو ہمیشہ اِظہار کے پانی سے سینچ کر ہی تناور، گھنا سایہ دار درخت بنایا جا سکتا ہے۔"اُسکی مدہم مُدبرانہ بات پر وہ ہنس دیا۔وہ اِیسی ہی تھی مُشکل دلیلیں مُحبت کے معاملے میں پیش پیش کرنے والی اور ہمدی سدا کا کم گُو، لفظوں کے اثرات سے بالکل نابلد۔۔۔

"میں تو لفظوں سے ناآشنا ہوں نہ لیکن تم تو اِتنی باریکی سے سمجھتی، پرکھتی ہو لفظوں کو پھر تم نے کبھی کیوں نہیں کیا اِظہار؟" ہمدی کے سوال اُٹھائے جانے پر وہ جھینپ کر ہنس دی۔

"اِسے کہتے ہیں: لو آپ اپنے دام میں صیاد آ گیا۔"ہمدی نے شریر انداز میں کہا اور اُسکی عین موقع پر کہی جانے والی کہاوت پر وہ کِھلکھلا کر ہنستی چلی گئی اور ہمدی گنگ اُسکو تابناکی سے ہنستے دیکھتا رہا۔

"بات یوں ہے کہ اِظہار مَرد کی جانب سے ہی دِلکش لگتا ہے اور اگر عورت اِظہار کر دے تو وہ ہلکی پڑ جاتی ہے مَرد کی نظر میں، اپنی وقعت کُھو بیٹھتی ہے۔"اُس نے اب کے گہری سنجیدگی سے کہا تو ہمدی نے مُسکرا کر اُسکی سنجیدگی پر سَر دھنا۔

"اِظہار کوئی بھی کرے کیا فرق پڑتا ہے۔"وہ اب بھی جیسے ناسمجھی سے کہہ رہا تھا۔اُس نے چہرہ پھیر کر اب کے بے حد غور سے ہمدی کا چہرہ پڑھا تھا۔

"مَرد کو نہیں پڑتا ہو گا لیکن عورت کو پڑتا ہے کیونکہ عورت سماعت سے مُحبت کرتی ہے جبکہ مَرد چہرے سے۔"یہ کہہ کر ہمدی کو اُس نے محظوظ نظروں سے دیکھا جو بالکل ساکت سا اُسکے دلکش چہرہ کو دیکھے جا رہا تھا۔تو یہ طے ہے کہ مَرد چہرے سے ہی مُحبت کرتا ہے۔اِس سے پہلے کہ وہ مزید کچھ کہتا دُور سے آتی ناآشنا سی آواز پر اُس نے بُری طرح چونک کر عقب میں دیکھ کر دوبارہ اُسکو دیکھا

مگر وہ وہاں موجود ہی نہیں تھی۔ دھڑکتے دِل اور خوفزدہ آنکھوں سے ہمدی نے چاروں جانب نگاہیں دُوڑاہیں مگر وہ وہاں اکیلا ہی تھا بالکل تنہا اور وہاں سے اِیسے اُوجھل ہوگئ تھی جیسے کبھی آئی ہی نہ ہو۔ جھٹکے سے وہ اُٹھا تھا اور پھر ہمدی نے آنکھیں کھُول کر دیکھا، نظروں کے سامنے عین چھت پر نصب فانوس تھا۔وہ اپنے کمرے کے صوفے کی پُشت سے ٹیک لگا کر بیٹھا تھا۔منظر سے مانوس ہوتے ہی اُسکو اِحساس ہوا کہ وہ خواب کا دورانیہ تھا۔اِس اِحساس کے ساتھ ہی ایک لاوارث آنسو اُسکی بُوجھل، جلتی آنکھوں سے نِکل کر کنپٹی میں جذب ہو گیا تھا۔۔۔

ےوہ اِتنا ڈھیر حسین تھا کہ ہم پہ واجب ہے

تمام عمر بچھڑنے کا اُسکے غم کیا جائے۔۔۔

-----@------@------@------@------@-----

"کن خیالوں میں گُم ہے؟" زاور نے اُسکے کندھے کو تھپتھپاتے ہوئے نرمی سے کہا تو وہ چونک کر سیدھا ہو بیٹھا۔چائے کا کپ زاور کے ہاتھوں سے لے کر وہ اُسکو جواب دیئے بغیر گھُونٹ گھُونٹ گرم چائے حلق سے گُزارنے لگا اور زاور اُسے دیکھ کر رہ گیا جو مہرون قمیض اور سفید شلوار میں ماتھے پر لاپروائی سے بال بکھرائے بے حد مُضمحل اور نڈھال معلوم ہوتا تھا۔

"زاور۔۔۔"کچھ لمحے کی خاموشی کے بعد وہ آہستگی سے بولا تو زاور نے اُسکے برابر بیڈ پر بیٹھتے ہوئے چہرہ پھیر کر اُسکے اذیت بھرے تاثرات کو دیکھا۔دِل کا درد جیسے حد سے سِوا ہوا تھا اُسکے اِس ٹوٹی بکھری حالت میں دیکھ کر۔

"میری ہر کوشش بے کار جا رہی ہے۔ ہر آس ٹوٹ رہی ہے۔" وہ جیسے بہت ٹوٹا ہوا مایوس دِکھ رہا تھا کل والے حدید سے یکسر مُختلف۔ زاور نے اذیت سے آنکھیں مُوند کر جیسے بامُشکل ہمت جمع کی تھی۔

"ہر اُمید رخصت ہو جانے کو ہے زاور۔" بھرائی آواز میں کہہ کر اُس نے اپنی بھیگتی آنکھوں کا گُوشہ بامُشکل صاف کر کے زاور کو دیکھا جس نے تسلی بھرا ہاتھ اُسکے شانے پہ رکھ کر تھپتھپایا تھا۔

"انکل کو بتایا؟" اُسکے انداز میں سوال سے زیادہ خدشہ اور تفکر تھا۔

"میں اُنکو کیسے بتا سکتا ہوں یار۔ اُمید کی آخری کِرن کیسے چھین لوں اُن سے۔" کہتے ہوئے وہ زاور کو ضبط کی آخری حدوں پر کھڑا محسوس ہوا۔ سمجھ کر سَر ہلاتے ہوئے اُس نے گلا کھنکھار کر حدید کا دھیان دوسری پریشانی کی جانب مبذول کرنی چاہی تھی۔

"بھابھی کو کیا کہنا ہے؟ نادانستہ طور پر اُنہوں نے پہل کی تھی لیکن تیرے اُس طرح بغیر بتائے چلے جانے پر وہ شاید بدگُمان ہو گئی ہوں۔" اُسکے لہجے میں بہت سے خدشات تھے۔ حدید نے اُس ذکر پر بے چینی سے پیشانی مَسلی۔ کل ہی تو وہ دِل و جان سے خوش ہوا تھا یوں گویا ہفت اقلیم کا خزانہ ہاتھ لگ گیا ہو۔ ہاں اُسکا اعتراف تو خزانوں سے بھی کئی زیادہ قیمتی تھا مگر نہ جانے کیوں اُسکے نصیب میں ہمیشہ ادھوری چیزیں ہی آتی تھیں۔ ادھوری خوشیاں، ادھوری مُحبتیں اور ادھورے رشتے۔ آخر وہ کب مکمل سب حاصل کرے گا؟ کیا کبھی کر بھی پائے گا؟؟

"یہ اِتنے طویل وقفے مت دیا کر بیچ میں۔" زاور کے زِچ ہونے پر وہ بےساختہ دھیما سا مُسکرایا تو زاور کی جان میں جان آئی گویا حدید مکمل مایوس نہیں ہوا تھا۔

"اِک قدم اُس نے بڑھا لیا جسکا مُجھے اِنتظار تھا اب باقی قدم اُسکی جانب مُجھے خود اُٹھانے ہوں گے۔یہ میرا ہمیشہ کا کیا گیا عہد ہے خود سے۔" مدہم لہجے میں کہتے ہوئے اُس نے زاور کو مُسکرانے پر مجبور کر دیا کیونکہ زاور جانتا تھا وہ مُحبتوں کے معاملے میں اِیسا ہی تھا۔جُھک جانے والا، عناد اور انا نہ پالنے والا اور ازحد احترام دینے والا۔۔بِنا کچھ کہے زاور نے اُسکی پُشت تھپتھپائی۔یہ اُسکا ہمیشہ کا انداز تھا اِس بات کا یقین دِلانے کو کہ اُسے کتنا فخر ہوتا تھا حدید کی ذات پر۔ابھی بھی نتیجہ حسبِ سابق تھا، حدید نے پُورے دِل سے مُسکرا کر اُسے بڑھائے گئے ہاتھ پر اپنا ہاتھ رکھ کر گویا اپنا حوصلہ مزید پُختہ کیا تھا۔

-----@------@------@------@------@-----

"تم پریشان کیوں ہو؟" ہمدی کے سنجیدہ انداز پر اُسکا ماسک اُٹھاتا ہاتھ ساکت ہوا۔ایک پل کو اُس نے اُلجھ کر ہمدی کو دیکھا اور پھر سَر جھٹک کر گن لُوڈ کرنے لگی۔ہمدی نے بغور اُسکے انداز کو جانچا۔وہ تو اُسکی رگ رگ سے واقف تھا پھر کیسے اُسکے انداز پر نہ ٹھٹھکتا۔

"اچھا یہ بتاؤ کہ پتھر میں دراڑ کیسے آ گئی؟" اب کے ہمدی نے پُرمزاح لہجے میں کہا تو مَنّت نے نا سمجھی سے گن واپس رکھتے ہوئے ہاتھ میں کالے چمڑے کے دستانے پہن کر ہمدی کو تنبیہی نظروں سے دیکھا کیونکہ ہمدی کا سوال سو فیصد اُکسانے والا تھا۔

"کِس نوعیت کی دراڑ؟" اُس نے تیوری چڑھا کر ہمدی کو دیکھا اور یہ اُسکے دیکھنے کا انداز ہی تھا جس نے ہمدی کو قہقہ لگانے پر مجبور کر دیا۔مَنّت نے خفگی سے ہمدی کو دیکھ کر بلیو ٹوتھ کان میں لگاتے ہوئے دوسرا تیزی سے اُسکو لاپرواہ سا دیکھ کر اُسکی جانب پھینکا جسے اُس نے بروقت کیچ کر لیا تھا اور

اب مُسکراتے ہوئے فاتحانہ نظروں سے مَنّت کو دیکھ رہا تھا۔مَنّت سَر تاسف سے دائیں بائیں ہلاتے ہوئے اُٹھ کھڑی ہوئی۔انداز بالکل اِیسا تھا کہ 'آپ لاعلاج ہیں"۔

"میری بہن! میرا مطلب ہے کہ آج کل تم کچھ زیادہ ہی اپنے ایموشنز سے کنٹرول کھو رہی ہو۔سب خیر ہے نہ؟" ہمدی کے انداز پر اُسکی آں کھیں لمحے بھر کو ہمدی پر ساکت رہ گئی تھیں مگر محض لمحے بھر کو دوسرے ہی پل جُھکتے ہوئے اُس نے ٹیبل پر دھرا ماسک اُٹھا کر پہن لیا۔ہمدی یونہی اب صوفے کی پُشت پر بازو دراز کر کے بغور اُسکی ایک ایک حرکات و سکنات دیکھ رہا تھا۔

"اِیسا کچھ نہیں ہے۔اگر اچھی طرح تفتیش کر لی ہو تو چلیں؟؟" سِرنج اور ایک کانچ کی چھوٹی سے بوتل جس میں کچھ نارنجی سا مائیا تھا، اُٹھاتے ہوئے اب کے اُس نے طنزاً ہمدی کے اطمینان پر چوٹ کرتے ہوئے کہا تو ہمدی دونوں ہاتھ مصلحاتی انداز میں اُٹھاتا ہوا اُٹھ کھڑا ہوا۔وہ بالکل تیار تھا سیاہ لباس میں ملبوس بس ماسک پہننا باقی تھا۔آج بس آر یا پار کا اِرادہ تھا اُنکا 'سردار سجاول ارمغانی' کے ساتھ۔

"آج ہم اپنے دشمن سے دِل کھول کر بدلہ لیں گے اور اُسے ایسی مات دیں گے کہ وہ قبر تک یاد رکھے گا اور ہم اپنے اِنتقام کی آگ کو بُجھا سکیں گے۔شاید مُجھے بھی پھر برسوں بعد سُکھ کی نیند نصیب ہو جائے۔" ہمدی بولا تو اُسکا لہجہ سَرد تھا لیکن مَنّت کو اُس لہجے میں ٹوٹے کانچ کی سی کرچیں محسوس ہو رہی تھیں۔

"اِنتقام میں سُکھ نہیں ہوتا ہمدی بھائی" اُس نے رسان سے کہا تو ہمدی نے چونک کر اُسکی جانب بغور دیکھا۔جتنا وہ جذباتی ہو کر تنفر کا شکار تھا اِس لمحے مَنّت اُتنی ہی ٹھنڈی تھی۔

"تو پھر ہم اِنتقام کیوں لے رہے ہیں؟" وہ سوال نہیں تھا مَنّت جانتی تھی۔

"اِنتقام ہم خود کو تسلی دینے کے لیئے لیتے ہیں کہ ہم نے اپنے اور اپنے پیاروں کے ساتھ ہوئے ظلم کا بدلہ چُکا دیا دراصل ہم یہ ماننا نہیں چاہتے کہ ہم سے حفاظت میں کوتاہی ہوئی ہے۔" وہ بے حد رسان سے کہہ رہی تھی اور ہمدی نے بےاِختیار نگاہ چُرا کر زاویہ بدل دیا کیونکہ ہاں بالکل اِیسا ہی ہوا تھا۔وہ بھی تو نہیں بچا سکا تھا اور زندگی اُسکے ہاتھوں سے سَرک گئی۔اُس نے سَر جھٹک کر ماسک پہنا تو مَنّت نے تاسف سے اُسکو دیکھا۔

"لیکن ہمدی بھائی سُکھ تب بھی نہیں ہے اگر ہم معاف کر کے اِنتقام نہ لیں کیونکہ اُس صورت میں ہمیں مظلوم کے ساتھ، خود اپنے ساتھ زیادتی ہوتی محسوس ہوتی ہے۔" اُسکا لفظ بہ لفظ درست تھا ہمدی کو تسلیم کرنا پڑا۔

"چلیں پھر۔" ہمدی نے سوالیہ نظروں سے اُسکو دیکھا جسکی آں کھیں اچانک چلک اُٹھی تھیں اور پھر وہ دونوں اُس ویران جنگل میں آباد گھر سے نِکل کر باہر کھڑے دو سیاہ ہیوی بائیکس کے پاس آئے۔ ہیلمٹ پہن کر ہمزاد نے ہمدی کو دیکھ کر دائیں ہاتھ کی پانچوں اُنگلیوں سے آگے بڑھنے کا اِشارہ کیا اور دونوں کے بائیک ایک ساتھ 'زُون' کی زوردار آواز کے ساتھ ہوا سے باتیں کرتے ہوئے اپنی منزل کی جانب روانہ ہو گئے اور پیچھے کھڑے اُس گھر میں ہولناک خاموشی رہ جانے والی تھی۔

------@------@-------@------@------@------

"ویسے ہم یہاں سے کیوں جا رہے ہے یار۔ تُجھ سے مُجھے اِس لاپرواہی کی اُمید نہیں تھی اور یہ کیا حلیہ بنا دیا ہے میرا۔" اُسکے قدموں سے قدم مِلاتے ہوئے زاور نے سرگوشی میں روہانسا ہو کر کہا تو

حدید نے چہرہ پھیر کر اُسکے اُلجھے، ہونق قسم کے تاثرات کو دیکھا اور اُسکے چہرے کو ہلکی سے مُسکراہٹ چھُو گئی جس نے یقیناً دوسری جانب آگ لگانے کا کام کیا تھا۔

"اگر تُو نے مُجھے پھر سے کوئی دھچکا دیا تو تُو گیا میرے ہاتھ سے۔"زاور نے اب کے سہی معنوں میں دانت کچکچاتے ہوئے کہا تو حدید کی آنکھیں اُس مدہم سی روشنی میں بے ساختہ چمکیں۔

"حدِ ادب کیپٹن زاور۔ ہم اِس وقت مِشن پہ ہیں اور میں آپکا سینیئر ہوں۔"اُسکے یک دَم سنجیدہ ہو جانے پر زاور کے تاثرات یک دم بدلے اور فوراً اُسکی ساری اکڑ ہوا ہو گئی۔

"یس سَر۔"مودبانہ لہجے میں کہہ کر اُس نے حدید کو قہقہ لگانے پر مجبور کر دیا تھا۔زاور نے کھا جانے والی نظروں سے اپنے سے ایک رینک بڑے اپنے جگری یار کو دیکھا تھا۔

"میں بھی میجر ہوتا تیرے ساتھ اگر میری دادی ٹیسٹ کی تاریخ پہ فوت نہ ہوتیں۔"اُس نے دبے دبے لہجے میں گویا حدید کی معلومات میں اِضافہ کیا تھا۔حدید نے مسلحاتی انداز میں دونوں ہاتھ اُٹھا کر اُس ہوتے ہوتے رہ جانے والے میجر صاحب کو گویا ٹھنڈا کرنا چاہا تھا۔زاور نے مُنہ کے زاویے بگاڑ کر اِردگرد نگاہ دُوڑائی۔وہ دونوں اِس وقت انڈر گرونڈ ٹنل سے گزر رہے تھے جو وہاں کے خاص لوگوں کے زیرِ اِستعمال تھی اور یہی بات زاور کے لیئے تشویش کا باعث تھی حدید کا اِطمینان دیکھ لینے کے باوجود بھی۔اِس سے پہلے کہ وہ حدید سے کچھ اور پُوچھ پاتا قدموں کی چاپ سامنے موڑ سے آتے ہی زاور کے کان کھڑے کر گئی۔اُس نے حدید کو کہنی مار کر اُس جانب متوجہ کیا مگر اُس کے اطمینان میں ابھی بھی فرق نہیں آیا تھا اور وہ اُسی طرح بغیر محتاط ہوئے چلے جا رہا تھا۔زاور بھی جُھنجھلا کر اُسکے پیچھے ہو لیا۔

"میں سَر قوسین کو بتاؤ گا کہ تُو کتنا لاپرواہ ہے۔"زاور کی دبی آواز پر حدید نے اُسکو آں کھوں میں ہی تسلی دی تھی جسکا اثر یہ ہوا کہ سامنے آتے دو کلیشن قوف تھام کر آتے بندوں کو دیکھ کر وہ اُسی طرح چلتا گیا۔

"بیٹا پلان بی پر عمل کرنے کا وقت آ گیا ہے۔"زاور نے اُسکی جانب کھسکتے ہوئے دونوں ہاتھوں کی اُنگلیوں کے کڑاکے نکالتے ہوئے اُس دونوں بندوں کو اپنی جانب آتے دیکھ کر کہا لیکن حدید نے چہرہ پھیر کر اِک محضوظ نگاہ اُسکے عجیب و غریب سے حلیے پہ ڈال کر نفی میں سَر ہلایا۔

"جب بات زبان سے بن جاتی ہو تو ہاتھ کا اِستعمال کیوں کیا جائے۔"حدید کے پُراِسرار لہجے ہر زاور نے ٹھٹھک کر اُسکا انداز دیکھا جو آجکے مِشن میں کچھ زیادہ ہی مُسکرا رہا تھا۔عموماً حدید بے حد مُحتاط طبیعت کا حامِل تھا۔ہر چیز کا پلان پراپر کر کے مِشن کے لیئے نکلنے والا اور خدشات کے تحط دوسرا پلان بھی ذہن میں رکھنے والا۔اِس صورت میں پلان کی کامیابی کی شرح بڑھ جاتی تھی لیکن اب کا اطمینان زاور کو چُبھ رہا تھا اور وہ دونوں بندے بندوقیں تھامے اب اُنکے سَر پر پہنچ چکے تھے لیکن یہ کیا حدید نے اُنکے قریب آتے ہی بڑے پُرتپاک انداز میں اُن دونوں سے مُصافحہ کیا اور زاور کا مُنہ حقیقتاً اُسکے پلان پر کُھلا رہ گیا۔

"یہ میرا بھائی ہے۔سیکیورٹی کے لیئے ساتھ لایا ہوں۔"جب وہ بولا تو زاور نے چہرہ پھیر کر خفگی سے حدید کو دیکھا جسکی آواز اِس وقت یکسر مُختلف تھی یعنی یہ اُسکو کوئی نیا 'کور' تھا۔زاور کا جی چاہا اپنا ماتھا پِیٹ لے۔

"سجاول سائیں بے صبری سے تیرا اِنتظار کر رہے ہیں۔" اِک اچٹتی نگاہ اُسکے برابر میں کھڑے ہونق سے لڑکے پر ڈالتے ہوئے اُن میں سے ایک نے کہہ کر آگے سے ہٹتے ہوئے گُزرنے کا راستہ دیا تو زاور نے گہرا سانس لیا ورنہ اُسے آج اپنی شہادت یقینی طور پر قریب ہی لگ رہی تھی۔

"یہ کیا چکر ہے؟" زاور نے اُسکے کان میں کُھر پُھسر کرنا اپنا فرضِ اولین سمجھا تھا حدید مُسکراتی مگر تنبیہی نظروں سے اُسے دیکھ کر آگے بڑھا تو وہ اُن دونوں ہٹے کٹے لوگوں کو دیکھ کر تیر کی سی تیزی سے حدید کے پیچھے ہو لیا۔

مُختلف راہداریوں اور ہالوں سے گُزر کر وہ دونوں ایک لکڑی کا آبنوسی دروازہ عبور کر کے عالی شان سے ہال میں آ گئے جو کسی بھی چیز سے خالی تھی محض ایک درمیانے سائز کا دیوان اور سامنے سیڑھیوں کے اوپر ایک سُرخ اور سنہرے رنگ کی شاہانہ سی کرسی بڑی شان سے یقیناً سجاول کے لیئے رکھی گئی تھی کیونکہ سجاول جیسے لوگ ہمیشہ ایک اُونچائی سے لوگوں کو دیکھنے کے عادی ہوتے تاکہ اِسطرح باقی سب اُنکو اپنے زیرِ پا نظر آ کر اُنکی کُھوکھلی عزتِ نفس کو ایک عجیب سی تسکین دیں۔زاور نے ایک نظر پھر سے حدید کو گُھورنا چاہا جو یکسر بدلے ہوئے حلیے میں پہچان کے قابل نہیں لگ رہا تھا لیکن اُسی وقت ہال کا دروازہ دھکیلا گیا او قدم قدم چلتا ہوا سجاول رعونت سے اکڑائی گئی گردن کے ساتھ اندر آ رہا تھا۔اُسکے آتے ہی دروازہ ادب سے بند کر دیا گیا کیونکہ سردار سجاول ارمغانی کے مطابق وہ کچھ اکیلے میں بات کرنا چاہتا تھا۔

"ادا سائیں۔" حدید یک دَم اُسکے آگے مُودبانہ سا جُھکا تو زاور اُسکی بدلتی ٹون اور مُودبانہ انداز پر آنکھیں پھاڑ کر اُسکو دیکھنے لگا۔اِتنی اطاعت اور فرمابرداری اُس میں کہاں سے آگئی تھی؟ اُس سے پہلے کہ زاور کچھ سمجھتا حدید نے قدرے اُوپر کو ہو کر اُسکا سَر بھی زبردستی ہاتھ کی مدد سے جُھکا دیا۔

"کوتاہی معاف سائیں۔یہ میرا چُھوٹا بھائی ہے جاہل سا ہے اِس لیئے یہاں کے احترام کو نہیں جانتا۔" بظاہر وہ زاور کو دیکھ کر بڑے متفکر انداز میں کہہ رہا تھا مگر زاور کا چہرہ اُسکی آنکھوں کی چمک دیکھ کر سُرخ ہو گیا۔دانت کچکچاتے ہوئے اُس نے بامُشکل اپنے غصّت پر قابو پایا تھا۔

"اُو کوئی بات نہیں فریدے۔" سجاول نے آگے کو ہو کر حدید کے شانوں پر نرمی سے ہاتھ رکھتے ہوئے بے تکلفی سے کہہ کر اُسکا جُھکا سَر اُوپر اُٹھایا۔زاور سے سجاول کا یہ انداز ہضم نہیں ہوا تو کینہ توز نظروں سے حدید کو دیکھا جو یونہی عاجز اور مِسکین سی شکل بنا کر کھڑا رہا جیسے حقیقتاً سردار سجاول ارمغانی اُسکا آقا ہو۔

"تُو بتا چُھوکرے کیسا ہے؟" حدید سے فارغ ہو کر اُس نے زاور کے شانے پُرمزاح انداز میں تھپڑ مارا تو زاور اُسکی بے تکلفی دیکھ کر رہ گیا۔حدید کے کہنی مارنے جانے پر وہ ہوش میں آیا تھا اور پھر۔۔۔

"ج۔۔ج۔۔۔جی۔" اُسکے مُنہ سے نکلنے جانے والی ہونق اور بے ربط الفاظ پر حدید کا دِل چاہا وہ دِل کھول کر ہنسے۔اُس نے زاور کو اِسی لیئے لاعلم رکھا تھا کیونکہ اُس نے سجاول کو بتایا ہوا تھا کہ اُسکا بھائی ذرا بےوقوف اور دبو سا ہے۔سجاول کے ہونٹوں پر اُسکی بُوکھلاہٹ دیکھ کر ضرور مُسکراہٹ رینگ گئی۔

"کوئی نہیں ہمارے رعب سے بڑے بڑے کانپ جاتے ہیں تُو تو پھر کل کا بچہ اور ہمارے فرید کا بھائی ہے۔" بات کو ہوا میں اُڑاتے لہجے پر حدید نے بغور سجاول کو گہری نظروں سے دیکھا لیکن شاید مُجاہد

کو دی گئی ہاسپٹل میں دھمکی کارآمد ثابت ہوئی تھی اور ہامان کی حالت نے اُسکو فرید پر مکمل اعتماد عطا کر دیا تھا۔فرید کے چہرے کو ایک پُراِسرار سی مُسکراہٹ چُھو گئی۔

"سائیں ہامان کی حالت کیسی ہے؟" لمحے بھر بعد وہ بے حد اُداسی اور دلگرفتی سے کہہ رہا تھا اور زاور اُسکی کامیاب اداکاری پر عش عش کر اُٹھا لیکن دوسری جان سجاول کی پیشانی پر شِکنوں کا جال سا بِچھ گیا۔

"پہلی بار اُسکو اِس قدر خوفزدہ دیکھا ہے فرید۔کچھ بتانے کو راضی ہی نہیں حالانکہ تسلی دے کر آیا ہوں کہ اُسکے ساتھ اِیسا کرنے والوں کو سجاول ارمغانی پاتال سے بھی ڈھونڈ نِکالے گا مگر نہیں مانتا سالا۔" تفکر سے کہتے کہتے آخر میں اُس نے کوفت سے سَر جھٹکا۔زاور نے چُونک کر حدید کو دیکھا جو بے تاثر چہرے کے ساتھ یونہی مُودبانہ سا ہاتھ پُشت پر باندھے کھڑا تھا۔سجاول یک دم اُن دونوں کی جانب پُشت کر کے پلٹا اور پھر اپنی شاہانہ کرسی کی جانب بڑھ رہا تھا جو ہال کے اِختتام پر سیڑھیوں کے اوپر تھی۔اُسکے پلٹتے ہی حدید نے چہرہ پھیر کر آنکھوں سے زاور کو اِشارہ کیا اور وہ بِنا قدموں کی چاپ پیدا کیئے اُس ہال کے مضبوط لمبے دروازے کی جانب بڑھا اور آہستگی سے اُسکا جدید تالا جسکو کسی طرح بھی باہر سے نہیں کھُولا جا سکتا تھا کو بند کر کے پلٹ کر حدید کو دیکھا جس نے زاور کو دیکھ کر انگھوٹا کھڑا کیا اور پھر سامنے پڑے چھُوٹے مگر شاہانہ سے دیوان پر ایک ٹانگ دوسری پر چڑھائے بیٹھ گیا۔

سجاول جو یونہی سُوچ میں اُلجھا آگے بڑھ رہا تھا خاموشی پر اُلجھ کر پلٹا اور فرید کو یوں خود سے پہلے شاہی انداز میں بیٹھا دیکھ کر لمحے بھر کو ٹھٹھکا اور اُس نے پھر فرید کے بھائی کو دیکھا جو ہال کے

دروازے کے ساتھ آرام سے ٹیک لگا کر کھڑا تھا۔پہلے والا احترام، خوف اور عاجزی دونوں کے انداز میں مفقود تھی۔یونہی اُلجھا سا وہ فرید کی جانب پلٹا مگر چہرے پر شدید غضبناک تاثرات سجائے۔

"تم میری موجودگی میں بیٹھنے کی جُراءت کیسے کر گئے؟" لہجہ آگ اُگلتا تھا مگر دِل بے یقین کیونکہ مُقابل کتنے ہی بھروسے کا آدمی کیوں نہ ہوتا سجاول کو سَر جُھکائے ایک ہی قطار میں مودب اور اُسکی اجازت کے اِنتظار میں ہی بھاتے تھے۔

"اُوہو سجاول، کیا ہو گیا ہے یار؟" فرید نے گویا ہاتھ سے حقیقتاً مکھی اُڑاتے لہجے میں کہا اور سجاول کا دماغ اِس طرزِ تخاطب پر بھک سے اُڑ گیا۔فرید سے کیا کسی سے کبھی بھی اُسکو اِس بدلحاظی کی اُمید نہیں ہو سکتی تھی۔

"فرید۔۔۔"وہ حواس کھو کر دھاڑا تھا مگر مُقابل نے یونہی محضوظ ہو کر چہرہ قدرے پرے کرتے ہوئے کان میں اُنگلی ڈال کر ہلائی اور یہ بے نیازی کا نظارا دیکھا کر سجاول کو اپنی آنکھوں پر یقین کرنا ایک مُشکل اَمر لگا تھا۔

"تیری ہمت سالے کہ تُو مُجھے میرے نام سے پُکار بیٹھے۔اِتنی دیدہ دلیری میرے ٹکڑوں پہ پلنے والوں کی۔"وہ تیزی سے سیڑھیوں سے اُترتا ہوا اُسکی جانب آنے لگا جسکے اطمینان میں اب بھی خاطر خواہ فرق نہیں آیا تھا۔اُسکے مُقابل کھڑے ہو کر سجاول کتنے ہی لمحے بے یقینی بھری حیرت سے اُسکو کینہ توز نظروں سے گُھورتا رہا۔

"تمہارے ٹکڑوں پہ پلتے ہونگے تمہارے کتے۔میں تو تمہارے گندے ہاتھوں سے دی گئی غلیظ دولت کسی گھٹر میں بہانا چاہتا تھا لیکن پھر کسی بے بس، غریب اِنسان کی مدد کرنے میں بھی کوئی حرج

نہیں۔"وہ الفاظ نہیں تھے جو فرید کے مُنہ سے شعلے اُگلتے ہوئے نِکل رہے تھے وہ سجاول کے لیئے زہر میں بُجھے تیر کی مانند تھے کیونکہ فرید پر وہ حقیقتاً آں کھیں بند کر کے بھروسہ کرتا آ رہا تھا اور آج سے پہلے وہ کبھی لمحہ بھر کے لیئے بھی اِس بھروسے پر پچھتاوے کا شکار نہیں ہوا تھا۔

"ہاں تو سجاول، کیسا محسوس ہتا ہے جب مات اپنے بھروسے مند کے ہاتھوں ہو؟؟" کپڑے جھاڑتا ہوا وہ آخرکار شانِ بے نیازی سے اُٹھ کھڑا ہوا تو سجاول کا ماتھا اُسکے لہجے اور الفاظ کے چُناؤ پر ٹھنکا تھا لیکن اُسکی زبان اُس شدید صدمے نے گُنگ کر دی تھی۔زاور نے بغور طنزیہ نظروں سے سجاول کے رنگ بدلتے چہرے کو دیکھا وہ گویا اِیسے ہو گیا تھا مانو کاٹو تو بدن سے لہو کی ایک بُوند بھی نہ نکلے۔ِیسی ہی مارتی ہے بھروسے مند کے ہاتھ کی مات۔۔۔

"تمہیں لگتا ہے سجاول تم جیسے کمیں کمین کے ہاتھوں مار کھا جائے گا؟؟ بالا آخر اُسکا سکتہ ٹُوٹا اور چونکے وہ کُتے کی دُم تھا تو اِیسا انداز حیران کُن نہیں تھا فرید کے لیئے سُو اپنےسے پھنکارتے لہجے کی لرزش محسوس کر کے فرید کے ہونٹوں کو بڑی دِلکش سی مُسکراہٹ چُھو گئی تھی۔

"کیا اِیسا ہی نہیں ہے۔ہاں؟؟" اُسکے عین سامنے، اُسکی ابھی تک کی بےیقین آں کھوں میں دیکھتے ہوئے اُس نے لفظی اِستفسار کیا تھا اور سجاول کو اِیسا لگا جیسے وہ سوال نہ ہو۔وہ لہجے کا تقین لرزا دینے والا تھا اور پہلی بار کسی انہونی کے اِحساس سے اُسکی ریڑھ کی ہڈی تک سَنسنا اُٹھی۔ایک نظر چند قدم دُور دروازے سے مطمئن انداز میں ٹیک لگا کر کھڑے لڑکے کو دیکھ کر اُس نے فرید کو دیکھا جو آج یکسر اجنبی، دِل دہلا دینے والا لگ رہا تھا۔

"تم کون ہو؟" وہ نہیں جانتا تھا مگر اُسکے مُنہ سے یہ سوال سرگوشی کی صورت نِکل ہی گیا جس نے سامنے کھڑے فرید کو قہقہ لگانے پر مجبور کر دیا تھا اور سجاول کو پھر سے انجانے خوف نے آ گھیرا۔ یہ بڑائی کا زرم کرنے والے اِیسے ہی ہوتے ہیں جب کوئی اُن پر حکمرانی کرنے کو آتا ہے تو اُنکا سارا طنطنہ ناک کے رستے دُبا کر نِکل جاتا ہے۔ فرید قدم قدم چلتا اُسکے مزید قریب آ کر باقی فاصلہ بھی پاٹ گیا۔ سجاول کا قد قدرے چھوٹا ہونے کے باعث فرید چہرہ جُھکا کر اُسکی ششدر سی آنکھوں کو دیکھ رہا تھا اور اُس سوال پر اُسکی آنکھوں کی بڑھتی چمک نے سجاول کے دِل کی دھڑکن خطرناک حد تک تیز کر دی تھی۔

"کیوں ہامان نے نہیں بتایا ہاسپٹل میں؟؟" مدہم پُراِسرار لہجے میں کہہ کر وہ پھر مُسکرا دیا لیکن اُسکے الفاظ نے سجاول ارمغانی پر ساتوں آسمان گِرا دیئے تھے۔ وہ بے یقینی بہت زیادہ تھی۔ اُسکی آنکھوں کو پھر سے پھیلتے دیکھ کر وہ محضوظ ہوتا ہو کر کندھے اچکاتا ہوا پیچھے ہوا او سجاول کو اپنی گردن کے بال پُشت سے کھڑے ہو جانے کا اِحساس ہوا تھا۔ ہامان کی وہ حالت وہ جو زندگی کی جانب مُشکل سے لوٹا تھا اور جب سجاول اُس سے مِلنے گیا تھا تو وہ کیسے ششدر اور ساکت زخموں سے چُور پڑا تھا۔

"تمہارے تاثرات بتا رہے ہیں کہ نہیں بتایا۔" دونوں ہاتھیلیوں کو باہم مَسلتے ہوئے اُس نے محظوظ کُن لہجے میں کہا تو سجاول دو قدم پیچھے ہوا۔ اُسکی یہ حرکت بھی فرید کی نظروں سے مخفی نہیں رہی تھی۔

"بڑی مُشکل سے سمجھا بُجھا کر آیا تھا اُس ہامان کو۔ کچھ پُرانے زخم اُدھیڑنے پڑے ورنہ تمہاری یہ شکل کیسے دیکھنے کو مِلتی۔" سجاول کا مُنہ اُس اِنکشاف اور اعتراف پر محاورتاً نہیں حقیقتاً کُھلا گیا۔

"ہامان کو تم۔۔۔" وہ آگے کچھ کہہ ہی نہیں پایا فرید کے چھت پھاڑ قہقہے کے بدولت۔

"تم میرا کچھ نہیں بگاڑ سکتے۔یہاں میری اجارہ داری ہے، میرا راج۔" سنبھل کر وہ لفظوں پر گرفت مضبوط کرتا ہوا ٹھہر ٹھہر کر جتاتے ہوئے کہہ رہا تھا او فرید نے دانستہ ہونٹوں پہ ہاتھ کی مٹھی بنا کر رکھتے ہوئے اپنی بے ساختہ اُمڈ آنے والی مُسکراہٹ کا گلہ گھُونٹا۔

"اِسی راج کو تو اُلٹنے آیا ہوں سجاول سائیں۔" کہتے ہوئے اُس نے عقب میں باندھے ہاتھ کھُولے تو سجاول اُسکے ہاتھ میں پستول کی جگہ ایک سرنج دیکھ کر لمحہ بھر کو ٹھٹھکا اور پھر اُسکا چہرہ تیزی سے سیاہ پڑ گیا۔

"کیا ہو گیا؟ اِس سے ڈر رہے ہو؟؟ مگر یہ تو تمہارا ہی طریقہ ہے نہ۔" قدم قدم اُسکی جانب بڑھتے ہوئے اُس نے سرنج کو ہوا میں لہرا کر اُسکا ڈاٹ دبایا۔ایک لکیر کی صورت نکلتے اُس مایے نے سجاول کی زبان لمحے بھر کو بالکل گنگ کر دیا تھا۔وہ تیر کی سی تیزی سے پیچھے ہونے لگا اور فرید اُسکی جانب مُوت کی مانند قدم قدم بڑھ رہا تھا۔

"فرید۔۔۔" زاور کی عجلت بھری آواز پر اپنے قدم رُوکے بغیر فرید نے پلٹ کر اُسکو دیکھا جو دروازے کا ساتھ کان لگائے کھڑا تھا۔

"باہر سے دروازے پر زور آزمائی کی جا رہی ہے۔" زاور کے تیز لہجے پر فرید کے اطمینان میں رتی برابر بھی فرق نہیں آیا جبکہ اِن لفظوں سے سجاول کے خوف سے سُکڑتے دِل اور اعصاب کو ضرور پُرسکون کر دیا تھا۔اپنی شاہانہ کرسی سے چند قدم دُور ہی رُک کر اُس نے چمک اُٹھتے چہرے سے اپنی

جانب ہنوز بڑھتے فرید کو دیکھا لیکن اُسکا اِطمینان قابلِ دید دیکھ کر اُسکے اندر کسی سنگین خطرے کی گھنٹی بجی تھی۔

-----@------@-------@-------@------@-----

"سجاول پہ ہاتھ صاف کرنے کا حق ہمارا ہے۔" تیزی سے مُختلف راہداریوں سے گُزرتے ہوئے ہمزاد نے ہمدی کو دیکھ کر سنجیدگی سے کہا تو ہمدی ٹھٹھک کر ٹھہر گیا۔

"ظاہر ہے۔اِیسا کیوں کہا؟" ہمدی کے اُلجھ کر ٹھہرتے ہی اُس نے چہرہ پھیر کر ہمدی کو دیکھا اور پھر قدم قدم قد آدم کھڑکی کے سلائیڈنگ کانچ ہٹا کر اُسکے چُوکھٹ پر دائیاں پاؤں جماتے ہوئے جُھک کر نیچے دیکھنے لگا۔وہ اُس عالی شان حویلی کے تیسرے پُورشن پر تھے۔اِردگرد کا بغور جائزہ لے کر اُس نے کچھ دُور ٹہلتے شیروں کو دیکھ کر بےاِختیار سیٹی بجائی۔ہمدی تیزی سے کھڑکی کی جانب آیا کیونکہ اُسکی محظوظ سیٹی کا مطلب تھا اب اُس نے پلان میں ترمیم کر دی ہے۔

"ہم اپنا شکار اکیلے کھائیں گے ہمدی۔کسی کی شراکت نہیں چلنے والی۔" وہ جب بولی تو اُسکا لہجہ حد سے زیادہ سِفاک تھا، بےاِنتہا سَرد۔ہمدی نے سمجھ کر اثبات میں سَر ہلا دیا حالانکہ وہ اُسکے قطعی انداز پر مُسکرا رہا تھا لیکن ماسک نے وہ مخفی کر دی تھی۔سَر جھٹک کر وہ کھڑکی سے پرے ہوئے اور پھر ہمدی کو چلنے کا اِشارہ کر کے وہ دونوں پھر تیزی سے آگے بڑھ رہے تھے ساتھ ساتھ راہ میں آتے کرائے کے قاتلوں پر بھی ہاتھ صاف کیئے جا رہے تھے مطلب صرف بےہوش۔۔۔اِنسانیت ابھی بھی باقی تھی معلوم نہیں کتنی۔

سامنے سے نم رُخ کیئے آتے آدمی کو دیکھ کر اِس سے پہلے کہ ہمدی کچھ سمجھتا، ہمزاد نے تیزی سے چھلانگ لگا کر زور دار لات اُسکے سینے پر ماری۔ اِس اچانک افتاد پر وہ بندہ حیرت سے چیخ بھی نہ سکا اور پوری قوت سے اُچھل کر پیچھے جا گِرا۔ خوفزدہ ہو کر اُس نے گرتے ہی سینے کو مَسلتے ہوئے اِرد گرد دیکھا لیکن منظر سامنے کا صاف تھا لیکن اِس سے پہلے کہ وہ وہاں سے بھاگ کھڑا ہوا بائیں راہداری سے دو مکمل سیاہ لباس میں سفید ماسک پہنے نِمودار ہوئے اور سجاول کے 'بیت المال' کے رکھوالے کے رونگھٹے کھڑے ہو گئے کیونکہ وہ ہمزاد سے اچھی طرح واقف تھا۔ یونہی گرے ہی اُس نے خوفزدہ ہو کر سِرکنا شروع کر دیا۔ ہمزاد چند قدم اُٹھاتا اُسکے رُوبرو آ کھڑا ہوا۔ اِس سے پہلے کہ وہ حوصلہ پکڑ کر چِلا اُٹھتا ہمدی نے اپنے مضبوط ہاتھ کا پنچ مار کر اُسکے چودہ طبق روشن کر دیئے۔ کان سے نکلتے خون کے فوارے کو دیکھ کر وہ مرنے کے قریب ہونے لگا۔ ہمزاد نے آگے بڑھ کر تیر کی سی تیزی سے اُس ہٹے کٹے نوجوان کو گریبان سے اُٹھا کر دیوار سے لگا کر بائیں ہاتھ کی کہنی اُسکی شہ رگ پہ رکھ کر دبائی۔ وہ کھانستے ہوئے مچل کر اپنی گردن چھُڑوانے لگا مگر مُقابل ہمزاد تھا۔

"مُشیرِ خزانہ! قارون کا خزانہ کہاں ہے؟؟" سفید ماسک سے مزین چہرہ اُس خون سے سُرخ اور خوفزدہ سے چہرے کے قریب لاتے ہوئے وہ بھاری مگر محضوظ، مُسکراتی آواز میں کہہ رہا تھا جسے سُن کر مُشیرِ خزانہ کے گردن کی گِلٹی ڈوب کر اُبھری تھی۔

"ہاں شاباش۔" اُسکی گردن کی گِلٹی پر انگھوٹے کا زور دیتے ہوئے اُس نے پھر سے اُس کا حوصلہ بڑھایا اور اُس شخص کے کھانسنے کا ایک نہ ختم ہونے والا سلسلہ شروع ہو گیا۔

"شاباش۔" ہمدی نے اُسکے شانے پر ہاتھ کا دباؤ ڈالتے ہوئے گویا اُسکو پچکارا تھا پھر کچھ دیر بعد اُس خزانے کے مَتولّی سے کام نِکلوا کر اُس نے عقب سے اپنے ہاتھ کھڑا کر کے اُسکی گردن پر مارا اور وہ پورے قد سے زمین بوس ہو گیا۔ ہمدی نے فوراً اُسکو کالر سے دبوچ کر پکڑا اور اب ہمزاد آگے بڑھ رہا تھا اور ہمدی اُسکے بے ہوش وجود کو گھسیٹتا ہوا پیچھے لا رہا تھا۔ سامنے بڑے سے آبنوسی بلند قامت دروازے کے قریب کھڑے ہو کر اُس نے ایک نظر پلٹ کر ہمدی کو دیکھا اور پھر مضبوطی مقفل دروازے کو۔ کندھے پر لادے پیک بیگ کو آگے سَرکاتے ہوئے اُس نے بیگ سے ایک جدید قِسم کا قدرے چھُوٹے سائیز کا گرنیڈ نِکالا جو صرف محدود تباہی کرنے کی صلاحتیت رکھتا اور وہ عام کی نِسبت گول نہیں بلکے لمبائی میں چُوڑا تھا۔ اُسکی پِن مُنہ سے نِکال کر اُس نے اُسکا ٹائمر چیک کر کے دروازے کے تالے کے ساتھ نتھی کرتے ہوئے ہمدی کو 'اُوکے' کا سائن دیا اور وہ دونوں تیزی سے اُس بے ہوش پڑے وجود کو لے کر پیچھے ہو گئے۔ جبکے دروازے کی دوسری جانب اُونچی کھڑکی سے اندر جھانکو تو سجاول کو گریبان سے دبوچ کر کھڑے فرید نے تیزی سے نگاہوں کا زاویہ بدل کر اُس لکڑی کے مضبوطی سے جمے دروازے کو دیکھ کر زاور کو دیکھا جو دروازے سے چند قدم کے فاصلے پر پستول ہاتھ میں تھامے مُحتاط سا کھڑا تھا۔

"زاوی۔ بھاگ۔" دھاڑتے ہوئے اُس نے حرفی کہا اور زاور چُونک کر خطرے کو بھانپتے ہوئے ایک ہی جُست میں دروازے سے دُور ہوتا گیا اور اُسکے دُور ہوتے ہی کان پھاڑتے اُس دھماکے نے فرید اور زاوی کو تو الرٹ کیا ہی تھا لیکن سجاول کی سماعتیں ضرور مفلوج ہو گئیں تھیں۔ کانوں پر تیزی سے ہاتھ رکھتے ہوئے اُس نے ششدر ہو کر بھک سے اُڑتے دروازے کو دیکھا اور پھر وہاں جہاں اب

دروازے کی جگہ خلا تھا۔ آگ کی لپیٹوں سے کسی نے اندر کی جانب قدم رکھا تو زاور نے تیزی سے پستول کے دستے پر گِرفت مضبوط کر لی۔ فرید نے پلکیں سُکیڑ کر اُس سیاہ لباس اور سفید ماسک پہنے شخص کو اندر آتے دیکھا وہی جِسکا نام 'ہمزاد' تھا۔

-----@------@------@------@------@-----

"مائدہ کہاں ہے؟" سُنہرے کالے رنگ کے کام والا دوپٹہ سَر پہ مضبوطی سے جماتے ہوئے اُس نے اپنا سامان پیک کرتی بیوٹیشن سے کہا جو مائدہ کے ہی توسط سے مَنّت کو تیار کرنے آئی تھی۔
"معلوم نہیں۔ابھی جاتے ہوئے بھیجتی ہوں۔" اپنے سامان کا بکس بند کر کے اُٹھاتے ہوئے اُس نے مُسکرا کر اُس سادہ مگر بے حد دِلکش سی دلہن کو دیکھ کر کہا جو سادگی میں بھی غضب ڈھا رہی تھی۔
اُسکے جواب پر مَنّت نے سَر ہلا کر آئینے میں خود کا آخری تفصیلی جائزہ لیا۔سُنہرے اور سیاہ سادہ سے کامدار سے شرارے پر بہت ہی ہلکی سی جیولری پہنے، چہرے پر الوہی مُسکراہٹ سجائے وہ مکمل تیار لگ رہی تھی۔حدید کی امی کی ناساز طبیعت کا سُن کر اُس نے سادگی سے تیار ہونے کو ترجیح دی تھی۔ نظروں کا زاویہ بدل کر اُس نے اپنے شاندار سے کمرے کو دیکھا جو اُسکی پیدائش سے پہلے ہی سرادر ولّی خان نے تیار کروا لیا تھا اور آج وہ اُسے خیر سے رخصت کرنے کے خیال سے بے حد شاد اور مُطمئن تھے۔اپنی بیماری کو بُھلائے وہ ہر کام میں پیش پیش تھے۔ آج اُسے یہ کمرہ، یہ گھر چُھوڑ کر ہمیشہ کے لیئے حدید کے سنگ رخصت ہو جانا تھا۔یہ وہ خواب تھا جسکو کبھی وہ دُعا میں بھی اپنی زبان پر نہ لا سکی مگر اُس رب العزت کی مصلحتوں اور فیصلوں کو ہم ناقص العقل کہاں سمجھ سکتے ہیں۔وہ

آج خوش تھی، بے اِنتہا خوش۔اِن رواجوں، رسموں سے آزادی کی خوشی اپنی جگہ لیکن حدید کا ساتھ جب سے مُقدر میں کُننده ہوا وہ تب سے عکاش کی بُلندیوں کو ہی چُھو رہی تھی۔پاؤں زمین پر ٹِک جانے کا نام نہیں لے رہے تھے۔دروازہ کُھلنے کی آواز پر اُس نے چونک کر شیشے سے عقب میں دیکھا۔مائدہ کو بھاری کامدار شرارے میں آتے دیکھ کر ایک مدہم، خیر مقدم مُسکراہٹ اُسکے چہرے پر سِمٹ آئی۔مائدہ نے ابھی اُسکی پُشت دیکھی تھی سُو دروازہ بند کرتے ہوئے اند آ گئی۔

"بُلوایا تھا تم نے؟؟" قدم قدم خود سے رُخ مُوڑے بیٹھی مَنّت کی جانب بڑھتے ہوئے اُس نے سوالیہ انداز میں کہا تو مَنّت سَر ہلا کر اُٹھ کھڑی ہوئی اور بے ساختہ پلٹی اور مائدہ اُسکو سادے سے حلیے میں بھی بے پناہ دھمکتا دیکھ کر ششدر رہ گئی۔تو کیا یہ وجہ تھی حدید کے مَنّت پہ دِل پہ دِل ہار بیٹھنے کی؟ یہی وجہ تھی حدید کی نظرِ کرم صرف اُس پہ آ ٹھہرنے کی؟؟ مائدہ نے تو ضد کر کے اپنے اور مَنّت کے لیئے ایک جیسے شرارہ خریدا تھا گُو کہ کام مائدہ کے شرارے کا محض بھاری تھا یہ جاننے کے باوجود کہ حدید کو شرارہ کتنا بُرا لگتا تھا۔مَنّت کو سادگی سے تیار ہوتے دیکھ کر وہ تیز میک اپ کے ساتھ حسین ترین لگنے کے باوجود مَنّت حدید کے سامنے دَب رہی تھی۔موازنہ کرنا بَنتا تھا کیونکہ سادگی کا حُسن زیادہ د،لفریب اور دیرپا ہوتا ہے مائدہ کو تسلیم کرنا پڑا۔

"یہ وجہ تھی حدید کا تم پہ دِل ہار بیٹھنے کی؟؟" مائدہ کے یوں گُم صم خود کو دیکھتے پا کر وہ جو پہلے ہی ناسمجھی سے مائدہ کے تاثرات دیکھ رہی تھی اور پھر اُسکے الفاظ وہ دِل چُرا لینے والے تھے مگر بیک وقت اُن الفاظ میں گُھلا وہ تاثر، مَنّت نے یک دَم سُرخ ہو اُٹھتے چہرے سے ٹھٹھک کر مائدہ کو دیکھا جو پہچان میں نہیں آتی تھی آجکل۔

"خیر، بارات کب تک آ جائے گی؟ سَر جھٹکتے ہوئے اُس نے بظاہر عام سے خوشگوار لہجے میں کہا مگر مَنّت کو وہ لہجہ کچھ اور ہی کہانی سُناتا محسوس ہو رہا تھا۔جب سے اُس نے مائدہ کو خواب میں حدید کا نام پُکارتے سُنا تب سے اُسکا دِل پریشان اور خوفزدہ تھا۔کیا یہی وجہ تھی حدید کا مائدہ سے مکمل گریز برتنے کی؟؟ اپنے دِل کو عجیب طرح سے خوفزدہ کرتے خیالات کو جھٹک کر اُس نے مائدہ کو بغور دیکھتے ہوئے سَر نفی میں ہلایا۔

"بابا جان کو معلوم ہو گا؟" مَنّت نے خود کو اُس مغلوب سی کیفیت سے نکالتے ہوئے بے ساختہ مُسکرا کر کہا۔ذہن کے پردے پر کوئی میڈیکل کالج کے زمانے کی یاد لہرائی۔اُن دونوں نے میڈیکل کالج میں نیا نیا داخلہ لیا تھا۔مَنّت نے شوق اور لگن کے باعث اور مائدہ نے اُسکی دیکھا دیکھی۔معمول کی طرح کلاسز لے کر وہ دونوں گھنّے سایہ دار درخت کے نیچے آ بیٹھیں۔سفید یونیفارم پہنے وہ دونوں تھکی ہوئی، نِڈھال معلوم ہوتی تھیں۔

"پتہ نہیں کونسا منحوس وقت تھا جب ہم نے میڈیکل کالج میں داخلہ لینے کی بے وقوفی کی۔"اُس نے کتابیں تقریباً گھاس پہ پٹختے ہوئے نخوت سے کہا تو مَنّت کے ہونٹوں کو نہ چاہتے ہوئے بھی مُسکراہٹ چُھو گئی۔

"مُجھے تو شوق تھا، اِنٹرسٹ تھا ہاں البتہ تم نے شوق سے نہیں لیا اِس لیئے یہ بے وقوفی ہی ہے۔"پانی کی بوتل کھُولتے ہوئے اُس نے رسان سے کہا تو مائدہ نے دوپٹے کے کونے سے چہرہ تھپتھپاتے ہوئے گھُور کر اُسے دیکھا جو اب مزے سے پانی پینے میں مگن تھی۔مائدہ نے بے اِختیار اُسکو پیچھے پُشت پر دھپ رسید کی اور نتیجتاً پانی پیتی مَنّت کو اچھو لگ گیا۔

"یہ کیا طریقہ ہے مائدہ؟؟" کھانسی کے دورے سے سنبھل کر اُس نے مائدہ سے سختی سے باز پُرس کرنی چاہی مگر سامنے مائدہ تھی اِتنہا کی ڈھیٹ تبھی دانتوں کی نمائش کروائی گئی۔

"تم کوئی کام کرو اور وہ مائدہ نہ کرے۔ناممکن۔"فرضی کالر جھاڑتے ہوئے اُس نے شریر لہجے میں کہا تو مَنّت بھی کِھلکھلا کر ہنس دی کیونکہ مائدہ اِیسی ہی تھی شروع سے مَنّت کے ساتھ ساتھ چلنے والی، اُس جیسی چیزیں خریدنے والی، اُس جیسے کپڑے پہننے والی۔بس فرق تھا تو دونوں کے مزاج میں جو کہ زمین، آسمان کا تھا جسکے باوجود مَنّت کی باقی کزنوں کی نسبت مائدہ سے گاڑھی چھنتی تھی۔

"خبردار! جو مُجھ سے پہلے مُحبت کر بیٹھی، سمجھی۔"اچانک یاد آ جانے پر وہ آں کھیں نِکال کر مصنوعی خفگی سے بولی تو لمحے بھر کو دنگ رہنے کے بعد مَنّت نے آگے کو ہو کر اُسکے سَر پر چپت رسید کی۔

"کیا ہے؟" سَر سہلاتے ہوئے اُس نے مُنہ بنا کر کہا۔

"فکر نہ کرو، مُحبت کے معاملے میں اِیسا نہیں ہونے والا۔"Anatomy کی کتاب کھُولتے ہوئے اُس نے تسلی دیتے لہجے میں کہا تو مائدہ کا ماتھا ٹھنکا۔

"ویسے ہم دنوں کو کسی ایک شخص سے مُحبت بھی تو ہو سکتی ہے۔"سُوچ کر کہتے ہوئے وہ مزے سے ہاتھ مَسلتے ہوئے بولی تو مَنّت نے بےاِختیار سَر اُٹھا کر اُسکے جوشیلے تاثرات مُلاحظّہ کیئے۔

"اللہ نہ کرے۔"مَنّت کے دہل کر کہنے پر مائدہ لمحے بھر کو حیران ہوئی اور پھر اِردگرد کی پرواہ کیئے بغیر کِھلکھلا کر ہنستی چلی گئی۔کتنے ہی گروپ میں بیٹھے لڑکے لڑکیوں نے گردن پھیر کر اُس سَر پھری لڑکی کو دیکھا۔جبکے کسی ایک شاندار سے شخص نے اُس لڑکی کا یوں ہنسنا ناگواری سے دیکھا اور پھر اپنے کام سے چل دیا۔

"اِنسانوں کی طرح ہنسا کرو بہن۔" مَنّت نے اِرد گرد دیکھ کر خفت سے کہا جسکا ذرہ برابر اثر مُقابل کو نہیں ہوا۔

"تم ہو نہ اِنسانوں کی طرح ہنسنے کے لیئے۔" اُسکے ہاتھ پر ہاتھ مارتے ہوئے وہ پھر قہقہ لگا کر ہنس دی۔

"ویسے اگر ہم دونوں کو ایک ہی شخص سے مُحبت ہو گئی تو؟؟" لمحے بھر کے سکوت کے بعد اُس نے پھر پُرسوچ انداز میں کہا تو مَنّت نے اب کے کتاب سے نگاہ اُٹھا کر اُسکو بغور دیکھا جو اب سنجیدہ معلوم ہو رہی تھی۔

"تو کیا۔۔۔" مَنّت نے عام سے انداز میں کہہ کر وہ بات رفع دفع کرنی چاہی۔

"تو۔۔۔" کھینچ کر کہتے ہوئے اُس نے اپنے گال پر شہادت کی اُنگلی سے دستک دیتے ہوئے لمحہ بھر کو سُوچا اور پھر مَنّت کو دیکھا جو ہنوز کتاب میں سَر گھسائے بیٹھی تھی۔بےساختہ مُسکراہٹ اُسکے چہرے پر اُجاگر ہو گئی۔سبقت لے جانے والی مُسکراہٹ۔

"تو میں اُسے تم سے چھین لونگی، کسی بھی طرح۔" اُسکے مدھم سنجیدہ انداز پر مَنّت نے ٹھٹھک کر سَر اُٹھاتے ہوئے اُسکو دیکھا اور لمحے بھر کو وہ مائدہ کی آنکھوں کی کاٹ پر دھک سے رہ گئی لیکن مَنّت کو بغور دیکھتے پا کر اُسکے ہونٹ تیزی سے مُسکراہٹ میں ڈھل گئے۔

"فکر نہ کرو، اِس کی نوبت نہیں آئے گی کیونکہ میں زیادہ خوبصورت ہوں۔" ماتھے پر گرتے بالوں کو پاکٹ سے پِن نکال کر پیچھے کر کے لگاتے ہوئے اُس نے گویا مَنّت کا خوف دُور کرنا چاہا تھا۔

"فکر نہ کرو اُسکو تمہارے علاوہ کوئی نظر بھی نہیں آ سکتی۔" بائیں جانب معنی خیزی سے دیکھتے ہوئے اُس نے شرارتی انداز میں کہا تو مائدہ کے چہرے کے تاثرات فوراً کرخت ہو گئے۔اُس نے چہرہ پھیر

کر کچھ دُور لڑکوں کے گروپ کی جانب شعلہ اُگلتی نگاہوں سے دیکھا جہاں وہی بیٹھا تھا۔ایک ہاتھ پر چہرہ ٖگرائے، اپنے دوستوں کی باتوں سے بےپرواہ، نِثار ہو جاتی نظروں سے مائدہ کو دیکھتے ہوئے۔مائدہ کا حلق تک کڑوا ہو گیا اُن آنکھوں کی اِس قدر وارفتگی پر۔

"بیڑہ غرق ہو اِس منحوس کا۔"تیزی سے چہرہ واپس مَنّت کی جانب پھیر کر اُس نے کندھوں پر ڈھلک آتا دوپٹہ سَر پر سہی سے جماتے ہوئے چبا چبا کر نخوت سے کہا تو مَنّت کی مُسکراہٹ تیزی سے سِمٹی۔

"تم اُسکو مت پسند کرو مگر اِیسے کسی کی تذلیل نہیں کرتے۔"مَنّت نے اپنی پیاری دوست کو سمجھانا اپنا اولین فرض سمجھا مگر اُس 'پاگل عاشق' کو دیکھ کر مائدہ کا موڈ ہمیشہ کی طرح بےحد خراب ہو چکا تھا سو اب بھی اُسکو اچھی خاصی تپ چڑھی۔

"ویسے بُرا نہیں ہے۔تمھیں تو میں یہ مُفت میں بھی دے دوں۔"بُرا سا مُنہ بناتے ہوئے اُس نے تنفر سے کہا تو مَنّت اِس قدر فضول گُوئی پر ہق دق رہ گئی۔

"تم پاگل تو نہیں ہو گئی ہو۔کتنی بار کہا ہے مُجھ سے اِیسی بےہودہ بکواس کرنے سے پہلے ہزار بار سُوچا کرو۔"کتابیں تیزی سے سمیٹ کر شدید خفگی اور سنجیدگی سے کہ کر تیزی سے اُٹھ کھڑی ہوئی اور پلٹتے ہی وہ ٹھٹھک گئی کیونکہ سامنے وہی کھڑا تھا۔زرد ہوتے چہرے کے ساتھ شاید مائدہ کی گوہر افشانی حرف بہ حرف سُن چکا تھا۔مَنّت نے مَلامت ذدہ نظروں سے پلٹ کر سامان سمیٹ کر کھڑی ہوتی مَنّت کو دیکھا اور اُسکے رُک جانے پر مائدہ بھی پلٹی لیکن سامنے کھڑے اُس چہرے کو دیکھ کر وہ 'ہوں' کہتے ہوئے ایک ادائے بےنیازی سے آگے بڑھتی چلی گئی اور وہ چہرہ پھیر کر دُور جاتی اُس

لڑکی کو بغور دیکھتا رہا جو دِل پر راج کرنے لگی تھی۔ آنکھوں میں ہوتی چُبھن پر اپس نے چہرہ پھیر کر آنکھوں کا بھیگا گُوشا تیزی سے صاف کیا جو مَنّت سے مخفی نہ رہا اور اُسکا دِل اُسے بےبس نظر آتے لڑکے لے لیئے تاسف ست بھر گیا۔

"زمان بھائی، مائدہ کی بات کا بُرا مت منایئے گا۔"نرمی سے کہہ کر وہ اُسکے برابر سے گُزرتی چلی گئ۔ یہ جانے بغیر کے کسی کی چمکتی، پُرکشش سُرمائی آنکھوں نے اُس شفاف دل اور دھڑکن رُوک دیتے چہرے کو دُور تک جاتے دیکھا تھا۔جبکہ زمان ابھی تک مائدہ کے لہجے کی حقارت پر وہیں ساکت کھڑا تھا۔

ایک روایت کی طرح ہم بھی زمیں پر اُترے

پُوچھا جاتا تو تیرے دِل میں اُتارے جاتے۔۔۔

-----@---------@--------@--------@--------@-------

صبح شام اور شام رات میں ڈھل گئ لیکن مَنّت ولّی خان کی برات نے آنا ہی نہیں تھا سُو وہ نہیں آئی۔پوری حویلی میں پہلے شور و غل مچا، سب مَردوں کی سردار ولّی خان نے معلوم کروانے کے لیئے دوڑیں لگوائیں اور پھر وہ سب ٹھنڈے ہو کر بیٹھ گئے۔جہاں پہلے شادی کے ہنگامے تھے اب اُس حویلی میں دِل کو وحشت زدہ کرتی خاموشی نے اپنا ڈیرہ ڈال لیا۔کسی اِنہونی ہو جانے کی چاپ قریب سے ہی سُنائی دے رہی تھی۔

"بابا جان، اب کچھ بولیں گے آپ؟" پہل سُفوان نے کی تھی اِس طویل ہوتی خاموشی کو توڑنے کی اور کاش وہ پہل نہ ہی کرتا۔اُسکی طنزیہ آوز پر ولّی خان نے چہرہ اُٹھا کر اپنے پانچوں قطار میں کھڑے بیٹوں کو دیکھا۔

"نکاح کے وقت ہم سے پُوچھنا تک آپ نے گوارا نہیں کیا جیسے ہم دشمن ہیں اپنی ہی بہن کے اب آپکے فیصلے کا انجام سامنے ہے۔" یہ زہر اُگلنے والا دانیال تھا۔سردار صاحب کو اپنا دِل اِس ایک اور عدالت کو لگتا دیکھ کر گُھٹتا محسوس ہونے لگا لیکن وہ بیٹے اِس بات سے بے نیاز تھے۔

"یہ کیوں کچھ کہیں گے بھائی۔اِنھیں تو ہمارے علاوہ شاید سب پر ہی بھروسہ رہتا ہے۔" ارحم نے بھی اپنا حصّہ ڈال لینا ضروری خیال کیا۔ولّی خان نے شانوں سے پھسلتی چادر کا کونہ مضبوطی سے اپنی مُٹھی میں دبا لیا تھا۔

"بگھوڑا نکلا آپکا داماد اور اُس کا قابلِ اعتبار خاندان۔اب کیا جواب دینا ہے دُنیا کو؟" سیف نے ایک اور پہلو کو اُجاگر کیا تو اُنہوں نے بھیگتی آںکھوں سے خوفزدہ ہو کر احتساب کرتے اپنے بیٹوں کو دیکھا۔دِل جیسے اُس سُوچ پر لرز کر رہ گیا کہ اب اُنکی صابر اور لاڈلی بیٹی کو یہیں اِن بھائیوں کے درمیان رہنا تھا۔

دوسری جانب بیڈ پر بیٹھے، پاؤں زمیں پر ٹِکائے وہ ساکت سی بیٹھی تھی۔محض دِل کی خوفزدہ، تیز تر ہوتی دھڑکن ہی سُنائی دے رہی تھی جو زندہ ہونے کا اِحساس دِلا رہی تھیں ورنہ اِس بےیقینی پر وہ آنکھ تک نہیں جھپک پا رہی تھی۔ٹھنڈے پڑتے ہاتھوں میں دبے سیل فون کی خاموش سکرین کو گُھورتے ہوئے اُسکا ذہن بالکل ماؤف ہو چلا تھا۔دِل تھا کہ مان لینے کو تیار ہی نہیں تھا کہ حدید، اُسکا

محبوب شوہر اُس معجزہ نما خواب کو تکمیل پہنچانے نہیں آیا۔ سَر کو نفی میں جھٹک کر اُس نے نِڈھال ہوتے دِل کو سنبھالنا چاہا جو کسی اِنہونی ہو جانے کا چیخ چیخ کر علان کر رہا تھا۔ دروازہ کُھولے جانے کی آواز پر بھی اُس نے سَر اُٹھا کر نہیں دیکھا لیکن لائٹ جل اُٹھنے پر اُس نے لمحے بھر کو آنکھیں ضرور مُوند لیں تھیں۔

"اب آنکھیں بند کر لینے سے حقیقت بدل تو نہیں جائے گی۔" مائدہ کی کاٹ دار آواز پر اُس نے آہستگی سے آنکھیں کھول کر چہرہ پھیرتے ہوئے اُسے دیکھا جو بالکل نارمل، تروتازہ سی قدم قدم اُسکی جانب ہی بڑھ رہی تھی۔ اُسکے قریب پہنچ جانے پر مَنّت نے چہرہ اُٹھا کر اُسکو دیکھا جو اُسکے غم میں شریک ہونے، اُسکا غیر یقین سا دُکھ بانٹنے کو ہرگز نہیں آئی تھی۔

"تمہارے اُس بِھگوڑے شوہر کی وجہ سے آج میرے شوہر اور سُسر کا سَر نیچے ہوا ہے مگر خیر تمہیں کیا پرواہ تمہارے سَر پر تو اُسکی محبت کا بُھوت جو سوار ہے۔" وہ لہجہ اور انداز طنزیہ نہیں تھے لیکن پھر بھی دِل کو چھلنی کرنے کی صلاحیت رکھتے تھے۔ دِل ہی دِل میں مائدہ کو اُسکے اِتنے اِطمینان اور خاموشی پہ جی بھر کے حیرت ہو رہی تھی۔ اُسکا تو جہاں لُٹ گیا تھا، مان اور مُحبت رخصت ہو گئے تھے، آسمان سَر پر آ گِرا تھا نہ تو وہ دھاڑیں مار مار کر رُو کیوں نہیں رہی تھی؟؟ اپنے عظیم زیاں کا اعتراف کیوں نہیں کر رہی تھی؟؟؟

"صدمے نے کہیں تمہیں گُونگا تو نہیں کر دیا۔" اب کے اُسکے طنزیہ لہجے پر اُسے حیرت نہیں ہوئی تھی کیونکہ مَنّت کو معلوم ہو گیا تھا کہ 'مائدہ سُفوان' ایک آستین کا چُھپا سانپ ہے جسے اُس نے برسوں زمانے کی سَرد و گرم سے بچا کر اپنے ہاتھوں سے دُودھ پِلایا اور اب وہ اُسے بار بار ڈس لینے کو مکمل

تیار تھی۔ بغیر اُسکی بات کا جواب دیئے اُس نے نظروں کا زاویہ بدل لیا اور یونہی سیل فون کو مضبوطی سے مُٹھی میں تھامے وہ اُٹھ کھڑی ہوئی۔ مائدہ دوبدو مقابلے کو بالکل تیار تھی، اب آئے گا نہ اصل مزا۔۔۔ لیکن یہ کیا وہ اُسکے برابر سے ہوتے ہوئے دروازے کی جانب بڑھ گئی۔ مائدہ کا فشارِ خون تیزی سے بُلند ہوا۔

"میں نے کہا تھا نہ کہ دیکھتے ہیں وہ تمہارا شوہر کب تک تمہارا وفادار رہتا ہے۔" ہینڈل دباتے ہی اُسکی تمسخرانہ آواز پر لمحے بھر کو وہ ساکت ہوئی لیکن پھر کچھ پلٹ کر کہے بِنا باہر نِکلتی چلی گئی۔ بند دروازے کو دیکھ کر مائدہ نے سخت تنفر سے اِردگرد دیکھا اور پھر سامنے پڑا گُلدان اُٹھا کر دیوار پہ نصب ایل۔ای۔ڈی پر پوری قوت سے دے مارا جو یک دم ترچھی ہو کر زمین بوس ہوئی تھی۔

اپنا شرارہ بِنا سنبھالے وہ یونہی آہستگی سے سیڑھیاں اُتر رہی تھی۔ گھر کی خواتین اور رشتے دار عورتوں نے طنزیہ اور ترحم بھری نظروں سے اُس بسنے سے پہلے ہی اُجڑ جانے والی دُلہن کو دیکھا۔ اُن نظروں کو محسوس کر لینے کے باوجود وہ نظرانداز کرتی ہوئی آگے بڑھ رہی تھی کیونکہ وہ جان گئی تھی کہ جب اپنے قریبی ہی زخموں پر نِمک پاشی کریں تو پھر غیر سے کیا گلِہ، کیسا شِکوہ۔۔۔ مدہم قدموں کی آہٹ پر عدالت سجائے اُسکے بھائیوں نے پلٹ کر بیک وقت اُسکو آتے دیکھا جو چہرے سے رُوئی اور غمزدہ نہیں دِکھ رہی تھی۔ غیر متوقع خاموشی پر سردار ولّی نے بھی اپنا جُھکا سَر اُٹھا کر اوپر دیکھا اور اپنی مَنّت کو دیکھ کر اُنکی بُوڑھی آں کھیں اُسکا بے حس سا انداز دیکھ کر چھلک اُٹھیں شاید وہ اب تک بے یقینی کی کیفیت میں تھی، یہ محض اُنکا خیال اور گمان ہی تھا۔ ورنہ وہ کب کی یقین کی منزل طے کر چکی تھی۔ اُنکے برابر آ کھڑے ہوتے ہوئے اُس نے جُھک کر اُنکے ڈھیلے ہوتے شانوں پر مضبوطی سے

ہاتھ جما کر اُنکو خاموش تسلی دینی چاہی اور پھر خود کو ناگواری سے گھورتے اپنے بھائیوں کی جانب اطمینان سے پلٹی۔

"اِیسے موقع پر باپ کا غم بانٹا جاتا ہے۔اِحتساب تو کبھی بھی، کسی کا بھی ہو سکتا ہے۔"وہ بولی تو اُسکا لہجہ بالکل سپاٹ تھا یوں جیسے وہ سنبھل کر ادراک کی منزلیں کب کی طے کر چکی ہو لیکن سامنے کھڑے وہ بھائی اِیسی باتوں کے اثر سے شاید نابلد تھے۔

"تمہاری ہی وجہ سے آج ہمیں یہ ذلت اُٹھانی پڑ رہی ہے۔زمانے کو تو مُنہ متھا ہم نے دینا ہے تم نے نہیں۔"سُفوان کی پاٹ دار آواز پر اُس نے ایک نظر دوبارہ سے سَر جُھکائے ساکت سے بیٹھے بابا جان پر ڈال کر اُن بھائیوں کو دیکھا جو ایک جتھا تھے اور کہاوت کے مطابق بہنوں کا مان اور مُحافظ مگر مَنّت کے لیئے حقیقت اِسکے بالکل مُتضاد تھی۔

"چلیں بابا جان۔"بغیر کچھ کہے اُس نے نِڈھال سے بیٹھے ولّی خان کا ہاتھ تھاما اور بس سُفوان کا ضبط اِتنا ہی تھا۔آگے بڑھتے ہوئے اُس نے ایک جھٹکے سے بابا جان کا ہاتھ مَنّت کے ہاتھ سے چُھڑواتے ہوئے بِنا کچھ کہے سُنے ایک زوردار تھپڑ مَنّت کے گال پر جڑ دیا۔وہ تھپڑ بہت اچانک اور بالکل غیر متوقع تھا سُو اُس تھپڑ کی گُونج اور تکلیف سے مَنّت اور ولّی خان تو ساکت ہوئے ہی تھے اُسکے باقی بھائی تک ششدر رہ گئے۔اُسے اپنا دایاں گال بے حد جلتا ہوا محسوس ہو رہا تھا۔سُفوان کے ہاتھ میں پہنی انگوٹھی اور چاندی کی چین کے باعث اُسکو خون کا ذائقہ اپنے حلق تک میں محسوس ہوا مگر وہ تکلیف تو ثانوی تھی، حدید کے نہ آنے کا صدمہ بھی شاید اِتنا شدید نہیں تھا جتنا اُسکے بڑے بھائی سُفوان ولّی خان کا تھپڑ۔بھلے وہ سارے بھائی کوئی بہت مُحبت کرنے والے بھائی نہ تھے مگر اُنہوں نے مَنّت کو

عزت اور سلوک ہمیشہ دیا تھا۔سخت لہجوں کا تو گُزر تک نہیں ہوا تھا کبھی بہن بھائی کے رشتے میں سُو یہ تھپڑ بے اِنتہا تکلیف دہ تھا۔وہ ذلت کا احساس بہت واضح تھا۔سب کی تمسخرانہ نظروں پر اُس نے نگاہوں کا زاویہ تیزی سے بدل کر سفید پڑتے، دِل کو تھامے حیرت زدہ سے باپ کو دیکھا جنکے چہرے پہ اُسکے سُرخ ہوتے گال اور ہونٹوں سے نکلتے خون کو دیکھ کرشدید اذیت کے تاثرات نمودار ہوئے تھے۔اُسکے نگاہوں کے خاموش تعاقب اور کوئی ردِ عمل نہ دینے پر سب نے ولّی خان کو دیکھا اور پھر اُنکے تاثرات دیکھ کر وہ سب بھائی تیزی سے اُنکی جانب بھاگے مگر اُنہوں نے گرنے سے پہلے ہاتھ بڑھا کر بے یقین سی مَنّت کا سَرد ہاتھ تھام لیا اور پھر وہ ایک جانب لڑھکتے چلے گئے۔

"سیف! اینبولینس کو کال کرو۔دانی گاڑی نِکالو۔"چیخ کر کہتے ہوئے سُفوان کی آواز پر سب جیسے ہوش کی دُنیا میں آئے تھے اور تیزی سے باہر کی جانب بھاگے۔اِس سے پہلے کہ سُفوان بھی اُنکو لے کر پلٹتا اُسکو مَنّت کو دیکھ کر ٹھہر جانا پڑا۔

"میرے باپ کو اگر کچھ ہوا تو میں آپکو زندگی بھر معاف نہیں کروں گی۔یاد رکھیئے گا۔"اُسکے عین رُوبرو آکر، آنکھوں میں دیکھتے ہوئے اُس نے اِس قدر سَرد اور سپاٹ انداز میں کہا تھا کہ سُفوان جیسے مضبوط اور بے حس شخص کو بُنیادوں سے ہلا کر رکھ دیا۔اُن آنکھوں کی اجنبیت، سپاٹ انداز اور خون جما دینے والا سَرد اور کاٹ دار انداز۔۔سُفوان بے اِختیار جُھرجھری لے کر پیچھے کو ہوا اور وہ اُس سے بے نیاز اپنی کُل کائنات کی جانب جی جان سے متوجہ ہو گئی۔

میرے عزیز کبھی خوش نہیں ہوئے مُجھ سے

تمہیں بھی میری مُحبت سے مسئلہ رہے گا۔۔۔

-----@------@-------@------@------@-----

"ہمزاد۔" فرید نے زیرِ لب آہستہ سے کہا جسے سُن کر سجاول کے رونگھٹے مزید کھڑے ہو گئے۔ وہ آخرکار آ ہی گیا تھا، نہیں۔ اُسے اپنے اِردگرد خطرے کی گھنٹی تیز تر ہوتی سُنائی دے رہی تھی۔ ہمدی تیر کی سی تیزی سے آگے بڑھا اور فرید کو زوردار لات رسید کرنا چاہی مگر وہ فرید تھا تیزی سے چکما دے گیا۔ ہمدی اب اُس سے چاکو چوبند ہو کر لڑ رہا تھا۔ ہمزاد نے مُطمئن انداز میں پلٹ کر ایک نظر دُور کھڑے زاور کو دیکھا لیکن چونکہ وہ دونوں مُختلف حلیے میں تھے اِس لیئے پہچان مُشکل تھی لیکن اُسکے ہاتھ میں پسٹل دیکھ کر ہمزاد زیرِلب مُسکرا دیا۔

"بچے! بندوق کا رُخ نیچے کرو۔" اُس مدہم سَرد آواز میں عجیب سا تحکم تھا۔ فرید نے ہمزاد کے ساتھی کو دونوں ہاتھ مضبوطی سے پکڑ کر ہمزاد کو دیکھا جو ہاتھ کے اِشارے سے زاور کو پستول نیچے رکھنے کو کہہ رہا تھا۔

"زاوی! گن نیچے۔" ہمزاد کے کہنے کے باجود زاور نے گن پہ مزید گرفت سخت کرتے ہوئے اُسکا رُخ ہمدی کی جانب کر رکھا تھا۔ اُس پُکار اور لہجے پر ہمزاد نے ٹھٹھک کر چہرہ پھیرتے ہوئے فرید کو دیکھا جو ہمزاد کو ہی بغور دیکھ رہا تھا۔ کچھ اُلجھ کر ہمزاد نے اُس 'زاوی' نامی شخص کو دیکھا اور گویا اُسکے ذہن میں جھماکا سا ہوا۔ زاور کو دیکھ کر ہمزاد نے دونوں ہاتھ مصالحتی انداز میں اُٹھا کر جیسے اپنے بے ضرر ہونے کا یقین دِلانا چاہا۔

"ہماری دشمنی صرف اِس سے ہے۔" سجاول کی جانب انگوٹھے سے اِشارہ کرتے ہوئے اُس نے رسان سے کہا تو زاور نے چونک کر فرید کو دیکھا جس نے آنکھ کے اِشارے سے اثبات میں سَر ہلایا تو زاور

نے گن تیزی سے نیچے کر لی۔ ہمدی نے زاور دار جھٹکا دے کر اپنا بازو چھڑوانا چاہا لیکن فرید اُس سے غافل نہیں تھا۔ جھٹکنے پر وہ دونوں بالکل مقابل آ گئے تھے۔ ہمدی نے چونک کر اُن سُرمئی آنکھوں میں دیکھا اور فرید اُسکے ماسک کے باعث اُسکو دیکھ نہیں پایا۔ فرید کی نظر تیزی سے اُسکے سیاہ دستانے پہنے ہاتھوں سے ہوتے مضبوط کلائیوں پر گئی۔ یقیناً وہ ڈیل ڈول والا مرد تھا اور پھر اِس سے پہلے کہ وہ نظرانداز کرتا فرید کی نگاہ اُسکی سیاہ جیکٹ میں سے جھانکتے بازو پر گئی جسکا کچھ نظر آتا حصّہ شدید جلا ہوا محسوس ہو رہا تھا اور باقی شاید جیکٹ کے آستین کی نیچے تھا۔ اُس جلنے کی جلن فرید نے پہلے بھی محسوس کی تھی کب؟؟ مَنّت کے اُس نامعلوم بھائی کے چہرے پر؟؟؟

فرید کی محویت کا مرکز جان کر اُس نے اپنی کلائی پیچھے کرتے ہوئے زور دار لات اُسکے پیٹ پر ماری اور وہ جسکا دھیان چُوک گیا تھا کھانستا ہوا پیچھے کو ہوا۔

"یہ ہمارا شِکار ہے میجر۔" شہادت کی انگلی ہلا کر سجاول کی جانب اِشارہ کرتے ہوئے کہہ کر اُس نے فرید کو چُونکا دیا۔ وہ اِس یکسر مُختلف حلیے میں حدید کو کیسے پہچان گیا چونک تو زاور اور ہمدی بھی گئے تھے البتہ یہ بات سجاول کی سماعتوں پر دھماکہ کر گئی تھی۔ فرید اور میجر؟؟ یہ کیا تھا سب؟ یہ کیا ہو رہا تھا آج اُسکے ساتھ؟؟ سفید پڑتے چہرے کے ساتھ اُس نے فرید کو دیکھنا چاہا جو چہرہ پھیرے ہمزاد کی سِمت متوجہ تھا۔ سجاول کی آنکھوں کی وہ بے اِعتباری ہمزاد نے ضرور بغور دیکھی اور کچھ لمحے بھر کو سُوچا، جمع تفریق ہوئی اور فیصلہ ہو گیا۔

"اور ہم یہ تمہارے حوالے کیوں کریں گے؟" فرید کے سوال پر اُسکا قہقہہ بے ساختہ تھا۔ وہ بے ڈھنگا، میکانکی سا قہقہہ فرید اور زاور کو عجیب سی اُلجھن سے دوچار کر گیا۔

"ایک ڈیل کرتے ہیں۔ تم لوگ بتاؤ کہ تم اِسکے ساتھ کیا سلوک کرو گے تب شاید میں تمہیں یہ لے جانے دوں۔" ہاتھ میں تھامے پسٹل کی نال کنپٹی پر کُھرچتے ہوئے وہ قدم قدم فرید کی جانب بڑھ رہا تھا جسکے چہرے پر یہ سُن کر بے حد مدہم، سُوگوار سی مُسکراہٹ چھا گئی۔ سجاول کا ذہن فرید کے سخت شکنجے اور اُن لوگوں کی خوفناک باتوں سے بالکل ماؤف ہونے لگا تھا۔

"اور یہ ہم تمہیں کیوں بتائیں گے؟" فرید نے دوبارہ اعتراض اُٹھایا جسے سُن کر ہمدی نے محظوظ ہوتی نظروں سے ہمزاد کو دیکھا۔

"وہ اِس لیئے کہ اگر تو اِسکا انجام بھیانک کر سکتے ہو تو یہ تمہارا شکار ہے لیکن اگر تمہاری ذاتی دشمنی نہیں ہے تو اِسکو ہمارے حوالے کر دو بصورت دیگر اِسکو تم ہمزاد کی لاش پر سے ہی لے کر جا سکو گے۔" سَر پہ پہنا ہُڈ کچھ اور آگے سِرکاتے ہوئے وہ بولا تو فرید نے بغور اُس عجیب سے تاثرات میں مُبتلا کرتے شخص کو دیکھا اور پھر اُسکے ساتھی کو جو پُشت پر اطمینان سے ساتھ باندھے کھڑا تھا۔ سجاول کو اپنے گرد موت کا دائرہ تیزی سے تنگ ہوتا محسوس ہونے لگا تھا۔

"میری ذاتی دشمنی ہے اِس سے۔" فرید کے جواب پر زاور نے بے یقینی سے چہرہ پھیر کر حدید کو دیکھا لیکن اُسکے چہرے کی سنجیدگی نے زاور کو اندر تک خوفزدہ کر دیا تو وہ تیزی سے آگے بڑھا۔ ہمدی نے بغور اُسکی بے چینی دیکھی لیکن اُسکے آگے بڑھنے پر اب وہ حرکت میں نہیں آیا۔ سجاول نے دنگ ہو کر اپنے قریب کھڑے، بھروسے کے آدمی کو دیکھا۔ اُسکی حیرات زدہ آنکھوں میں خوف اور بھروسہ ٹوٹ جانے کی کرچیوں کو ہمزاد نے کئی قدم دور سے بھی دیکھ لیا تو وہ بے اِختیار ہاتھ مسلتا ہوا محظوظ

ہوا لیکن فرید کے جواب پر اُس نے ضرور بغور اُسکو دیکھا جسکی سرمئی آنکھوں میں بلّا کی سختی اور نفرت تھی۔

سجاول کو ایک جھٹکے سے چھوڑ کر اُس نے زاور کی جانب دھکا دیا جس نے بروقت اُسکو دبوچ کر قابو کر لیا کیونکہ سجاول تو شاید اِس قدر شدید صدمے میں تھا کہ مذمت تک کرنے کے قابل نہیں رہا۔

فرید قدم قدم چلتا ہوا ہمزاد کی جانب آیا۔ مُٹھی بھر کے فاصلے پر ٹھہرتے ہوئے اُس نے سفید ماسک کے سُوراخ میں سے نظر آتی اُن روشن آنکھوں کو گہری نظروں سے دیکھا جو آج روشنی کے باعث واضح نظر آ رہی تھیں جو عام مردوں کی آنکھوں جیسی نہیں تھیں بلکہ کسی عورت کی آنکھوں کی طرح غزال اور خوبصورت تھیں اور اُنکا رنگ ہلکا نیلا تھا جو کہ یقیناً لینز تھے۔

"یہ میرے خاندان اور میری بیوی کا مُجرم ہے اِس لیئے بھیانک اِنتقام لینے کا پہلا حق میرا ہے۔" عجیب سے احساسات سے دوچار کرتی اُن آنکھوں میں دیکھ کر وہ بہت مدھم اور ٹھہر ٹھہر کر کہتے ہوئے ہمزاد کے دِل کی دھڑکن تک رُوک گیا تھا۔ اُن آنکھوں کو بے یقینی سے پھیلتے دیکھ کر حدید ضرور اُلجھا تھا اور اُسکے انداز پر ہمدی نے بغور ساکت اور جامد ہوتے ہمزاد کو دیکھا اور وہ جیسے سارا معملا سمجھ گیا۔ بس لمحہ لگا تھا ہمزاد کو سنبھلنے میں۔ دو قدم پیچھے کو ہوتے ہوئے اُس نے ہمدی کو دیکھ کر سَر ہلایا تو فرید کے بھیس میں موجود حدید نے گہری نگاہ سے ہمزاد کے اِقدام کو دیکھا۔

"ٹھیک ہے، اصل مزہ تو تب ہی آئے گا جب بھروسے مند کے ہاتھوں سے مات کھائے گا یہ شخص۔" پستول کا رُخ سجاول کی جانب کرتے ہوئے اُس نے اِنتہائی محضوظ ہو کر کہا لیکن اُس لہجے کے

سَرد پن کو محسوس کر کے سجاول کے گردن کی گلٹی ڈوب کر اُبھری تھی۔ ہمزاد چلتا ہوا عین سجاول کے رُوبرو آ کھڑا ہوا۔

"بھروسہ ٹوٹ جانے کی تکلیف کیسی ہوتی ہے، سردار سجاول ارمغانی؟" مدہم سَرسَراتے لہجے میں کہہ کر اُس نے سجاول کی سماعتوں میں گویا زہر گُھول دیا تھا۔ حدید نے چہرہ پھیر کر سجاول کی جانب قدرے جُھک کر کھڑے اُس شخص کو دیکھا جسکی آنکھوں سے سہی معنوں میں شعلے نکلتے دیکھ کر حدید نے اُسکے ہاتھوں کی بند مُٹھی کو دیکھا جو اُسکے ضبط کی عکاسی کر رہا تھا۔ وہ اگر ہمزاد تھا تو حدید اُس سے بے حد مایوس ہوا تھا پہلی بار نہ سہی اِس لیئے کہ پہلی بار حدید کا واسطہ ہمزاد کے ساتھی سے پڑا تھا لیکن ہاں دوسری بار ضرور کیونکہ ہمزاد کی دہشت کا جو خاکہ وہ سجاول جیسے لوگوں سے سُنتا آیا تھا کہ وہ بہت ظالم اور طاقتور ہے اُسکے مطابق کوئی بہت ڈیل ڈول کا، چُوڑے شانے اور لمبے قد کا کوئی مَرد ہونا چاہیئے لیکن ہمزاد وہ بہت نازک سا دِکھتا تھا یوں کہ پہلی بار اُسکو بچانے کے لیئے جب حدید نے اُسکو شانوں سے تھاما تو حدید کو اُس پر کسی عورت تک کا گُمان ہوا تھا۔ ابھی بھی اُسکے سیاہ گلوز میں مضبوط ہاتھوں کی مُٹھی نازک سے ہاتھوں کی غمازی کر رہی تھی۔ سَر جھٹک کر اُس نے اپنے خیالات کے آگے پُل ہمزاد کی آواز پر باندھا تھا۔

"ابھی تو تمہاری جان جس طوطے میں قید ہے اُسکا بھی تو گلہ دبانا ہے مجُھے۔ تمہیں کیا لگا کہ ہمزاد کو تمہاری کمزروی کا علم نہیں ہو گا۔ ہاں؟" اُسکے چہرے کے بالکل مُقابل آ کر اُس نے غراتے لہجے میں کہہ کر حدید کو چُونکا دیا تھا۔ 'سجاول کی کمزوری' وہ بس اِتنا ہی سُوچ سکا تھا۔ زاور کی مضبوط گرفت میں مُقید سجاول وہ لہجہ، وہ الفاظ سُن کر جی جان سے کانپ کر پھڑپھڑایا تھا۔ اور اُسکو یوں مچلتے دیکھ کر

ہمزاد کا میکانکی سا قہقہہ بڑا بے ساختہ تھا۔ حدید قدرے حیرت سے سجاول کا یوں بے بس انداز اور ہمزاد کو قہقہے لگاتا دیکھ رہا تھا۔

"ہر اِنسان کی کچھ کمزوریاں ہوتی ہیں سردار صاحب۔ کمزوریاں نہ سہی کوئی ایک کمزوری اور ہمزاد کی آنکھیں لوگوں کی سات پردوں میں چُھپی وہ کمزوری تک کو بھانپ لیتی ہیں۔" وہ لہجہ نہ طنزیہ تھا نہ ہی دھمکی آمیز، حدید محسوس کر سکتا تھا۔ سجاول سے نِگاہ ہٹا کر اُس نے اپنی جانب اُلجھن سے دیکھتی فرید کی اُن آنکھوں کو دیکھا جنکو ہمزاد بہت اچھے سے جانتا تھا، جنکو وہ بے حد قریب سے دیکھ چکا تھا۔

"تمہیں تمہارا شِکار مُبارک ہو فرید۔" وہ میکانکی، مشینی سا لہجہ جب بولتا حدید کا دِل نہ جانے کیوں ڈوبنے لگتا تھا۔ آخر کیا تھا اُس مشینی سے لہجے میں؟ کیا اُس لہجے کی سُوگواری دِل کو پریشان کرتی تھی؟؟ یا کیا؟؟؟ حدید کی سُوچ سے بے نیاز اُس نے اپنی بند مُٹھی سجاول کے چہرے کے قریب کی جس نے خوف سے دُور ہٹنے کی کوشش کو ناکام محسوس کر کے اپنی آنکھیں سختی سے میچ لی تھیں۔ وہ یونہی چمکتی آنکھوں سے مُٹھی سجاول کے عین سامنے لا کر کھڑا رہا،

"سجاول ارمغانی، دیکھو! ہمزاد کی مُٹھی میں تمہاری کس قدر قیمتی شے ہے۔" سَرسراتے لہجے میں کہہ کر اُس نے سجاول کے دِل کو مُٹھی میں جھکڑ لیا تھا۔ حدید اور زاور نے ایک دوسری کی نظروں کا اُلجھ کر تعاقب کیا۔ ہمزاد کا انداز تحکم بھرا تھا۔ سجاول نے پسینہ پسینہ ہوتے چہرے کے ساتھ آہستگی سے اپنی خوفزدہ ہوتی آنکھوں کو کھول کر ہمزاد کی سیاہ دستانے سے مُزین مُٹھی کو دیکھا اور اُسکے دیکھتے ہی ہمزاد نے مُٹھی کھول کر اُس میں موجود شے پر پھونک سیٹی کی آواز کے ساتھ ماری تو سجاول کھانستا

ہوا پیچھے گردن کر کے ہوا۔اُسکا چہرہ اُس دُھول سے اٹ گیا جو ہمزاد نے پھونک سے اُسکے چہرے پر پھینکی تھی۔زاور نے حیران نظروں سے محضوظ ہوتے حدید کو دیکھ کر سجاول کو دیکھا جسکا چہرہ اُس مٹی سے اٹ چُکا تھا جو کچھ دیر پہلے ہمزاد کی مُٹھی میں تھی۔

-----@-------@-------@------@-------@------

آج سردار ولّی خان کا سوئم تھا۔جہاں زیادہ تر لوگ اُنکی اِس ناگہانی موت پر حیران اور غمزدہ تھے تو وہیں بہت سُوں کے ذہنوں میں بہت سے سوال اور اُنکے خودساختہ جواب۔ہر کوئی ایک دوسرے کے ساتھ بھانت بھانت کی بولیاں بول رہا تھا اُس گھر میں جہاں سے دو روز قبل ایک محبوب باپ اور واحد مضبوط سہارے کا جنازہ اُٹھا تھا۔وہ سب کی باتوں سے بے نیاز قرآن پاک پڑھنے میں دِل جمعی سے مصروف تھی کیونکہ باقی عورتیں صرف مصالہ دار باتوں کو پھیلانے کو موجود تھیں سپارے ہاتھوں میں تھامے یعنی اللہ کا کلام۔۔وہ باآسانی سُن سکتی تھی اُن عورتوں کی مدہم آوازیں جو اِتنی مدہم تھیں کہ ہال کے ایک کونے سے دوسرے کونے تک بغیر کسی دقعت کے سفر کے گردش کر رہی تھیں۔

"ہم نے تو سُنا ہے کہ بیٹی کی برءات نہ آنے کا صدمہ لے ڈوبا سردار صاحب کو۔"ایک شکل سے سنجیدہ اور مُدبر نظر آتی عورت نے قرآنی حروف سے نگاہ ہٹا کر اُس 'کارِ خیر' میں کچھ اپنا حصّہ بھی ڈالا تھا۔

"لڑکی میں کوئی عیب تھا جو برءات نہیں آئی؟؟" کسی اور خاتون سے تفکر اور ہمدردی سے جاننا چاہا۔
مائدہ نے چہرہ پھیر کر پُرسکون چہرے کے ساتھ قرآن پڑھتی مَنّت کو دیکھا جو محبوب باپ کے مرنے

پر ایک آنسو نہ بہا سکی تھی۔ آخر کیوں اطمینان تھا اُسکے چہرہ پر اِتنا؟ کیوں وہ غمزدہ نہیں لگ رہی تھی؟؟ مائدہ کو اُسکی خاموشی سے اب سہی معنوں میں وحشت ہونے لگی تھی۔

"اِس بچی کا شوہر وہی تھا نہ فوجی جس نے بھری پنچائیت میں بڑے بول بولتے ہوئے سردار صاحب کو بےوقوف بنایا تھا؟" اب کے ایک اور عورت نے سپارے کا صفحہ پلٹتے ہوئے تصدیق کرنا چاہی۔ مائدہ کو لگا اب مَنّت پھٹ پڑے گی سب کے سامنے یا پھر کوئی تاثرات تو ضرور اُسکے چہرے پر در آئیں گے حدید کے ذکر پر لیکن سب بےسُود۔ اُس نے باقی پورا دن تو کیا آگے کبھی بھی ایک لفاظ، کوئی تاثر، کوئی جذبہ چہرے سے ظاہر نہیں کیا اور سب عورتوں کے ساتھ مائدہ کی بھی یہ حسرت ہی رہ گئی۔

"تم کچھ اب کھا لو مَنّت۔" مائدہ نے نرم لہجے میں اُسکے شانے پر ہاتھ رکھتے ہوئے کہا تو قرآن لپیٹتی مَنّت نے چونک کر چہرہ اُٹھاتے ہوئے مائدہ کو خاموش نظروں سے بس لمحے بھر کو دیکھا اور پھر اُٹھ کھڑی ہوئی اور مائدہ وہاں کتنی ہی دیر تک ساکن کھڑی رہ گئی۔ اُن خاموش نگاہوں کا سَرد پَن، وہ اندر تک اُترتی راز بھانپ لیتی نظر، وہ اصل چہرہ پہچان لینے والا انداز، مائدہ حقیقتاً کانپ اُٹھی۔ وہ دلیر، نڈر اور بےباک مائدہ کانپ کر رہ گئی۔

سُفوان کو آتے دیکھ کر وہ تیزی سے سنبھلی اور نگاہوں کا زاویہ بدل کر مَنّت کو دیکھا کہ شاید اب وہ اپنے بڑے بھائی اور اُسکے پیچھے آتے باقی بھائیوں کو دیکھ کر غم کا اِظہار کرے گی، رُوئے گی، چلّائے گی اور اُسکے پانچوں بھائی رک کر مَنّت کو اپنی جانب آتا دیکھ رہے تھے اور وہ اُن سب پر ایک نگاہ بھی ڈالے بِنا اُنکے برابر سے گزرتی چلی گئی کیونکہ رشتوں کے معنی اُسکے بابا جان کی وفات پر مَنّت ولّی

خان کے لیئے تمام ہو گئے تھے۔ سہارے ثانوی ثابت ہوئے کچھ دِن گُزر جانے کے بعد دِل سے رفتہ رفتہ اُتر گئے تھے اور پھر اُس گھر کو ہمیشہ کے لیئے چھوڑ جانے سے قبل وہ سُفوان کے رُوبرو آ کھڑی ہوئی اور اپنے باپ کے مرنے کے ٹھیک ایک مہینے بعد یہ پہلی بار تھا جو وہ اپنے بھائیوں کو دیکھ رہی تھی بِنا نظر جُھکائے۔

اُس آخری نِگاہ کو سُفوان کبھی نہیں بُھول سکا کیونکہ اُن آنکھوں کی نفرت، سَرد پَن اور تمسخر نے اُسکے دِل کی دھڑکن کو لمحے بھر کے لیئے ساکن کر دیا تھا۔ مَنّت کی وہ آخری نِگاہ ہرگز بُھول جانے والی نہیں تھی نہ اُسکی وہ آخری مکمل بات۔ گزرے آٹھ سالوں میں وہ نِگاہ، وہ لہجہ، وہ الفاظ وہ سب بھائی نہیں بُھلا سکے تھے کیونکہ شاید وہ آئینہ تھے، اُنکا اصل آشکار کرتا آئینہ۔ نگاہ چُرانے پر مجبور کرتا آئینہ۔ وہ سب عمر بھر کا چین چھین لینے کو کافی تھا۔

"میں دُعا کروں گی کہ اللہ آپ لوگوں جیسے بھائی گناہ گار ترین عورت تک کو نہ دے کیونکہ یہ اُسکے گناہوں سے بھی کہیں زیادہ بڑی سزا ثابت ہو گی۔" وہ الفاظ نہیں تھے جو اُنکی اکلوتی بہن کے ہونٹوں سے نِکل رہے تھے بلکہ وہ پِگھلا ہوا سیسہ تھے۔ وہ بے یقینی اُن پانچوں کے لیئے بہت زیادہ تھی کہ اُنکی ہر دم محبت اور اُن سے عقیدت رکھنے والی بہن یہ سب کہہ رہی تھی۔ اُنکی حالت سے بے نیاز وہ قدم قدم چلتی سُفوان کے رُوبرو آ کھڑی ہوئی جسکی جانب سے مَنّت نے سب سے زیادہ زخم کھائے تھے اور سُفوان سانس روکے حیرت سے اُسے دیکھ رہا تھا جسکے تاثرات برف سے زیادہ سَرد اور لہجہ ہر اِحساس سے عاری تھا۔ وہ کوئی نئی مَنّت تھی جو باپ کے مرنے پر بے دار ہو گئی تھی لیکن اُس نے تو

زبان تب بھی نہیں کھولی تھی جب سردار صاحب کی وفات کے ٹھیک پانچ دِن بعد ایک رات عجیب اِنہونی ہوئی تھی، ناقابلِ یقین واقعہ۔۔۔

جس نے برسوں سے تمکنت سے کھڑی اُس پُروقار حویلی کے دَرو دیوار تک کو ہلا دیا تھا۔اپنی صفائی میں بھائیوں کے برسنے، چلانے، کردار کی دھجیاں اُڑانے تک وہ خاموش رہی تھی اور اب وہ یہاں سے جا رہی تھی بغیر کچھ بتائے، خالی ہاتھ صرف ایک بیگ کندھوں پہ جُھول رہا تھا جو اُسکی سالگرہ کے موقعے پر سردار ولّی خان نے اُسکی خاص فرمائش پر منگوایا تھا، سیاہ رنگ کا پیک بیگ۔۔۔چند لمحے وہ بالکل خاموشی سے دَم سادھ کر کھڑے حیران سے سُفوان بھائی کو دیکھ رہی تھی اور پھر اُس نے پلٹ کر سینے پر ہاتھ باندھ کر کھڑی فاتح، مَسرور سی مائدہ سُفوان کو دیکھا۔

"میں چاہتی ہوں مکافاتِ عمل آپکو وہاں سے آ کر گھیرے جہاں سے اُسکے آنے کا گُمان تک نہ ہو۔ جہاں سُوچ بھی نہیں جا سکتی ہو آپکی اور کاش میں اُس وقت آپکی حالت دیکھ سکتی۔" مدہم، پُراِسرار لہجے میں مائدہ کی جانب چہرہ پھیر کر کہتے ہوئے اُس نے پلٹ کر سُفوان کی جانب دیکھا اور پھر وہ اُس گھر کی دہلیز کو ہمیشہ کے لیئے پار کر گئی، کبھی نہ پلٹنے کے لیئے۔اپنے چاروں جانب تیزی سے پھیلتے اندھیرے پر سُفوان نے گھبرا کر دھڑکتے دِل سے اِردگرد نگاہ دُوڑائی۔وہ ایک چٹیل میدان میں کھڑا تھا بالکل تنہا جہاں اُسکے سَر پہ موجود آسمان تیزی سے سیاہ بادلوں سے ڈھکتا ماحول کو سیاہ کر گیا۔پیچھے پلٹنے کے چکر میں اُسکا پاؤں کسی بھاری پتھر سے رپٹ کر زخمی ہوا اور وہ پُشت کے بَل پیچھے کو جا گرا۔ ہتھیلیاں زمین پر ٹِکاتے ہی کتنے ہی کانٹے، کانچ اور کنکر اُسکی دونوں ہتھیلیوں میں پیوست ہو کر اُسے لہولہان کر گئے۔خوف اور دُکھتے جسم کی تکلیف نے اُس جیسے مضبوط اعصاب کے مَرد کو لمحے بھر میں

نِڈھال کر دیا تھا۔اچانک مَنّت کی مدھم، بے حد آہستہ آواز کہیں دُور سے اِس ویرانے میں گُونجنے لگی تھی۔

"مکافاتِ عمل وہاں سے گھیرے گا جہاں سے آنے کا آپ نے کبھی تصور بھی نہیں کیا ہو گا۔ہاں اِیسا ہی ہونا چاہیئے آپکے ساتھ۔"الفاظ بدل گئے تھے مگر بات اب بھی مکافاتِ عمل کی ہی تھی۔یک دَم فضا میں جیسے آکسیجن ختم ہونے لگی تھی۔گلے پہ ہاتھ رکھتے ہوئے وہ یوں کھانس رہا تھا گویا کوئی نظر نہ آنے والا ہاتھ اُسکا گلہ پوری قوت سے دبا رہا ہو۔اچانک ماحول میں کانوں کو چیرتی چیخ گُونج اُٹھی۔اُس لرزا دیتی چیخ پر سُفوان کا دِل کچھ اور خوف سے سُکڑ کر پھیلا۔ڈرتے ڈرتے اُس نے پسینے سے تر چہرے اور پھیلتی آں کھوں سے سَر اُٹھا کر سیاہ بادلوں سے ڈھکے آسمان کو دیکھا۔معلوم نہیں وہ گِد تھا یا چیل لیکن وہ جسم میں بہت بڑا پرندہ اپنے پر پھیلائے اُسکی جانب ہی آ رہا تھا۔اُسکی پھیلتی پُتلیوں میں اُس پرندے کا عکس شفاف اور واضح ہو رہا تھا۔قریب آتے ہی اُس نے اپنی تیز دھار چُونچ سے سردار سُفوان کی پھیلی آنکھوں پر باری باری حملہ کر کے زخمی کر دیا۔شدید اذیت سے کراہتے ہوئے اُس نے اپنی خون آلود آنکھوں پر تیزی سے ہاتھ رکھا مگر بے سُود وہ تکلیف بہت زیادہ تھی۔

تیز ہوتی سانسوں، پسینے سے تر چہرے کے ساتھ وہ ایک جھٹکے سے اُٹھ بیٹھا۔چند پل لگے تھے اُسکو سمجھنے میں کہ وہ اپنی حویلی میں، اپنے شاہانہ کمرے میں تھا۔آں کھوں کو بے یقینی سے چُھوتے ہوئے اُسکی آنکھوں سے آنسو گرم سیال کی مانند بہہ رہا تھا۔ماتھے پر دَر آنے والے بالوں کو ہاتھ سے پیچھے کر کے اُس نے چہرہ پھیر کر بیڈ کی دوسری جانب دُنیا و مافیہا سے بے خبر سُوئی اپنی بیوی اور بیچ میں لیٹی بیٹی کو دیکھا تو اُسکا دِل یک دم گُھٹنے لگا۔مَنّت کا دُھندلاتا چہرہ پھر سے نگاہوں کے سامنے لہرانے لگا

تو اُس نے سَر جھٹک کر سائیڈ ٹیبل پر پڑے جگ سے پانی نکال کر تیزی سے کسی پیاسے کی طرح غٹاغٹ چڑھا لیا۔پانی پی کر اُس نے پُشت بیڈ کراؤن سے لگائی اور جلتی آنکھوں سے کھڑکی کے پار اندھیرے میں دُور اُفق پر تیرتے تنہا چاند کو دیکھنے لگ گیا۔

وہ کہاں گئی تھی؟ کہاں ہو گئی؟؟ کس حال میں اور کبھی پلٹی کیوں نہیں؟؟ وہ زندگی کو کیسے تنہا جی رہی ہو گی؟؟؟ کیا۔۔۔کیا وہ زندہ بھی تھی؟؟؟ یہ سُوچیں روز کسی اژدھے کی طرح اُسکو ڈس کر اُسکی راتوں کی نیند حرام کر دیتی تھیں لیکن اِسکا ذکر کبھی اُس نے مائدہ یا اپنے باقی بھائیوں سے نہیں کیا۔ یہ سچ تھا کہ مَنّت کے جاتے ہی سَردار سُفوان کبھی سُکھ، چین کی نیند نہیں لے سکا تھا۔گزرے آٹھ سالوں میں اُسکی راتیں اِیسی ہی خوفناک، دِل کو چیرتی، نیندوں کی رمق سے یونہی بے نیاز گُزری تھیں مگر اِسکا اعتراف خود سے کرنے تک کی ہمت اُس میں نہیں تھی۔دوبارہ چہرہ پھیر کر اُس نے اپنی بے نیاز، ضدی، محبوب بیوی کو دیکھا جسکا اِنتخاب اُسکے دِل نے، اُسکے ساتھ مِل کر کیا تھا۔اِس عورت کو اپنی بہن پر فوقیت دی تھی سُفوان نے جسے شاید سُفوان کے ہونے نہ ہونے سے کبھی فرق نہیں پڑنے والا تھا۔

ے گُماں کی مچان پر یقین مت شِکار کر

نجانے انت کیا کُھلے، خبر تو خود سفر میں ہے۔۔۔

-------@------@------@-------@------@------

"زمان کہاں ہوتا ہے سجاول؟" باہر کی جانب بڑھتے ہوئے اچانک جیسے یاد آ جانے پر ہمزاد نے پلٹ کر پُوچھا۔اُن الفاظ پر سجاول کی سماعتوں پر ساتوں آسمان آ ٹوٹے تھے۔حدید نے ہنکھڑی لگاتے سجاول

کو ٹھٹھک کر دیکھا جسکا چہرے لٹھے کی مانند سفید ہو گیا تھا اُس سوال پر۔زاور بھی اُلجھ کر ہمزاد کو دیکھ رہا تھا۔حدید نے سوالیہ نگاہوں سے ہمزاد کو دیکھا جو پہلے تو سجاول کو بڑے اِطمینان کے ساتھ اُنکے حوالے کر کے جا رہا تھا اور اب یوں اچانک کسی 'زمان' کا پُوچھنا۔یوں معلوم ہو رہا تھا جیسے ہمزاد جانتا ہو کہ اُس شخص کے بارے میں کہ وہ کہاں ہے بس سجاول کا خون خُشک کر دینا اصل مقصد تھا۔

"وہ۔۔۔وہ مُلک سے باہر۔۔"صفائی دینے کے چکر میں اُسکی زبان لڑکھڑا کر اُسکے الفاظ کو سَلب کر رہی تھی مگر اُسکو کچھ تو کہنا ہی تھا تا کہ ہمزاد کبھی بھی زمان تک نہ پہنچ سکے۔سجاول کے بُوکھلائے، گھبرائے لہجے پر حدید نے کسی قدر تعجب سے ہمزاد کو دیکھا کہ آخر وہ کون تھا جو سجاول کے قریب نہ ہو کر بھی اُسکی سب سے اہم اور سات پرُتوں میں چُھپی کمزوری کو بھانپ گیا جو فرید بن کر بھی وہ نہ جان سکا کیونکہ اُنکے سامنے آج تک کسی 'زمان' نامی شخص کا کبھی ذکر تک نہیں ہوا تھا۔ہمزاد کو جان لینے کا تجسس حدید قوسین کا بڑھتا جا رہا تھا۔آخر کون تھا یہ ہمزاد نامی شخص؟؟

"اچھھھا۔۔۔حرفی اِستفسار کو کھینچتے ہوئے وہ جیسے سجاول کے جواب سے بے حد محضوظ ہوا تھا، حدید محسوس کر سکتا تھا۔

"لیکن ہم تو اُسے یہاں آنے سے پہلے مِل کر آئے ہیں۔"مصنوعی حیرت سے کہتے ہوئے اُس نے سجاول کے سہی معنوں میں چھکے چُھڑا دیئے۔وہ یک دَم حدید کی مضبوط گرفت سے خود کو چُھڑوانے کو بے طرح مچلنے لگ گیا۔حدید نے اُسکو گردن سے جھٹکا دے کر ساکت کرنا چاہا لیکن حدید نہیں جانتا تھا 'زمان' سجاول کے لیئے کیا تھا سُو اِسی لیئے وہ پھر بھی حدید کے ہاتھوں سے نِکل نِکل جانے کو بے تاب تھا۔

"تم۔۔۔تم نے اگر اُسکو ہاتھ بھی لگایا۔۔۔"ابھی اُسکی لرزش سے بھرپور دھمکی مکمل بھی نہیں ہوئی تھی کہ ہمزاد ایک ہی جُست میں چلتا ہوا عین اُسکے رُوبرو آ کھڑا ہوا۔

"اُو ہو سجاول، یہ تم نے پہلے بتانا تھا نہ ہم نے تو اُسے بہت مارا ہے اب کیا کریں۔" تفکر اور خوف سے کہنے کی اداکاری کرتے ہوئے وہ حدید کو واقعی ہمزاد لگا۔اُسے اِیسے ہی ہونا چاہئے تھا۔اُسکی اِتنی دہشت کی وجہ حدید کو اُس لمحہ باخوبی ہو گئی تھی۔وہ لوگوں کی کمزوریوں سے بے حد محضوظ ہو کر کھیلنا جانتا تھا لیکن ہمزاد کے انداز پر حدید قہقہ لگائے بِنا نہیں رہ سکا۔سب کے ساتھ ہمزاد نے بھی تعجب سے اُسکو اِیسے بے فکری سے ہنستے دیکھا۔زاور کو تو اُسکے یوں ہنسنے پر اُسکی ذہنی حالت پر شُبہ سا ہوا کیونکہ حدید تو مِشن کے دوران بہت سنجیدہ اور پُروفیشنل رہا کرتا تھا تو پھر آج؟؟

"معذرت۔"ہمزاد کو یوں تعجب اور عجیب سی نظروں سے دیکھتے پا کر اُس نے مفاہمتی انداز میں ہاتھ اُٹھا کر کہا تو ہمزاد نے سَر جھٹک کر چہرہ پھیرتے ہوئے ہمدی کو آنکھ سے اِشارے کیا جو اِسی اِشارے کے اِنتظار میں تھا، تیزی سے اُس خلا سے باہر کو نِکل گیا۔سجاول کا سکتہ ٹوٹتے ہی مغالفات کا ایک نہ ختم ہونے والا سِلسلہ شروع ہو گیا تھا۔

"جسکا اِنتظار تھا وہ شہکار آ گیا۔"سجاول کے عین سامنے سے ہٹتے ہوئے اُس نے مدہم مُسکراتے لہجے میں کہا۔زاور اور حدید اُلجھن سے ہمدی کو کسی بے ہوش نوجوان کو گھسیٹتے ہوئے لاتا دیکھ رہے تھے اور سجاول وہ تو یوں ہو گیا مانو کاٹو تو بدن میں لہو ہی نہیں۔ہمزاد سیٹی بجاتا ہوا ہمدی کی جانب بڑھا جس نے ہمزاد کے آتے ہی اُس بندے کو چھوڑ دیا۔ہمزاد نے جُھک کر اُس شخص کا چہرہ تھپتھپا کر اُسکو

جائزہ لیا اور پھر یونہی جُھک کر ہی اُس نے پلٹ کر خوف سے پھیلتی آنکھوں سے دیکھتے سجاول اور اُلجھے سے کھڑے حدید کو دیکھا۔

"یہ تو ایک ہاتھ کی مار نِکلا۔ابھی تک ہوش میں نہیں آیا۔"گو کہ اُسکا لہجہ خود کلامی کا سا تھا لیکن حدید اب جیسے ہمزاد کی رگ رگ سے واقف ہوتا جا رہا تھا۔وہ سجاول کو سُنا رہا تھا اور سجاول یک دم ہوش کی دُنیا میں لوٹ آیا۔

"اگر۔۔۔اگر اِسکو ہاتھ بھی۔۔۔۔"سجاول کے ہکلاتے الفاظ ابھی اُسکے مُنہ میں ہی تھے کہ فضا زاوردار تھپڑ کی گونج سے لرز اُٹھی جو ہمزاد نے جُھک کر اُس بے ہوش پڑے شخص کے گال پر جڑا تھا اور نتیجہ حسبِ سابق نِکلا وہ شخص جسکا چہرہ ابھی حدید اور زاور سے مخفی تھا کراہتا ہوا تیزی سے اُٹھ بیٹھا تو ہمزاد اطمینان سے پیچھے کو ہوا اور اُسکے پیچھے ہوتے ہی حدید قوسین کو زورداز جھٹکا لگا اُس شخص کا چہرہ دیکھ کر جسکا نام 'زمان' تھا۔اُن ہی حیران نظروں سے حدید نے ہمزاد کو دیکھا کھُوجتی، گہری نگاہ سے مگر وہ آرام سے ہاتھ سینے پر باندھے زمان کو حقیقت کی دُنیا میں آتا دیکھ رہا تھا۔

حقیقیت کا اِدراک ہوتے ہی ہمزاد کو اپنے سَر پر یوں کھڑا دیکھ کر وہ جی جان سے لرز اُٹھا۔

"ت۔۔۔تتم،تم۔۔۔"بے ربطی سے کہتے ہوئے وہ پیچھے کو سَرکا اور بس اُسکی شکل دیکھ کر ہمزاد کا ضبط اِتنا ہی تھا۔تیر کی سی تیزی سے وہ آگے بڑھا اور ایک جھٹکے سے اُسکو کالر سے پکڑ کر کھینچتے ہوئے کھڑا کیا اور اِس سے پہلے کہ وہ سنبھلتا، اِردگرد نگاہ دُوڑاتا، سجاول اُسکو پُکارتا ہمزاد نے ایک زوردار مکّہ اُس شخص کی کنپٹی پر دے مارا۔وہ چیختا، بِلبلاتا ہوا پیچھے کو ہونے لگا مگر ہمزاد کی گرفت مضبوط تھی۔حدید بے یقینی سے یہ سب دیکھ رہا تھا۔زاور نے حدید کو حیرت سے دیکھا اور خود آگے بڑھا۔

"محترم! آپ اِیسے قانون کو ہاتھ میں نہیں لے سکتے۔" زاور کا کہنا، فضا میں لہراتا ہوا ہمزاد کا ہاتھ پل بھر کو ساکن کر گیا۔ ہمدی نے بھی چُبھتی نظروں سے اُس شخص کو دیکھا اور پھر ہمزاد نے ایک جھٹکے سے زمان کو چُھوڑ کر ہمدی کی جانب پھینکا جس نے بروقت اُسے پیچھے کالر سے پکڑا تھا۔ وہ تیز قدموں سے چلتا ہوا عین زاور کے رُوبرو آ کھڑا ہوا۔ زاور اور حدید محسوس کر سکتے تھے کہ اُسکی آنکھوں سے کیسے شعلے نِکل رہے تھے، بھسم کر دینے کو بے تاب شعلے،،

"ہمارے سامنے قانون کی بات کی دوبارہ تو زندہ زمین میں گاڑھ دیں گے۔ سمجھ آئی۔" وہ لہجا بے اِنتہا سپاٹ تھا۔ اُس دھواں دار سے گرم ہال کو اُسکا لہجہ برف کی مانند سَرد کر گیا تھا۔ ایک کٹیلی نِگاہ خود کو بغور دیکھتے حدید پہ ڈال کر وہ پلٹ کر دوبارہ زمان کی جانب بڑھنے لگا اور سجاول کو لگا اُسکا دِل پھٹ جائے گا۔ زمان کے قریب آ کر اُسکو گریبان سے پکڑتے ہوئے یک دَم وہ اُسے گھسیٹ کر باہر لے جانے لگا۔ سجاول کی رُوح فنا ہونے لگی تھی وہ منظر دیکھ کر اور وہ ہر ممکن طرح سے خود کو آزاد کروا دینے کی کوشش میں ہلکان ہونے لگا تھا۔ حدید نے چہرہ پھیر کر زاور کو دیکھا اور پھر آنکھ کے اِشارے سے سجاول کو قابو کرنے کو کہا تو زاور تیزی سے آگے بڑھا۔ حدید کے دیکھتے ہی وہ اُس خلا سے زمان کو گھسیٹتا ہوا باہر لے جا رہا تھا اپنے ساتھی کے ہمراہ۔ زاور کو اپنے پیچھے آنے کا اِشارہ دیتے ہوئے وہ بھی تیزی سے باہر کی سِمت لپکا۔

راہداری میں حدید نے دیکھا کہ وہ زمان کو بے دردی سے گھسیٹتا ہوا لے جا رہا تھا اور وہ چیخ پُکار اور ہر طرح کا زور لگا کر خود کو ہمزاد کے شکنجے سے نکالنے کی کوشش میں ہلکان ہو رہا تھا۔ دائیاں جانب مُڑتے ہوئے قدم آدم کھڑکیوں کی قطار کے پاس آ کر ہمزاد نے اُسے ایک جھٹکے سے چُھوڑا اور وہ

دھڑام سے زمین بوس ہوا۔ پیچھے پڑا گلدان اُسکے سَر کو زخمی کر کے زمین بوس ہو گیا مگر وہاں پرواہ کسے تھی۔ حدید تقریباً بھاگتا ہوا وہاں پہنچا اور پھر حدید نے پلٹ کر پیچھے دیکھا جہاں زاور سجاول کو لانے کی کوشش میں تھا اور سجاول ہر ممکن حربے سے خود کو آزاد کروانا چاہ رہا تھا۔ حدید کے دیکھتے ہی ہمزاد نے آگے بڑھ کر زمان کو اُسکے زخمی سر والے حصے سے پکڑ کر کھینچا۔ درد سے کراہ کر اُس نے سجاول کے دِل کی دُنیا تہہ و بالا کر دی تھی۔

بالوں سے زخمی جگہ سے کھینچے جانے کی اذیت بہت زیادہ تھی۔ زمان کی جانب قدرے جُھک کر اُس نے اُن خوفزدہ آنکھوں کو بہت محضوظ ہو کر دیکھا اور پھر چہرہ اُٹھا کر حدید کو جو ہمزاد کے دیکھتے ہی تھم گیا تھا۔ گو کہ وہ اُسکی آنکھیں نہیں دیکھ پایا لیکن ناجانے کیوں حدید کا دِل بے طرح دُکھا تھا ہمزاد کا جارہانہ انداز اور یہ سب دیکھ کر۔ ٹھیک ہے وہ خود یہی سب کر رہا تھا اِنتقام کے لیئے، اپنے مُلک کے لیئے لیکن ہمزاد وہ دِل کو دُکھا کیوں رہا تھا؟؟ دِل اُسکے انداز کو دیکھ کر بُوجھل کیوں ہو رہا تھا۔ اِس سے پہلے کہ حدید آگے بڑھتا زمان نے ہاتھ میں تھاما کانچ پوری قوت سے ہمزاد کے شانے پر گھونپ دیا۔ ہمدی تیر کی سی تیزی سے آگے بڑھا اور حدید وہ نہیں جانتا تھا کیوں لیکن پھٹتے دِل کے ساتھ اُس نے آگے بڑھ کر زمان کے مُنہ پر مُکہ رسید کر کے اُسکو حقیقتاً تارے دیکھا دیئے تھے۔ ہمزاد نے حیرت سے حدید کو دیکھا جو زمان کو چھوڑ کر اُسکی جانب تفکر اور پریشانی سے بڑھا تھا۔

"تم ٹھیک ہو؟" اِس سے پہلے کہ یہ ہمدی پُوچھتا، حدید نہیں جانتا اُس نے کیوں اِتنی بے چینی سے پُوچھا تھا۔ سجاول نے یہ سب دیکھ کر خود کو چھڑوانے کی بہت کوشش کی لیکن حیران سے زاور نے اُسکی کوشش پھر بھی ناکام بنا دی۔ بغیر حدید کی بات کا جواب دیئے اُس نے اپنے کندھے پر کُھبے کانچ

کو گردن ترچھی کر کے دیکھا اور پھر ایک جھٹکے سے اُسے نکال کر پھینک دیا۔حدید نے ہمدی کو دیکھا جسکا اطمینان حدید کو زہر لگ رہا تھا۔ہمزاد نے اُس سوال کا جواب دینا شاید ضروری نہیں سمجھا تھا۔ زمان کی جانب بڑھتے ہوئے اُس نے ہمدی کی جانب دیکھ کر اُسکو نگاہوں سے تسلی دی جسے سمجھ کر ہمدی نے سر ہلا کر زمان اُسکے حوالے کر دیا۔قدم آدم کھڑکی کے شیشے کو کھُولنے کی ضرورت ہمزاد نے محسوس نہیں کی بلکہ ہاتھ کا مُکہ بنا کر دے مارا اور وہ سارا شیشہ چھناکے کی آواز سے ٹوٹ گیا۔ زمان کو گردن سے پکڑ کر وہ کھڑکی کے قریب لایا اور خود چُوکھٹ کا سہارا لے کر کھڑا ہوا گیا۔حدید بے یقینی سے یہ سب دیکھ رہا تھا۔اگر ہمزاد کو سب ظالم کہتے تھے تو کچھ غلط نہیں تھا۔۔لیکن وہ کیوں تھا اِیسا سِفاک؟؟

حدید کی سُوچوں کو زمان اور سجاول کی بے طرح چیخوں نے رُوک دیا۔وہ تاسف سے کھڑا ہمزاد کو دیکھ رہا تھا جس نے زمان کو کھڑکی سے معلق کر کے گردن سے پکڑا ہوا تھا۔زمان کا چہرہ نیچے کی گہرائی کی جانب تھا اِس لیئے وہ پورا حلق پھاڑ کر چیخ رہا تھا۔ہمزاد نے جھٹکا دے کر اُسکا رُخ اپنی سِمت کیا اور مدہم سا کچھ کہا تھا اُس نے، حدید دیکھ سکتا تھا جسے سُنتے ہی زمان کا چہرہ بالکل برف کی مانند سفید پڑ گیا۔اِس سے پہلے کہ حدید آگے بڑھتا۔ہمزاد نے سجاول کی جانب دیکھتے ہوئے اپنی دو اُنگلیاں ماتھے کے آگے لہرائیں اور زمان کو تھاما اپنا ہاتھ پیچھے کھینچ لیا۔زاور اور حدید حیرت سے ساکن ہو کر زمان کو اُس حویلی کی تیسری منزل سے گرتے دیکھ رہے تھے اور جب حدید کا سکتہ ٹوٹا وہ ہمدی کو دھکا دے کر تیزی سے آگے آیا اور کھڑکی سے نیچے جھانکا جہاں زمان پُشت کے بل زمیں پر گرا تھا۔نگاہوں کا زاویہ بدل کر اُس نے بے یقینی سے ہمزاد کو دیکھا جس نے اِشارے سے حدید کو دوبارہ نیچے دیکھنے کو

کہا، چند پل حدید اُس شخص کو دیکھے گیا جو اُسے عجیب سے اِحساسات سے دوچار کرتا تھا، حدید کو اِیسا لگا جیسے وہ مُسکرایا ہو تمسخر سے۔ سَر جھٹک کر حدید نے دوبارہ نیچے دیکھا اور لمحے بھر کو وہ ساکت ہو گیا وہاں اب دو ہٹے کٹے شیر گھُوتے ہوئے بے حد اطمینان سے بے سُدھ پڑے زمان کی جانب بڑھ رہے تھے۔ حدید نے پلٹ کر ہمزاد کو دیکھا جس نے اِطمینان سے کندھے اچکائے۔ سجاول حیران سے کھڑے زاور کو دھکا دے کر تیر کی سی تیزی سے آیا اور دوسری قد آدم کھڑکی سے نیچے جھانکا، زمان کی حالت اور اُن شیروں کو دیکھ کر سجاول کا دِل اُچھل کر حلق میں آ گیا۔ گھُومتے دماغ اور لرزتے دل کے ساتھ تیزی سے ہمزاد کی جانب بڑھا جو سینے پر ہاتھ لپیٹے محظوظ ہو کر سجاول اور زمان کی حالت دیکھ رہا تھا۔ سجاول نے ہاتھ میں چُھپائے ہوئے خنجر سے ہمزاد پر وار کرنا چاہا جو کہ اُسکی جانب سے غافل ہرگز نہیں تھا۔ حدید نے زاور کی آواز پر پلٹ کر پیچھے دیکھا اور اِس سے پہلے کہ وہ خود آگے بڑھتا ہمزاد نے اُسکا خنجر والا ہاتھ تھام کر مڑورتے ہوئے جھٹکا، درد سے کراہتے سجاول کے ہاتھ سے خنجر نیچے جا گرا۔ ہمزاد نے اپنے جوگرز کی نوک اُسکے گھُٹنے پہ مار دی، درد سے بِلبلاتا ہوا سجاول گھُٹنوں کے بل زمین پہ آ گرا۔ حدید ساکن ہو جاتے دِل سے ہمزاد کو دیکھ رہا تھا۔ یہ انداز تو کسی اور کا بھی تھا نہ؟؟ نہیں، اِیسا کیسے؟ یہ محض اِتفاق یا حدید قوسین کا گُمان تھا لیکن ہمزاد نے جُھک کر سجاول کے بالوں کو مُٹھی میں لے کر اُسکا چہرہ اُونچا کیا تو حدید لمحہ بھر کو ساکن سا رہ گیا۔

"یہ وہی شیر ہیں نہ سجاول، جنہیں تم روز بھوکا رکھتے تھے اور اِن کے آگے محض ایک چھُوٹی سے غلطی کرنے والے مُلازم کو ڈال دیتے تھے؟" وہ سوالیہ انداز میں پُوچھ رہا تھا لیکن سجاول جانتا تھا وہ سوال ہرگز نہیں تھا۔ زاور تیزی سے آگے آیا اور سجاول کو اُسکی گرفت سے چھُڑانا چاہا لیکن حدید نے

اُسکے آگے ہاتھ پھیلا کر اُسکو اِیسا کرنے سے رُوک دیا۔زاور نے اُلجھ کر حدید کو دیکھا جو بالکل ساکن سا ہمزاد کو دیکھ رہا تھا گہری نظروں سے۔کسی کی گہری نظریں محسوس کر کے ہمزاد نے چہرہ پھیر کر شَل سے کھڑے حدید کو دیکھا۔اُسکے چہرے کی بے یقینی اور عجیب سے تاثرات نے لمحے بھر کے لیئے ہمزاد کو ٹھٹھکا دیا لیکن پھر اُس نے سجاول کو ہمدی کی جانب دھکا دیتے ہوئے نیچے جھک کر دیکھا جہاں شیر زمان کی سِمت بڑھ رہے تھے۔

"فکر نہ کرو یہ بُھوکے شیر ضرور ہیں لیکن مالک کی حکم عدولی کرنے والے نہیں ہیں۔"حدید کی بے یقنی کو دیکھ کر اُس نے رازدارانہ لہجے میں کہا۔زاور تو حیرت سے خاموش کھڑے حدید کو دیکھ رہا تھا جسکی آنکھیں ہمزاد سے ہٹنے کا نام ہی نہیں لے رہی تھیں۔اُسکے چہرے کو دیکھتے ہی ہمزاد نے کوئی خاص سیٹی بجائی اور نیچے موجود شیر اِیسے ٹھٹھک کر ٹھہر گئے جیسے اُنکی چابی کسی نے نکال دی ہو۔زاور کی حیرت بھری 'اُو' پر حدید نے سَر جھٹک کر نیچے ساکت ہوتے شیروں کو دیکھا جو سَر اُٹھا کر اپنے مالک کو دیکھ رہے تھے۔اُنکی نظروں کے تعاقب میں سجاول، حدید اور زاور نے نگاہ کی، شیر ہمزاد کو دیکھ رہے تھے۔اُسکے حکم کے پابند معلوم ہو رہے تھے۔کھڑکی سے واپس پیچھے کی جانب نیچے اُترتے ہوئے اُس نے ہمدی کو اِشارہ کیا تو ہمدی نے سجاول کی گردن دبوچ کر اُسکو بھی کھڑکی کے پاس لا کر چُھوڑ دیا۔لیکن وہ دیوار کا سہارا لیئے اِیسے ہی ہوا میں معلق رہا۔زاور نے دانت پیس کر ہمدی کو دیکھا اور تیزی سے سجاول کو کھینچ کر واپس اپنی جانب کیا۔جاتے ہوئے ہمدی نے پلٹ کر سجاول کو دیکھا اور پھر وہ دُور سے بھاگتا ہوا آیا اور سجاول کے چہرے پر لگاتار پے درپے مکے مار کر زاور کو سنبھلنے کا موقع دیئے بغیر ہمزاد سے پہلے نکلتا چلا گیا۔

ہمزاد نے پلٹ کر ساکن سے کھڑے اپنی جانب دیکھتے حدید کو دیکھ کر محظوظ ہو کر سیٹی بجائی اور سجاول اُس سیٹی کو سُنتے ہی زاور کو دھکا دے کر کھڑکی سے نیچے کو کود گیا۔زاور نے ہڑبڑا کر نیچے دیکھا جہاں کراہتا ہوا سجاول، زخموں سے چُور زمان کی جانب خود کو گھسیٹ رہا تھا لیکن وہ شیر۔۔۔زاور نے سہی معنوں میں ضبط سے اُس سنّکی ہمزاد کو دیکھا کیونکہ وہ شیر اُس سیٹی کو سُن کر مُخالف سمت میں بنے اپنے پنجروں میں چلے گئے تھے۔

"وہ دونوں زندہ ہیں ابھی، چاہو تو ہاسپٹل لے جاؤ۔"زاور کو دیکھ کر تمسخرانہ لہجے میں کہہ کر وہ بھی منظر سے غائب ہوتا چلا گیا۔اُسکے جاتے ہی زاور نیچے کو جاتی سیڑھیوں کی سِمت بھاگا لیکن حدید وہ کتنے ہی لمحے وہاں تیز ہوتی دھڑکنوں کے ساتھ بے یقینی اور نظر کے فریب میں اُلجھا کھڑا رہ گیا۔

------@------@-------@--------@------@-----

ہسپٹل کی پارکنگ لاٹ میں جیپ کھڑی کرتے ہوئے اُس نے اِرد گرد نگاہ دُوڑائی۔آج موسم بے حد دل فریب تھا لیکن حدید قوسین کا دِل کل سے بے حد بوجھل اور پریشان سا۔گہرا سانس لے کر اُس نے کلائی پر بندھی گھڑی پہ ٹائم دیکھا اِس بات سے اَنجان کے کسی کی شدید حیران اور ششدر آنکھوں نے اُسکا بہت دُور تک پیچھا کیا۔آج وہ آف ڈیوٹی تھا سو وہ سفید قمیض شلوار پر سیاہ چادر اُوڑھے ہوئے نہ جانے کتنوں کو چہرہ پھیر کر دیکھنے پہ مجبور کر رہا تھا لیکن وہ سب کی نظروں سے انجان اپنی ہی سُوچوں میں اُلجھا ہوا اندر کی سِمت بڑھ رہا تھا۔مُضطربانہ انداز میں بالوں کو پیچھے کرتے ہوئے وہ کاونٹر پر پہنچا تو کاونٹر گرل اُسکو دیکھ کر پُرتپاک انداز میں مُسکرا دی۔

"ڈاکٹر اِمام ابھی ایمرجنسی میں ہیں۔"مُسکرا کر کہتے ہوئے اُس نے اپنے اِشتیاق سے حدید قوسین کو بھی مسکرانے پر مجبور کر دیا۔وہ سر ہلا کر پلٹنے لگا لیکن پھر ریسپشینٹ کی آواز پر ٹھہر گیا۔

"آپ کیا واقعی ڈاکٹر اِمام کے شوہر ہیں؟" اُسکے بچگانہ انداز پر حدید نے اپنی ہنسی بامُشکل ضبط کی۔لیکن چہرے کی سنجیدگی ابھی بھی ماند نہیں پڑی تھی۔

"جی میں ہی مَنّت کا شوہر ہوں۔"تصدیقی انداز میں کہہ کر وہ ہلکا سا مُسکرایا تو وہ لڑکی جھینپ گئی۔

حدید مُسکرا کر تیزی سے نیورو ڈیپارٹمنٹ کی جانب بڑھ گیا۔وہ جتنا بوجھل اور اُلجھا ہوا تھا اُس کاونٹر والی لڑکی کے پُوچھے جانے والے سوال نے اُسکے مُرجھاتے دِل کو پھول کی طرح کِھلا دیا۔یہ جانے بغیر کے کوئی اُسکے پیچھے ہی کاونٹر سے اُسکے بارے میں پُوچھنے کو جا رہا تھا۔

آپریشن تھیٹر سے نکلتی مَنّت سامنے دیوار سے ٹیک لگا کر کھڑے حدید کو دیکھ کر لمحہ بھر کو ٹھٹھکی اور پھر اُسکو نظرانداز کر کے آگے بڑھنے لگی۔حدید اُسکو یوں جاتے دیکھ کر بوجھل دِل سے اُسکے پیچھے ہو لیا۔

"بات سُنو مَنّت۔"اُس نے اِردگرد ڈاکٹرز کا رش دیکھ کر اُسکے عین عقب میں چلتے ہوئے مدھم آواز میں کہا لیکن وہ مَنّت ہی کیا جو آرام اور سیدھے طریقے سے سُن لے۔جُھنجھلا کر اُس نے کندھے پر ہاتھ رکھ کر اُسکو روکنا چاہا لیکن مَنّت کے مُنہ سے ٹھہرتے ہی سسکی سُن کر وہ دھک سے رہ گیا۔کیا حدید قوسین کا شک سہی تھا؟؟ کیا اُسکا دِل اِس لیئے اِتنا بےچین ہو جاتا تھا؟؟

"کیا ہوا ہے؟؟" تیزی سے اُسکے آگے آ کر کھڑے ہوتے ہوئے حدید نے بےچینی سے کہا۔اُسکو یوں سامنے دیکھ کر اُسکا دِل لمحے بھر کو تیزی سے دھڑک اُٹھا لیکن اُس نے نگاہ اُٹھا کر حدید کو دیکھنے کی

غلطی دوبارہ نہیں کی تھی۔اپنے دونوں بازؤں پر اُسکے مضبوط ہاتھوں کا گھیرا دیکھ کر لمحے بھر اُسکی ہمت متزلزل ہوئی لیکن پھر اُسکے دونوں بازوں نرمی سے ہٹا کر آگے بڑھی اور حدید کا ضبط اِتنا ہی تھا۔اُسکا ہاتھ تھام کر ایک جھٹکے سے اُس نے مَنّت کو اپنے عین رُوبرو کیا۔جو آنکھوں کو حیرت سے پھیلائے حدید کی جُراءت کو دیکھ کر رہ گئی تھی۔اُن چکمتی سیاہ حیران آنکھوں کو دیکھ کر حدید کو یوں لگا گویا وہ کسی تپتے صحرا سے، نخلستان میں آگیا ہو۔مَنّت کی آنکھیں، اُسکا ہونا حدید کے لیئے اِیسا ہی فرحت بخش اِحساس تھا۔

تُو نے سُوچا ہے کبھی رُوٹھ کے جانے والے

کیسے آنکھوں کے تیرے بعد گُزارے ہونگے۔۔۔

"تم ناراض ہو نہ مُجھ سے۔"بہت مدہم سے پُرفسوں لہجے میں کہہ کر اُس نے مَنّت کے دِل کو ایک بار پھر جھکڑ لیا تھا۔اب کی بار اُس نے فرصت سے خود سے مُٹھی بھر دور کھڑے شخص کو دیکھا جو دِل کا آج بھی مکین تھا۔لیکن دِل نے اُسکی جانب سے سب سے سخت چُوٹ کھائی تھی۔سردار ولّی خان کی برسی کل تھی اور اِیسے موقعے پر مَنّت کو وہ گزا ماضی خون رُلاتا تھا اب بھی اِیسا ہی ہوا اپنے باپ کا سَرد چہرہ ذہن میں آتے ہی اُس نے حدید کو دیکھا۔حدید جو اُسکو بغور دیکھ رہا تھا اُسکی آنکھوں کے بدلتے تاثر نے اُسکے دِل کی دھڑکن رُوک دی تھی۔

"میرا آپ سے کیا لینا دینا جو آپ سے ناراض ہوں۔"وہ یک دم اِتنے ٹھنڈے لہجے میں بولی کہ حدید کی گرفت اُسکے ہاتھوں پر ڈھلی پڑتی گئی۔آنکھوں میں کچھ ٹوٹ کر چبھا تھا حدید قوسین کے لیکن سُکھ میں مَنّت اِمام بھی نہیں تھی۔اُس ڈھیلی پرتی گرفت پر اُسکا دِل کُرلانے لگا اگر حدید نے اُسکو جھٹک

دیا؟؟ دھیرے سے مُسکراتے ہوئے حدید نے اُسکے ہاتھ کو مضبوطی سے تھام کر چہرے کے قریب کیا۔مَنّت سانس رُوکے حدید کو دیکھ رہی تھی جو اپنے ہونٹوں کا لمس اُسکے کانپتے ہاتھ پر چھوڑ کر دھمکتی نظروں سے اُسکے بے یقین سے گلاب ہوتے چہرے کو ورفتہ نظروں سے دیکھ رہا تھا۔دھک دھک کرتے دِل کے ساتھ وہ حیرات ذدہ تھی کہ کیا یہ واقعی وہی حدید تھا؟؟ ہوش میں آتے ہی مَنّت نے اُسکی مضبوط ہوتی گرفت سے اپنا ہاتھ چھُڑانا چاہا لیکن حدید کا اِیسا کوئی اِرادہ نہیں تھا۔اُسکی تنبیہی نظروں کو دیکھ کر حدید کے قہقے پر کتنے ہی لوگوں نے پلٹ کر اُن دونوں کو دیکھا۔اُن ہی نظروں میں، اُن لوگوں میں کوئی اور بھی تھا جو یہ سب دیکھ کر ششدر تھا، حیران اور جلتا ہوا۔

"حدید۔۔۔"مَنّت نے اِردگرد نگاہ دُوڑاتے ہوئے مدہم مگر تادیبی لہجے میں کہہ کر اپنا ہاتھ چھُڑانا چاہا۔

"پہلے میرے ساتھ چلو۔"اُسکی جانب قدرے جُھک کر مُسکراتے لہجے میں کہہ کر اُس نے بے بسی سے تکتی مَنّت کو دیکھا جو چہرہ اُٹھائے خفگی سے اپنی جانب جُھکے کھڑے شخص کو دیکھ رہی تھی اور پھر اُسکی ڈھٹائی کو دیکھتے ہوئے وہ پاؤں پٹخ کر آگے کو بڑھی۔حدید نے مُسکراتی نظروں سے اُسکا پھُولا چہرہ دیکھا اور پھر اپنا بازو دراز کر کے اُسکو شانے سے لگا لیا۔ٹھٹک کر مَنّت نے خود سے بے حد قریب اُن آنکھوں کو دیکھا جو ہمیشہ کی طرح اپنی کشش اور چمک سے نظر جُھکا دینے پر مجبور کرتی تھیں۔اُسکا قریب آنا دِل کو آج بھی ناگوار نہیں گُزرتا تھا، آخر کیوں؟ اُسکے ساتھ چلتے ہوئے مَنّت یوں ہی یک ٹک اُسکو دیکھتے ہوئے چلتی رہتی اگر حدید نہ کہتا۔

"ہاں میں آج بھی ہینڈسم ہوں۔"اُسکی دِلنشیں آنکھوں میں دیکھتے ہوئے وہ شرارتی لہجے میں گویا ہوا۔ مَنّت ساکن سی اُسکی چمکتی آنکھوں کے شرارتی تاثر کو دیکھتی رہی۔لمحے بھر کو وہ آٹھ سال کا خوفناک

عرصہ بیچ میں سے بھک سے اُڑ گیا لیکن یہ کیفیت پل بھر کی تھی۔اُسکے نگاہ پھیرتے ہی حدید اُسکو کتنے ہی پل دیکھتا رہا جو لمحوں میں خود سے قریب ہو کر بھی دُور لگنے لگی تھی۔

"کیا تم مجھے کچھ دیر کے لیئے مکمل سُنو گی؟" اُسکے ساتھ چلتے ہوئے حدید نے اُسکی سماعتوں میں مدھم سی سرگوشی کی۔کان کی جلتی لوّ پر ہاتھ رکھتے ہوئے اُس نے چہرہ پھیر کر حدید کو دیکھا جو منتظر تھا بھرپور توجہ سے اُسکی ہی جانب دیکھتے ہوئے اور لمحہ لگا تھا ڈاکٹر مَنّت اِمام کو اپنے خول میں سِمٹتے۔ نظروں کا زاویہ بدل کر اُس نے قریب آتے اپنے آفس کو دیکھا۔

"آج میرے بھائی کا نِکاح ہے۔مُجھے گھر جانا ہے ابھی۔"اُسکے عام سے سَرسَری لہجے پر حدید کی گرفت اُسکے کندھے پر ڈھیلی پڑی اور پھر اُس نے اپنا بازو اُسکے شانے سے ہٹا کر اُسکو نادیدہ بُوجھ سے آزاد کر دیا۔مَنّت نے اُسکے بُجھتے چہرے کو دیکھ کر تیزی سے نِگاہ چُرا لی۔

"کیا کل اِیسا ممکن ہے؟" وہ پھر بھی پُراُمید سا سراپا اِنتظار تھا۔وہ کیوں اِیسا تھا؟ دھڑکن رُوک دینے والا۔۔۔

"کل میرے باپ کی برسی ہے۔"اُسکے اِن چند جملوں نے لمحہ بھر کے لیئے حدید قوسین کو ساکن کر دیا۔خالی ہوتے دِل کے ساتھ وہ مَنّت کا سَپاٹ چہرے کتنے ہی لمحے خاموشی سے دیکھتا رہا۔اُس طویل ہوتی خاموشی پر مَنّت نے نگاہیں اُٹھا کر اُسکے بےیقین اور ششدر سے تاثرات کو دیکھا۔

"اِنا للہ واِنا اِلہ راجعون۔"اُس نے سَر جُھکا کر مدہم سا کہا۔ضبط سے سُرخ ہوتی آنکھوں سے مَنّت نے اُسکے جُھکتے سَر کو دیکھا اور اُسکا ضبط اِتنا ہی تھا۔تیزی سے پلٹ کر وہ اِس منظر سے نکل جانا چاہتی تھی لیکن حدید نے آگے کو ہو کر اُسکی کلائی پر گرفت مضبوط کر لی۔ایک جھٹکے سے وہ واپس پلٹی اور اُسکی

سُرخ تیزی سے بھیگتی آنکھوں کو دیکھ کر حدید کے دِل نے کروٹ بدلی۔ بِنا سُوچے سمجھے اُس نے مَنّت کو کندھے سے تھام کر خود سے لگا لیا۔ لمحے بھر کو کائنات کی ہر حرکت تمام ہوتے محسوس ہوئی تھی۔ ہق دق، ششدر سی مَنّت بھیگتی آنکھوں سے بالکل ساکن سی اُسکے شانے پہ سَر ٹِکائے کھڑی رہی۔ اپنے سَر پر اُسکا تھپکتا ہاتھ محسوس کر کے اُسے نہیں معلوم کہ کیسے لیکن اُسکی آنکھوں سے کتنے ہی آنسو نِکل کر حدید کے شانوں پہ جذب ہونے لگے۔ اُسکی سفید قمیض کا شانہ اُن قیمتی آنسوں سے بھیگنے لگا لیکن اُنکو حدید اپنے دِل پہ گرتا محسوس کر سکتا تھا۔ یہ وہی آنسو تھے جنہیں وہ کبھی مَنّت کی آنکھوں میں سُوگواری بن کر نہیں دیکھنا چاہتا تھا۔ یوں بھرے پڑے کوریڈور میں مَنّت زندگی میں پہلی بار آنسو بہا رہی تھی بِنا لوگوں کی پرواہ کیئے۔ وہ جو خود کو بے حد مضبوط تصور کرتی آئی تھی حدید کے شانے سے لگتے ہی اندر تک ڈھے گئی۔ سالوں سے برف ہو چکا دِل رفتہ رفتہ اُس خوشبو، اُس شانے کا سہارے پاتے ہی پگھلنے لگا تھا۔

بَرف کی سِل بھی تو حدت سے پگھل جاتی ہے

کیوں نہ اُس شخص کو سینے سے لگایا جائے۔۔۔

اپنے سٹاف کے ساتھ راؤنڈ سے لوٹتے ڈاکٹر مُصطفیٰ نے بُجھتے دِل کے ساتھ یہ منظر دیکھا اور پھر نگاہوں کا زاویہ بدل کر اپنے آفس کی جانب بڑھ گیا جبکہ پیچھے موجود باقی ڈاکٹر حیران سے ڈاکٹر مَنّت کو یوں آنسو بہاتے دیکھ رہے تھے۔ لوگوں کی نظریں محسوس کر کے وہ تیزی سے پیچھے ہوئی۔ بھیگتی جُھکی پلکوں کے ساتھ وہ نگاہ اُٹھانے کی ہمت نہیں لا سکی تھی خود میں اور حدید وہ کتنے ہی لمحے اُس ملکوتی طلسم میں جھکڑتے چہرے پر اُن بھیگی پلکوں کو لرزتے دیکھتا رہا اور پھر اُس نے بامُشکل نظر اُٹھا

کر حدید کو دیکھا اور اُن آنسوؤں سے چمکتی آنکھوں کو دیکھ کر حدید کا دِل محو رقص ہونے لگا۔وہ آج بھی کیوں اِتنی دِلنشیں اور دِلکش تھی؟؟ اُسکی آنکھیں کیوں دِل کو نئے سِرے سے زندہ کر کے مُحبت سے معمور کر دینے کے فن سے آج بھی آشناء تھیں؟؟ اُس چہرے، اُن آنکھوں کو دیکھ کر دِل اِختیار سے باہر ہو جانے کی ضد آج بھی اُسی مان سے کیوں کرتا تھا؟؟

ویسا ہے آج تک بھی تیرا حُسنِ بے اَماں

ورنہ کہیں بھی ایک سا موسم نہیں رہا۔۔۔

"حُرمت سچ کہتی تھی۔"اُسکی ورفتہ، دھمکتی آں کھوں کو دیکھ کر نظر چُراتے ہوئے اُسکی سماعتیں حدید کی کھُوئی ہوئی آواز سے بہرہ مند ہوئیں تو حُرمت کا نام سُنتے ہی اُس نے تیزی سے حدید کی آنکھوں میں دیکھا جہاں کچھ چمک رہا تھا اور وہ آنسو تھے یہ جان کر مَنّت اِمام کا دِل پوری قوت سے لرز کر رہ گیا۔حدید کی آنکھ میں آنسو؟؟ ناممکن۔۔۔؟؟ آخر کیوں؟؟؟؟ مَنّت کی سوالیہ، پُرتجسس اور اُلجھی ہوئی آنکھوں کو دیکھ کر اُس نے پلکیں جھپک کر جیسے بہت سے آں سو اندا اُتارے تھے مَنّت محسوس کر سکتی تھی۔

" وہ کہتی تھی کہ تم نے میرے گِرد کوئی جادو، کوئی طلسم باندھ رکھا ہے جسکے اثر سے میں کبھی نہیں نکلتا اور آج مُجھے تسلیم کرنا پڑ رہا ہے کہ حُرمت سچ کہتی تھی۔"سرگوشی سے مشبہ لہجے میں کہہ کر اُس نے مَنّت کے تیزی سے دھڑکتے دِل کے گرد جیسے کوئی فسوں کھینچ دیا تھا۔سٹپٹاتے ہوئے وہ تیزی سے لڑکھڑا کر دو قدم پیچھے ہوئی اور اُسکی اِس قدر بوکھلاہٹ پر حدید کے چہرے کو بڑی سُوگوار، دِل شِکن سی مُسکراہٹ چھُو گئی۔

"میں تمہیں گھر چھوڑ آتا ہوں۔" حدید کی مدہم اِستدعا پر مَنّت نے گلابی پڑتا چہرہ اُٹھا کر حدید کو دیکھا اور بس اُن آنکھوں کی چمکتی روشنی کو اب بُجھا دینے کی مَنّت میں ہمت نہیں رہی تھی۔ نظروں کا زاویہ بدل کر اُس نے آہستگی سے سَر اثبات میں ہلا کر جیسے حدید کے وجود میں نئی زندگی پھونک دی تھی۔ فرطِ جذبات سے اُسکا ہاتھ تھام کر وہ باہر کی جانب چل دیا اور مَنّت بغیر کسی مذمت کے اُس مضبوط ہاتھ کی گرفت میں اپنا ہاتھ دیکھ کر ناجانے کتنے زمانوں بعد دِل کو کسی آہنی زنجیروں سے آزاد محسوس کرتے ہوئے اُسکے ہمراہ ہو لی تھی۔ دونوں نے ایک دوسرے سے کچھ کہا، سُنا ابھی نہیں تھا کہ دِل میں اِتنی وسعت، مُحبت اور اہمیت نِکل آئی تھی۔ خوش نصیبی بالاخر اُن دونوں کو ایک ساتھ جاتا دیکھ کر کُھل کر مُسکرائی تھی اور کسی دھڑا دھڑ جلتے وجود کے پاس سے تیزی سے گزرتی چلی گئی۔

-------@-------@-------@-------@------@------

آج ہمدی کا نِکاح تھا اور اُسکو اِیسا محسوس ہو رہا تھا گویا اُسکا دِل اِس گھٹن سے بند ہو جائے گا۔ وہ کیسے اُسکی جگہ کسی اور کو دینے کا سُوچ بھی سکتا تھا؟؟ وہ تو آج بھی دھڑکنوں میں، خوابوں، خیالوں یہاں تک کہ ہمدی میں بہت دُور تک تھی تو کیسے اُس نے بابا جان کو مثبت جواب دے دیا؟؟ ماتھے پر دَر آنے والے بالوں کو اُس نے ایک جھٹکے سے پیچھے کیا۔ اب اُسکا چہرہ واضح تھا جہاں شدید اذیت کے تاثرات دیکھے جا سکتے تھے۔ لیکن کیا وہ اِس نِکاح سے اِنکار کی ہمت رکھتا تھا اپنے اندر، ہرگز نہیں۔۔۔ آخر کیوں؟؟ جو جذبہ محض اُسکے لیئے خالص تھا وہ اپنے دِل میں حریم کی موجودگی میں کیسے محسوس کر سکتا تھا؟؟ سَر جھٹک کر وہ آئینے کے آگے جا کھڑا ہوا۔ ہمیشہ کی طرح وہ آج بھی سیاہ قمیض شلوار میں ملبوس تھا۔ کندھوں تک آتے سیاہ گھنے بالوں نے اُسکا ایک جانب سے جلا ہوا چہرہ کسی حد

تک چُھپایا ہوا تھا۔وہ کیسے اپنے اِس جلے ہوئے چہرے کے ساتھ کسی اور کو خوش رکھ سکتا تھا؟؟ دستک کی آواز پر اُس نے پلٹ کر پیچھے دیکھا اور دروازے میں یاور صاحب کو دیکھ کر لمحے بھر میں اُسکے تاثرات نرم سی مُسکراہٹ میں ڈھل گئے۔یاور صاحب نے آہستہ قدموں سے ہمدی کی جانب بڑھتے ہوئے اُسکے شانوں پر پُرشفقت ہاتھ رکھ کر اُنہوں نے اُسکے ماتھے کو پیار سے بوسہ دیا۔آنکھیں بند کرتے ہمدی کی رُوح دُور دُور تک اُس مہربان لمس پر شاد ہوتی گئی۔

"میں نے اپنے باپ کو چھوٹی عمر میں ہی کھو دیا تھا لیکن شاید وہ زندہ ہوتے تو بالکل آپکا عکس ہوتے۔"مدہم آواز میں کہتے ہوئے ہمدی نے عقیدت سے اُنکا ہاتھ تھام کر اُس پر بوسہ دیا۔اُسکے جُھکے سَر پر مُسکراتے ہوئے ہاتھ پھیر کر جیسے وہ آج بے حد، بے حساب خوش تھے۔

"بیٹا میری حریم تمہیں کبھی مایوس نہیں کرے گی لیکن تمہیں مَنّت نے بتایا ہے نہ کہ حریم دیکھ نہیں سکتی۔ایک حادثے میں اُس نے اپنی آنکھیں کھو دیں تھیں نفسیاتی مسئلے کے باعث" اُنہوں نے آہستگی سے کہا تو لمحے بھر کو ہمدی کا دِل سُکڑ کر پھیلا اُنکے لہجے کی اُداسی اور اذیت محسوس کر کے۔اُنکے شانے کو مضوطی سے تھام کر اُس نے یاور صاحب کو خود کی جانب متوجہ کر کے نرمی سے مُسکرا کر اثبات میں سَر ہلایا۔

"یہ قدرت کے کام ہوتے ہیں باباجان۔میرا چہرہ، میرے ہاتھ بھی تو مسخ زدہ ہیں۔شاید اِس میں بھی اللہ کی کوئی مصلحت ہو گی۔"اُنکا حوصلہ بڑھاتے ہوئے اُس نے شریر لہجے میں کہا تو یاور صاحب نے چہرہ اُٹھا کر اُس حسین مَرد کو دیکھا جسکا چہرہ بائیں جانب سے جُھلسا ہوا تھا لیکن کچھ اِیسے جیسے ہلال کا

چاند ہو۔ وہ اُسے کبھی یہ کہہ نہیں پائے کہ وہ اِس جُھلسے چہرے کے ساتھ دھڑکن رُوک دینے کا ہنر رکھتا تھا۔

------@--------@--------@--------@--------@-----

"یہ تو یاور انکل کا گھر ہے، نہیں؟" مَنّت کے بتائے گئے ایڈرس پر جیپ رُوکتے ہوئے اُس نے تعجب سے کہا تو مَنّت نے ٹھٹھک کر حدید کو دیکھا۔ ہاسپٹل سے یہاں تک کے راستے کے دوران اُن دونوں کے بیچ ایک فُسوں خیز، سانس رُوک دیتی خاموشی کا راج رہا تھا اور اب اِس خاموشی کو حدید کی حیرت نے ہی توڑا۔

"آپ بابا جان کو جانتے ہیں؟" سیٹ بلٹ سے طبع آزمائی کرتے ہوئے اُس نے تعجب سے کہا تو اُسکے 'بابا جان' کہنے پر حدید نے اُلجھ کر اُسکو دیکھا جو سیٹ بلٹ کی جانب متوجہ تھی۔

"ہاں، بابا کے بہت بیسٹ فرینڈ اور کلاس میٹ ہیں۔" اُسکے کہے جانے پر مَنّت نے سَر اُٹھا کر اُسکو دیکھا اور اِس سے پہلے کہ وہ کچھ پُوچھتی حدید کو اپنی جانب یوں جُھک آتے دیکھ کر وہ جہاں کی تہاں رہ گئی۔ اِس اچانک کی قربت پر اُس نے آنکھیں تیزی سے مُوند لیں۔ سیٹ بیلٹ کُھول کر پیچھے ہوتے حدید نے چہرہ پھیر کر مَنّت کو دیکھا اور اُسکو یوں آنکھیں میچے دیکھ کر اُسکے چہرے کو بھلی سی مُسکراہٹ چُھو گئی۔ کتنے ہی پل وہ اُن دل کو سحر میں جکڑتے مَلکوتی نقوش کو دیکھتا رہا۔ خاموشی محسوس کر کے مَنّت نے آہستگی سے آنکھیں کُھولیں لیکن حدید کو یونہی جُھک کر اپنی جانب متوجہ پا کر اُسکی آنکھیں تیزی سے پھیلیں۔ چہرہ مزید اُسکے سُرخ پڑتے چہرے کے قریب لا کر حدید نے اُسکے حیران چہرے پر پُھونک مار دی۔ اُسکو یک دَم چہرہ پیچھے کرتے دیکھ کر وہ ہنستا ہوا واپس اپنی سیٹ پر ہو گیا۔

بغیر کچھ کہے وہ تیزی سے جیپ کا دروازہ کھول کر نیچے اُتری۔اُسکی پھرتیاں حدید کے دِل کے بے ساختہ تار چھیڑ گئیں تھیں۔ہونٹوں کو دبا کر بامُشکل مُسکراہٹ روک کر اُس نے اپنی جانب کا شیشہ نیچے کیا۔لمحے بھر کو وہ اُسے یوں قدم بہ قدم دُور جاتا دیکھتا رہا اور پھر۔۔۔

"مَنّت۔۔۔"اُسکی یک دَم قدرے اُونچی پُکار پر وہ بے ساختہ ساکن ہوئی اور پھر دَھک دَھک کرتے دِل کے ساتھ پلٹی۔آج کا دِل یقیناً حدید اور مَنّت کے لیئے بے حد بےیقینیاں لے کر آیا تھا۔بھیگتی آنکھوں سے وہ کچھ دُور مُسکراتے چہرے کو دیکھتی رہی۔وہی چہرہ جو ایک ہی دن میں پھر سے قریب آ گیا تھا۔جو ہمیشہ سے فاصلے مِٹا دینے کا ہنر جانتا تھا۔۔۔جو کبھی دُور ہو کر بھی دُور جانے کو آمادہ نہیں ہوتا تھا۔وہی جسکا نام "سید حدید قوسین" تھا۔

ذہن تک تسلیم کر لیتا ہے اُسکی برتری

آنکھ تک تصدیق کر دیتی ہے بندہ ٹھیک ہے۔۔۔

-----@-------@-------@--------@-------@-------

کھڑکی کے پاس بے چینی سے ٹہلتی حریم بابا جان کے آنے کی مُنتظر تھی کہ اُنھیں اِنکار کر دے لیکن کیا یوں عین وقت پہ اِنکار کرنا مُناسب تھا؟ نہیں۔۔۔سُوچنے کے ساتھ ٹہل ٹہل کر اُسکی ٹانگیں شل ہو گئیں مگر وہ بیٹھ جانے کو آمادہ نظر نہیں آ رہی تھی۔نہ جانے دِل اِتنا کیوں گھبرا رہا تھا؟؟ یک دَم جیپ رُکنے کی آواز پر قد آدم کھڑکی کی جانب آئی اور مَنّت کی آمد کو محسوس کر کے اُسکے چہرے پر ناجانے کیوں مگر رونق دَر آئی حالانکہ اُسکی آج تک مَنّت سے کبھی کوئی بات نہیں ہوئی نہ ہی کبھی دیکھا تھا پھر بھی اِس سُوچ سے کہ وہ مَنّت ہی ہو گی نے اُسکو ایک گونہ تسلی کا فرحت بخش اِحساس

ضرور دیا تھا۔وہیں کھڑے کھڑے اُس نے دوپٹے کا پلّو آگے کو کر کے اپنا چہرہ ڈھانپ لیا۔وہ کوئی پردہ دار قِسم کی لڑکی نہیں تھی بس گھر سے نکلتے وقت چادر اچھی طرح اُوڑھ لیا کرتی لیکن جب سے کچھ بدمعاش لوگ اور وہ جاں گُسل واقعہ ہوا تھا وہ ہمیشہ کسی خوف کے اَنجانے احساس کے تحت نقاب اُوڑھا کرتی تھی یہاں تک کہ جب گھر میں بھی کوئی آتا۔

سَر جھٹک کر وہ واپس بستر کی جانب پلٹنے لگی لیکن اُس کھڑکی سے اندر آتی پُکار پر اُسکے قدم یک لخت ساکن ہو گئے۔اُس آواز میں نہ جانے اِیسا کیا تھا کہ اُسکا دِل بےساختہ بھر آیا۔ہاں وہ مَنّت ہی تھی آواز نے تصدیق کر دی تھی لیکن وہ آواز۔۔۔تحت الشعور نے اُس آواز کو دب چُکی یادوں میں غیر شعوری طور پر کھنگالنا چاہا اور وہ خود بھی یوں ہی ٹھٹھک کر کھڑی اُس آواز کو سمجھنے کی کوشش کر رہی تھی جس نے مَنّت کو پُکارا تھا لیکن اچانک سے سَر میں اُٹھتی ٹھیس اور آنکھوں میں تیز ہوتی جَلن پر اُس نے اپنا دُکھتا سَر تھاما اور تیزی سے بیڈ کی جانب آئی اور سائیڈ ٹیبل پر یوں بےربطی سے ہاتھ مارنے لگی۔اُسکی بُوکھلاہٹ اور سَرسمیگی کیفیت سے سب دوائیوں جو اُسکے لیئے یاور صاحب نے ایک خاص ترتیب سے رکھیں تھی اِدھر اُدھر بکھر کر نیچے گِر گئیں۔دُکھتے سَر کو تھامتے ہی وہ تیزی سے نیچے بیٹھی۔قالین پہ اِدھر اُدھر ہاتھ مارتے ہوئے وہ بس رُو دینے کو تھی۔دروازے پر دی جانے والی دستک تک کو نظرانداز کر کے وہ یوں ہی ہاتھوں سے ٹکراتی دوئیوں کو ٹٹول کر سمجھنے کی کوشش میں ہلکان ہو رہی تھی۔جواب نہ پا کر دوسری جانب ہمدی نے دروازے کے ہینڈل پہ دباؤ ڈال کر دروازہ اندر کی جانب دھکیلا تو وہ کُھلتا چلا گیا اور اندر کا منظر دیکھ کر لمحے بھر کو اُسکی نگاہیں اُس بےچینی سے

اِدھر اُدھر ہاتھ مارتی حریم پر ساکن ہوئیں اور پھر ہوش کی دُنیا میں آتے ہی وہ تیر کی سی تیزی سے اُسکی جانب بڑھا

"حریم۔۔۔مُجھے بتائیں کون سی دوائی چاہیئے۔"اُسکے تیزی سے چلتے بے چین ہاتھوں کو تھام کر اُس نے نرمی سے کہا تو حریم ٹھٹھک کر تھم گئی۔ جُھکی آںکھیں بس چھلک جانے کو بے تاب تھیں۔اُسکی بکھری دوائیوں کو دیکھ کر ہمدی نے چہرہ پھیر کر نقاب میں لپٹی اُس لڑکی کو دیکھا جو دیکھنے کی صلاحیت سے محروم تھی۔ جسکی فکر میں یاور صاحب بے حد ہلکان رہنے لگے تھے۔اُسکے ہاتھ پر اپنا ہاتھ رکھا دیکھتے ہی نہ جانے کیوں دِل نے کروٹ لی شاید اِس اِحساس سے کہ وہ رُو دینے کو تھی۔وہ سَرد پڑتا ہاتھ ہمدی کی گرفت کے نیچے کانپ رہا تھا۔وہ یوں ہی اِرد گرد سے بے خبر اُسکی جُھکی بھاری پلکوں کو دیکھتا رہا اور پھر وہ پلکیں لرز کر اُٹھیں اور اپنے سے مُٹھی بھر دُور جھک کر بیٹھے شخص کی نگاہوں سے ٹکرائیں۔اُن آںکھوں کے اُٹھتے ہی ہمدی کی آنکھیں تحیر سے پھیلتے ہوئے اُن بھیگتی سُرمائی آنکھوں کو دیکھ رہی تھیں۔اُن سُرمائی جھیل سی آنکھوں نے ہمدی کی سانس تک ساکن کر دی۔دِل میں تیزی سے اُٹھ کر پھیلتے دَرد کو نظر انداز کرتے وہ یونہی اُن آنکھوں کو دیکھے گیا جو اُسکو پھر سے کئی سال پیچھے لے گئی تھیں۔

جہاں وہ تھی، زندہ تھی لیکن اُس سے بے تحاشہ فاصلے پر۔آخری بار جب اُسکو زندہ سلامت دیکھا تھا تب وہ اُسکے گھر سے تیزی سے نِکل رہی تھی کہ آگے سے آتے ہمدی سے بُری طرح ٹکرائی۔اُس دھڑکن رُوک دیتے، دِلفریب تصادم پر اُسکا دِل چُپکے سے خوشگوار لے پر دھڑکا تھا لیکن وہ یونہی سَر جُھکائے ہی لڑکھڑا کر پیچھے ہوئی تو ہمدی نے بےاِختیار اپنا ہاتھ پھیلا کر اُسکی کلائی تھام لی۔یہ سب لمحے

بھر میں ہوا اور پہلی بار تھا جب ہمدی نے اُسکو ہاتھ بڑھا کر تھاما تھا۔اُسکے لمس پر وہ تھرکتی پلکیں بے یقینی سے اُٹھیں اور ہمدی دھڑکتے دِل کے ساتھ اُن سُرمائی بھگتی آنکھوں کو دیکھے گیا جو ششدر تھیں اُسکی جُراءت پر لیکن وہاں کہیں کوئی گہری چُوٹ بھی نمایاں ہوتی نظر آئی تھی ہمدی کو اور پھر اُس نے بہت آہستگی سے اپنا ہاتھ اُسکی کمزور گرفت سے چھُڑوا لیا اور وہ ہمدی کی زندگی، اُسکے سال، اُسکے زمانوں سے دُور چلی گئی تھی، کبھی نہ آنے کے لیئے۔حریم نے اُس لمس پر کسمسا کر آہستگی سے اپنا ہاتھ کھینچا تو وہ چونک کر سنبھلا۔

مُجھ کو جو مُیسر تھا سَنگ لے گیا ہے تُو

یعنی میرے جیون کے رنگ لے گیا ہے تُو۔۔۔۔

"کون سی دُوائی؟" مدہم آواز میں وہ اِتنا ہی کہہ سکا تو اُس دھیمی سی قریب سے آتی آواز پر حریم کا دِل جانے کیوں بُری طرح دھڑک اُٹھا۔وہ لہجہ دِل کو اپنی جانب کھینچنے کے ہنر سے آشناء معلوم ہوتا تھا۔سنبھل کر اُس نے ہاتھ میں تھاما پرسکیپشن لیٹر یوں ہی مُخالف سِمت میں لہرا کر آگے کیا۔ہمدی نے بغور اُسکے ہاتھ کو دیکھا وہ آواز سے بھی ہمدی کے بیٹھنے کا اندازہ نہیں لگا پائی تھی۔وہ اپنی بینائی کے بغیر اب بھی شاید ایڈجسٹ نہیں ہوئی تھی۔خاموشی سے اُس نے لیٹر کا سِرا تھام کر کھینچا تو اُس نے فوراً چھُوڑ دیا۔لیٹر پر نِگاہ دُوڑاتے ہی ہمدی نے چہرہ اُٹھا کر اُسکو دوبارہ دیکھا۔اُس لیٹر کے مطابق وہ "پی-ٹی-اِیس-ڈی" کا شکار تھی اور اُسکی بینائی جانا بھی نفسیاتی مسلئہ تھا، دِل میں کہیں پھر سے تکلیف کی لہر اُٹھی لیکن اُسکے نظرانداز کر کے اُس نے اُن سفید دوائیوں کے لاتعداد بکھرے ڈبوں کو دیکھ کر اُسکو دیکھا جو اب یوں سَر جھکائے مُنتظر بیٹھی تھی۔

"یہ ساری دوائیاں تو مُختلف رنگوں کی ہیں۔"وہ نہیں جانتا کیوں اور کیسے لیکن بے اِختیار اُسکے مُنہ سے جُھوٹ نِکلا لیکن حریم نے حیرت کی زیادتی سے سَر اُٹھا کر جس طرح حیرانی سے آنکھیں پھیلا کر دیکھا تھا ہمدی کو اپنا دِل تنگ پڑتا محسوس ہونے لگا۔وہ یوں اُلجھی سے دیکھ رہی تھی کہ شاید وہ وضاحت کرے۔

" آپکو 'پینِک آٹیک' کی دوائی لینی ہے نہ؟" اُس نے پھر مدھم سا سوال کیا۔وہ لہجہ نہ جانے کیوں دِل کو سُوگواری میں مُبتلا کر کے آشناء سے اِحساسات سے دوچار کرتا تھا۔اُس سوال پر اُس نے محض سَر کو اثبات میں ہلایا تو ہمدی ٹھٹھک گیا۔اُسکا ہر ہر انداز ماضی کی دِلشکن یادوں میں پِنہاں چہرے کو تازہ کرنے لگتا تھا۔

" پھر۔۔۔اِس دوائی کا رنگ گہرا سُرخ ہے۔" سنبھل کر اُس نے کچھ سُوچ کر کہا تو وہ آنکھیں رنگوں کا سُن کر ایک بار پھر تحیر سے پھیلیں۔ہمدی نہیں جانتا تھا لیکن اُن سُرمائی آنکھوں کی حیرانگی نے اُسکے چہرے پر مدھم سی مُسکراہٹ کو اُجاگر کر دیا۔مَنّت کے ساتھ آتے یاور صاحب اُن دونوں کو یوں قالین پر محو گفتگو دیکھ کر ٹھہر گئے پھر مُسکراتی نظروں سے حیرت ذدہ نظر آتی مَنّت کو دیکھا جو تعجب سے ہمدی کے مُسکراتے چہرے کو دیکھ رہی تھی۔

"اور سَر درد کی دوائی کا رنگ سبز ہے جبکہ نیند کی دوائی نیلے رنگ کی ہے۔آنکھوں کے ڈراپس کا رنگ پیلا ہے اور یہ جو ویٹامن کی دوائی ہے اِسکا رنگ جامنی ہے۔"اُن سفید دوائیوں کے ڈبوں کو باری باری اُٹھاتے ہوئے وہ روانگی سے اُنکے رنگ بتا کر اُن اِشتیاق سے پھیلتی آنکھوں کو مُسکراتی نظروں سے دیکھ رہا تھا۔جبکہ حریم ساکن سی اُس شخص کو سُن رہی تھی جسے وہ یہ نہیں بتا سکتی تھی کہ اُسے وہ

سب رنگ اچانک سے دِکھائی دینے لگ گئے تھے جو اُن دوائیوں کے تھے ہی نہیں۔ وہ رنگوں سے اَسیر کرنا جانتا تھا۔

میں جزوی اندھی تھی، دو چار رنگ دِکھتے تھے

مگر جب اُس نے کہا دیکھ، سب دِکھائی دیئے۔۔۔

------@-------@-------@-------@-------@------

کمرے کے وسط میں بے یقین سی ٹہلتی مائدہ سُفوان ابھی تک ششدر تھی۔ اِیسے کیسے ہو سکتا تھا بھلا؟ اُسے اپنی آنکھوں پر یقین کر لینے میں بے حد دُشواری ہو رہی تھی لیکن وہ بھیانک خواب تو نہیں تھا بلکہ وہ سچ میں سامنے نظر آیا تھا۔ مُجسم حقیقت میں جس شخص کو اُس نے کل دیکھا وہ کوئی اور نہیں اُسکی پہلی، ناکام مُحبت سید حدید قوسین تھا۔ مُجاہد سے مِلنے ہاسپٹل آنے کو وہ صبح سویرے ہی بے چین ہو گئی تو مجبوراً سُفوان کو اپنی کچھ وقت کے لیئے مہربان ہوتی نیند کو قربان کر کے اُسکو لے کر ہاسپٹل آنا ہی پڑا۔ گاڑی سے اُترتے ہی اُسکی غیر اِرادہ نگاہ بائیں جانب سُفوان کے عقب میں رُکتی سیاہ رنگ کی ہیوی جیپ سے ٹکرائی۔ وہ جیپ شروع سے مائدہ کی پسندیدہ تھی لیکن محض وہ خواب میں اُسکا سُوچ سکتی تھی کیونکہ اُنکی حویلی کے تمام مرد ہیوی جیپ کے بجائے لینڈ کروزرز کو اہمیت دیتے تھے۔ ستائشی نگاہ اُس سیاہ چمچماتی جیپ پر ڈال کر اُس نے نگاہ سُفوان پر ڈالی جو کچھ دِن سے بے حد نِڈھال اور مضمحل سا نظر آنے لگا تھا۔ اِس سے پہلے کہ وہ اُس سے کچھ پُوچھتی جیپ کا دروازہ کُھلا اور جو شخص اُس میں سے ایک تمکنت، بے نیازی اور وقار سے نِکلا اُسکا مائدہ خواب میں بھی تصور نہیں کر سکتی تھی۔ وہ وہی تھا سفید قمیض شلوار میں ملبوس، ایک شانے پر سیاہ چادر ڈالے۔ اِردگرد دیکھے بِنا اُس نے

اُن ششدر، ساکت ہوتی نگاہوں سے غافل ہوتے ماتھے پر دَر آتے بالوں کو پیچھے کر کے اپنی مضبوط کلائی پر بندھی گھڑی کو دیکھا اور پھر اُس ہاسپٹل کی عمارت کو اور پھر وہ چل پڑا۔

گُم ہوتی دھڑکنوں کے ساتھ مائدہ سُفوان حیرت ذدہ سی اُس بے نیاز سے جاتے شخص کی پُشت کو سُرخ پڑتی آںکھوں سے دیکھ رہی تھی جو آج بھی حواس چھین لینے کی حد تک حسین تھا۔یوں معلوم ہو رہا تھا گویا آٹھ سال اُسکو چھُوئے بِنا ہی گُزر گئے ہوں۔اُسکو یوں گُم صم سا دیکھ کر سُفوان نے دروازہ بند کرتے ہوئے ٹھٹھک کر اُسکو دیکھا اور پھر اُسکی نگاہوں کے تعاقب کو۔وہ جو کوئی بھی تھا اب ہاسپٹل کے مین ہال میں داخل ہو کر اُن دونوں کی نِگاہوں سے اُوجھل ہو گیا تو سُفوان نے مائدہ کو اُلجھ کر دیکھا۔

"سُفوان آپ ہوٹل واپس جائیں، ہادیہ جاگ گئی ہو گی وہ ویسے بھی بیمار ہے موسم کی وجہ سے۔"اِس سے پہلے کہ سُفوان کچھ کہتا، کچھ پُوچھ پاتا اُسکے ہمیشہ کی طرح قطعی انداز پر لمحے بھر کو اُسے دیکھ کر رہ گیا اور پھر ایک جھٹکے سے گاڑی کا دروازہ کھُول کر بیٹھا اور تیزی سے گاڑی بھگا لے گیا مگر وہاں پرواہ کسے تھی۔وہ ایک ٹرانس میں تیز قدموں سے اندر کی جانب بڑھنے لگی جہاں وہ گیا تھا جسکا نام حدید تھا۔

شیشے کا دروازہ دھکیل کر وہ اندر آئی تو اُسکو کانٹر گرل سے خوشدلی سے بات کرتے دیکھ کر ٹھٹھک گئی۔اِیسا معلوم ہو رہا تھا جیسے اِس ہاسپٹل میں اُسکا آجا جانا لگا رہتا تھا اور سٹاف وہاں کا اُس سے واقف تھا۔وہ جو جانے کے لیئے پلٹا تھا کاونٹر گرل کے پُکارے جانے پر بے ساختہ اُسکی جانب دوبارہ سے متوجہ ہوا۔وہ اُسکا بائیں جانب کا رُخ دیکھ سکتی تھی جہاں وہ کسی بات کا جواب بے حد مُسکراتے ہوئے

دے رہا تھا۔اور مائدہ کا دِل وہ مُسکراہٹ دیکھ کر ایک بار پھر ویسے ہی دھڑک اُٹھا جیسے کئی سال پہلے اُس شخص کو اپنے کالج میں دیکھ کر دھڑکا تھا۔اُسکے پلٹ کر جاتے ہی وہ قدرے رُخ مُوڑ گئی اور پھر تیزی سے کاونٹر کی جانب بڑھی۔

"جو ابھی ابھی یہاں سے گئے ہیں اُنکا۔۔۔"کاونٹر گرل کے پاس رُکتے ہوئے اُس نے بے ربطی سے کہا تو وہ اُسکو دیکھ کر ٹھٹھکی اور پھر نگاہ اُٹھا کر راہداری میں جاتے سَر حدید کو دیکھا۔

"میجر حدید کی بات کر رہی ہیں آپ؟؟" اُس کے عجیب سے تاثرات پر اُسکی بات مکمل ہونے سے پہلے ہی اُس لڑکی نے کہا تو مائدہ کا دِل حقیقتاً تھم گیا۔تو وہ واقعی میں اُسکا تخیل نہیں تھا۔وہ آج بھی کامیاب اور خوش تھا لیکن مائدہ اِس بات سے اَنجان تھی۔بِنا کوئی جواب دیئے اُس نے پلٹ کر طویل راہداری میں جاتے شخص کو دیکھا۔

"وہ یہاں کیوں ہیں؟ میرے اُن سے فیملی ٹرمز ہیں اِس لیئے اُن کو دیکھ کر پُوچھا آپ سے۔"مدہم لہجے میں اُس نے لفظوں پر گرفت کرتے ہوئے کہا تو کانٹر گرل نے جیسے سمجھ کر سَر ہلایا۔

" وہ اپنی مِسز کے لیئے آئے ہیں جو یہاں ڈاکٹر ہیں۔"وہ الفاظ نہیں تھے جو اُس لڑکی کے ہونٹوں سے ادا ہوئے بلکہ پگھلا ہوا سیسہ تھے جو اُس نے کاونٹر کے ڈسک کو تھامتی مائدہ کی سماعتوں میں اُنڈیلا تھا۔بِنا کچھ کہے وہ تیزی سے اُس راہداری کی جانب بھاگی۔کاونٹر گرل نے اُسکو تعجب سے دیکھ کر سَر جھٹکا اور پھر سے اپنے کام میں مصروف ہو گئی۔

پُھولی سانسوں کے ساتھ وہ یک دَم کچھ دُور رُک کر اُسے وہاں دیوار سے ٹیک لگا کر اِنتظار میں دیکھ رہی تھی اور یہ سُوچ کے وہ کس کے اِنتظار کے لیئے دِل جمعی سے محو ہے آج بھی رُوح کو چھلنی کر

دینے والا تھا اور پھر دو نفوس کا اِنتظار تمام ہوا۔ آپریشن تھیٹر کا دروازہ کُھلا اور وہ سرجیکل گاؤن میں باہر نکلی جس طرح حدید کو دیکھ کر وہ ٹھٹھکی تھی مائدہ کا دِل کسی نے مُٹھی میں لے لیا۔

"کیا وہ ایک طویل زمانے سے ایک دوسرے کے ساتھ تھے؟" اِس سے پہلے کہ وہ خود ہی جواب سُوچتی، مَنّت کو اِسطرح حدید کو نظرانداز کر کے گُزرتے دیکھ کر اُسکا دِل خوشی سے دھڑک اُٹھا۔ وہ عورت اُس شخص کو دیکھ کر بُھلا بیٹھی تھی کہ اب وہ ایک بچی کی ماں اور کسی کی بیوی ہے، خودغرضی کی اِنتہا شاید اُس پر ہی آ کے تمام ہوتی تھی۔ اُن دونوں کو آگے پیچھے اپنی جانب ہی آتے دیکھ کر اُس نے تیزی سے اپنا رُخ بدل لیا۔ اب اُنکی جانب اُسکی پُشت تھی۔ وہ دونوں بالکل اُسکے قریب سے گُزرے تو مائدہ سُفوان نے اپنی دھڑکن تک اُن قدموں کی چاپ پر روک دی۔

"بات سُو مَنّت۔" قریب ہی عقب سے اُسکی پریشان سی آواز پر مائدہ نے اپنی مُٹھیاں سختی سے بھینچ کر قدرے رُخ مُوڑ کر دیکھا لیکن مَنّت ان سُنی کر کے پھر سے آگے بڑھنے لگی تو حدید نے ہاتھ آگے کو بڑھا کر اُسکے کندھے کو تھام لیا۔ اب وہ فکرمندی سے حدید کو مَنّت سے اُسکے کراہنے کا سبب پُوچھ رہا تھا۔ اگر قدرت کا یہی مکافاتِ عمل تھا مائدہ کے لیئے تو یہ اُسکے ضبط سے بہت زیادہ تھا۔ اُن بازوؤں کے گھیرے میں مَنّت کو کھڑا دیکھنا ایک اِمتحان ہی تھا اور جب مَنّت اُسکے بازوؤں کا ہالہ توڑ کر نکلی تو دِل میں کمینی سی خوشی ہوئی لیکن حدید کے اگلے قدم پر وہ آنکھیں پھاڑے اُن دونوں کو رُوبرو دیکھ رہی تھی۔

"ناراض ہو نہ مُجھ سے؟" اُس شخص کی مدہم، محبت سے لبریز پریشان انداز پر مائدہ سُفوان کا دِل اُس پل خون ہوا تھا۔اُسے اپنے آٹھ سالوں میں سُکھ سے جینا ہوا میں تحلیل ہوتا محسوس ہو رہا تھا۔اُن دونوں کے بیچ بڑھتی فُسوں خیز خاموشی اُسکا دِل زخمی کر رہی تھی لیکن مَنّت کا لہجہ۔

"میں کون ہوتی ہوں آپ سے ناراض ہونے والی۔" وہ لہجہ مائدہ کو خفگی لیکن منا لیئے جانے والے مان میں ڈوبا ہوا محسوس ہوا۔وہ لہجہ اجنبی محسوس نہیں ہو رہا تھا۔اور پھر حدید کی یک دَم سے چمک اُٹھتی آنکھوں کو دیکھ کر مائدہ نے گھُٹتے دِل سے حدید کو مَنّت کے خفا سے چہرے کو مُسکراتی نظروں سے دیکھتے ہوئے اُسکے ہاتھ پر اپنا گہرا، مُحبت بھرا لمس چھُوڑتے دیکھا۔مَنّت کے چہرے پر دَر آتی قوس و قزح نے مائدہ کو رائیگانی، تہی دامنی کا گہرا اِحساس دِلایا تھا۔پھر اُسکی مدہم، تنبیہی انداز میں 'حدید' کہنا۔مائدہ نے نفرت سے سُرخ پڑتے چہرے کے ساتھ نگاہوں کا زاویہ تیزی سے بدل لیا لیکن یک دم گُونج اُٹھتے بھاری دِلکش مردانہ قہقہے پر اُس نے ایک بار پھر چہرہ پھیر کر دیکھا اور حدید کو یوں ہنستے دیکھ کر دِل نے اپنی رفتار پھر مدہم کر دی۔آٹھ سال بیچ میں بھک سے اُڑ گئے تھے۔اُس نے خود کو میڈیکل کالج کی راہداری میں کھڑے پایا جہاں اِسی شخص کے اچانک گُونجتے قہقہے نے اُسکو عمر بھر کے لیئے ساکن کر دیا۔ہاں وہ مَنّت سے بہت پہلے حدید کی مُحبت میں گرفتار ہو گئی تھی۔

حدید کو مَنّت کے گِرد گھیرہ تنگ کر کے کندھے سے مُحبت سے لگاتے دیکھ کر وہ رُخ مُوڑ کر تیزی سے دائیاں جانب مُڑ گئی۔اِس سے زیادہ اگر وہ وہاں ٹھہرتی تو شاید راکھ ہو جاتی۔دبی ہوئی نفرت کی چنگاری دوبارہ سے بھڑک اُٹھی تھی۔نہ جانے اب یہ آگ کیا گُل کھلانے کو تھی۔۔۔

تیری طلب بھی نہ آئی ہمارے حصّے میں

کسی کے بخت میں لکھا گیا مکمل 'تُو'۔۔۔

-----@------@-------@------@-------@------

ہمدی کا نِکاح پرسوں بخیر خوبی ہو گیا تھا اور اب مَنّت اُس سے نِکاح کے بعد اپنی دَر آنے والی مصروفیت کی وجہ سے نہ مِل پانے کے باعث اُس سے مِلنے گھر آئی تھی جو دو دن سے گُوشہ نشیں تھا۔ اُسکے اپارٹمنٹ کا پاسورڈ لگاتے ہوئے وہ دروازہ کھُول کر اندر آئی تو ہر طرف اندھیرے نے اُسکا اِستقبال کیا۔یونہی معمول کی طرح چلتے ہوئے آکر اُس نے دیوار کو اندازے سے ہاتھ مارا تو سارا ہال روشن ہوتا چلا گیا لیکن وہ ہال میں کہیں بھی نہیں تھا۔تیزی سے وہ راہداری کی دوسری جانب بنے ہمدی کے کمرے کی جانب آئی لیکن وہ بھی خالی تھا۔کچھ لمحے وہ فکرمندی سے وہیں کھڑی رہی اور پھر سَر جھٹک کر تیزی سے سٹور رُوم کی جانب چلی آئی۔وہاں مدھم سا بلب جَل رہا تھا اِس کا مطلب وہ بیس مِنٹ میں۔۔۔سامنے شان سے اِیستادہ بُک ریک کو دھکیل کر سائیڈ پہ کرتے ہوئے اُس نے سامنے نظر آتے نیم وا دروازے کو دیکھا اور ایک گہرا سانس لے کر اندر آگئی۔سامنے نیچے کی جانب جاتی سیڑھیوں کو تیزی سے پھلانگتے ہوئے وہ نیچے آئی تو ٹھنڈک کا اِحساس اوپر کی نسبت یہاں زیادہ ہوا۔نیم اندھیرے میں اُس نے افسردگی سے اُسے دیکھا جس کی مَنّت کی سِمت پُشت تھی، سَر دیوان کی پُشت سے ٹِکائے وہ ہمیشہ کے برخلاف اُسکی آمد سے غافل تھا۔آہستہ قدموں سے چلتی ہوئی وہ اُسکے عین عقب میں آکھڑی ہوئی پھر قدرے جُھک کر اُسکے کندھے سے دیکھا وہ کسی تصویر کو ہاتھ میں تھامے بیٹھا سانس تک رُوکے اُسے دیکھنے میں محو تھا۔اندھیرہ اِتنا تھا کہ مَنّت قدرے آگے کو ہو کر

اُس تصویر میں موجود اُس شخصیت کو دیکھ سکتی تھی جسکا راج اُسکے بھائی کے دِل اور ذہن پر زمانوں سے تھا۔ جسکے نہ مِلنے کا رُوگ ہمدی کو کبھی چین نہیں لینے دیتا تھا۔

آگے کو ہو کر اُس نے آں کھیں سُکیڑ کر دیکھنا چاہا۔ وہ دونوں اندھیروں میں عام لوگوں کی نسبت زیادہ اچھے سے دیکھنے میں ماہر تھے۔ یہ بھی اُنکی ٹرینگ میں یاور صاحب نے ہی ڈالا تھا۔ مُسکراتی نظروں سے وہ آگے کو ہوئی اور اُس چہرے سے مَنّت کی نگاہ ٹکراتے ہی اُسکی چھوٹی ہوئی آں کھیں حیرت اور بے یقینی سے پھیلتی چلی گئیں۔ آنکھوں کو مَسل کر اُس نے پھر سے دیکھنا چاہا کہ شاید یہ اُسکا وہم ہو ورنہ اِیسے کیسے ہو سکتا ہے؟؟ لیکن آنکھوں کو کئی بار مَسلنے پر بھی وہی معصوم، دھڑکن رُوک دیتا چہرہ سامنے ہمدی کے ہاتھ میں تھامی تصویر میں لہراتا رہا۔ ایک جھٹکے سے وہ پیچھے ہوئی اور پھر ہمدی کے جُھکے چہرے کو دیکھا وہ محسوس کر سکتی تھی کہ اُسکا مضبوط بھائی بے آواز سَر جُھکائے رُو رہا تھا۔ جسکو رُوتا دیکھنا وہ ہمیشہ سے چاہتی تھی لیکن اب یوں؟ اِیسے نہیں۔۔۔ صدمہ، بے یقینی اور اِنہونی دیکھ لینے پر اُس نے تیزی سے اپنے کُھلتے مُنہ پر ہاتھ رکھا اور اُنہیں خاموش قدموں سے بیس مِنٹ سے نِکل کر باہر آئی۔ فضا میں جیسے آکسیجن کم ہونے کا اِحساس ہوا تو بھیگتی آں کھوں سے اُس نے چہرہ اُٹھا کر اوپر دیکھا۔ وہ نہیں جانتی تھی لیکن اُسکی ابھی تک ششدر سی آنکھوں سے آنسو ٹوٹ ٹوٹ کر گِر رہے تھے کیونکہ وہ تصویر جس نے مَنّت کے پیروں سے زمین کھینچ لی تھی وہ کسی اور کی نہیں بالکل مَنّت کی اکلوتی نند اور بہترین غم شناس دوست جسکے بعد اُس نے کسی کو اپنے قریب نہیں آنے دیا، حدید کی جُڑواں ماں جائی " سیدہ حُرمت قوسین" کی تھی۔۔۔۔۔ اور وہاں ہمدی نڈھال سا اُس رُوٹھ جانے والی تصویر کو دیکھ رہا تھا جو اُس سے محو کلام، سوال پُوچھ رہی تھی۔

جب تم کو میسر کَامِل تھے

پھر ہجر گوارہ کیسے ہوا؟

اور ہم سے کِنارہ کیسے ہوا؟؟

اب خواب ہیں کس کے آنکھوں میں؟

'تمہیں عشق دوبارہ کیسے ہوا؟؟'

یہ کھیل جو کھیلے ہیں تم نے

الحار ہے، کُفر و جسارت ہے

یہ عشق کی زندہ حقارت ہے

کیا بیچ دیئے سب لُوح و قلم؟

سب آیت، سُورت کا قلزم،

کیوں تُوڑ گئے اِحکام سبھی؟؟

بتلاؤ دوبارہ کیسے ہوا؟

پھر کوئی گوارا کیسے ہوا؟؟

'تمہی عشق دوبارہ کیسے ہوا؟؟؟'

------@---------@-------@---------@---------@-------

حدید اور زاور آج بابا جان کے ساتھ ڈائینگ ٹیبل پر دوپہر کا کھانا پوری جاں فشانی سے کھانے میں مگن تھے۔قوسین صاحب نے مُسکراتی نظروں سے دونوں کے جُھکے چہروں کو دیکھا جو آج نہ جانے کتنے عرصے بعد سے خوب جم کر ایک دوسرے سے مُقابلہ لگا کر کھا رہے تھے۔

"یار انکل! پانی۔"زاور کی آواز پر وہ چونک کر خیالوں سے نکل کر اُسکی شکل دیکھ کر ہنس پڑے جسکا نوالہ شاید کچھ زیادہ ہی تیزی سے ہاتھ چلانے کے باعث حلق میں اٹک گیا تھا۔سامنے پڑا جگ تیزی سے اُٹھ کر پکڑ کے گلاس میں پانی ڈالتے ہوئے اُنہوں نے زاور کی جانب سَرکایا جو غُٹاغُٹ پانی چڑھاتا چلا گیا۔حدید نے کھانے سے نگاہ اُٹھا کر اُسکو مُسکراتی نظروں سے دیکھا جسکا چہرہ شاید مرچوں کے باعث سُرخ ہو رہا تھا لیکن ہاں ظاہر کر دینا شان اور کھانے کے رولز کے خلاف جو تھا۔

"مان جا ہار میرے بھائی۔"حدید کی مُسکراتی نگاہ اور شریر انداز پر زاور نے شَرر بار نظروں سے حدید کو دیکھ کر 'ہوں' کیا اور پھر سے جاں فشانی سے میدان میں اُتر کر پیٹ پُوجا کرنے میں مگن ہو گیا۔

قوسین صاحب کتنی ہی دیر تک حدید کا بے تحاشہ مُسکرا کر دھمکتا چہرہ دیکھتے رہے۔آج زمانوں بعد اِس گھر میں دوبارہ سے شریر قہقے اور کھانے کے برتن کھڑکنے کی آوازیں گُونج رہی تھیں۔اِس گھر میں اُنکی ساری فیملی ہمیشہ چھٹیاں گُزارنے سوات آتی تھی لیکن وجیہہ بیگم کی طبعی اور حُرمت کی ناگہانی وفات پر وہ دونوں اِس گھر میں حدید کی پُوسٹنگ کے بعد شِفٹ ہو گئے تھے۔اُن کی سُوچوں کو زاور کے بجتے سیل فون نے ساکن کر دیا تھا۔حدید بھی چونک کر اُسکے بے وقت بجتے فون کو دیکھنے لگا۔حدید کو دیکھ کر زاور نے نا سمجھی میں کندھے اچکا کر اُن انجان نمبر سے آتی کال کو رسیو کر لیا۔

"اسلام و علیکم۔" مدہم مگر محتاط انداز میں اُس نے پوچھا لیکن کچھ پل دوسری جانب خاموشی رہی تو اُس نے حدید کو دیکھا جس نے آبرو کے اِشارے سے پُوچھا تھا۔ نا سمجھی سے اُس نے سیل فون سپیکر پہ لے کر حدید اور اپنے سامنے کیا۔ حیرت کی بات یہ تھی کہ اُن دونوں کا آفیشل نمبر تھا جو بہت قریبی لوگوں کے علاوہ کسی کے پاس نہیں تھا اب ایک انجان نمبر سے کال آنا اچنبھے کی بات تھی۔ قوسین صاحب نے بھی کھانے سے ہاتھ رُوک کر اُن دونوں کے پُر تجسس سے تاثرات کا جائزہ لیا۔

"وعلیکم اسلام، زاور میں مَنّت بات کر رہی ہوں۔" دوسری جانب سے آتی آواز نے جہاں قوسین صاحب کو ساکن کیا وہیں حدید کی دھڑکن رُوک دی۔ زاور نے شرارتی نظروں سے حدید کے تیزی سے بے چین ہوتے چہرے کو دیکھا۔

" اُو بھابھی! کیسی ہیں آپ؟ خیریت تھی؟" دوسری جانب مُنّت اُسکا شرارتی انداز صاف محسوس کر سکتی تھی لیکن اِس وقت وہ بے حد سنجیدہ اور اُلجھی ہوئی تھی۔

" جی الحمداللہ، میں نے آپکا نمبر ڈاکٹر مُصطفیٰ سے لیا ہے۔ کیا آپ میری حدید سے بات کروا سکتے ہیں؟؟" وہ سیدھا لگی لپٹی کے بغیر مُدعے پر آئی تو حدید یک دم اُٹھ کھڑا ہوا۔ قوسین صاحب نے خوشگوار حیرت سے حدید کو دیکھا تھا۔

"جی۔۔۔" اِس سے پہلے کہ زاور کچھ کہتا حدید نے تیزی سے اُسکے ہاتھ سے سیل فون لے کر سپیکر آف کرتے ہوئے کان سے لگا لیا۔ زاور اُسکی بے چینی دیکھ کر قوسین صاحب کو "دیکھا" والے انداز میں اِشارے کرنے لگا جو اب فرصت سے مُسکرا رہے تھے۔

"کیا ہوا مَنّت؟ تم ٹھیک ہو؟؟" اُسکے بے چین لہجے میں پُوچھے جانے والے سوال پر دوسری جانب مَنّت لمحے بھر کو تھم گئی تھی لیکن ابھی یہ وقت جذباتیت دِکھانے کا نہیں تھا۔

"کچھ ضروری بات کرنی ہے ابھی آپ سے۔" لمحے بھر کے توقف کے بعد اُسکا مدہم سا سوالیہ لہجہ حدید کی رُوح تک کو شاد کر گیا تھا۔زاور اور قوسین صاحب محضوظ نظروں سے اُسکے یک دَم مُسکرا اُٹھتے چہرے کو دیکھ رہے تھے۔

"ہاں میں فری ہوں۔کہاں آؤں؟؟" اُسکے مُختصر سوال میں بھی خوشی، آس اور اُمید صاف محسوس کی جا سکتی تھی۔حدید نے مُسکراتی نظروں سے قوسین صاحب کو دیکھ کر پُوچھا جو یک ٹک اُسکو مُسکراتے چہرے کو محویت سے دیکھ رہے تھے۔

"ٹھیک ہے۔میں بس ابھی آیا۔" ٹیبل پہ پڑا اپنا سیل فون اُٹھا کر اُس نے قوسین صاحب کی جانب اجازت طلبی سے دیکھا تو اُنھوں نے بے اِختیار مُسکراتے ہوئے سَر اثبات میں ہلا کر "تھمب اپ" کر کے اُسکا حوصلہ بڑھایا تھا۔کال ختم ہوتے ہی اُس نے شرارت سے ہنستے زاور کے ہاتھ میں فون تھماتے ہوئے گُھور کر دیکھا جو اُسکے جھینپے انداز پر قہقہ لگا کر ہنس پڑا تھا۔

"تُجھے تو واپس آ کر دیکھ لوں گا۔" بیٹھے ہوئے قوسین صاحب کے سَر پہ جھکتے ہوئے پیار کر کے اُس نے زاور کو چہرے پہ ہاتھ پھیر کر گویا وارنگ دی تھی جو مصنوعی اداکاری کے جوہر دیکھتا ہوا ڈر رہا تھا۔حدید اُسکو لاعلاج تصور کر کے تقریباً بھاگتا ہوا پورچ میں آیا اور اپنی جیپ کھول کر لمحے میں وہ وہاں سے نِکل گیا۔پیچھے بیٹھے زاور اور قوسین صاحب کے دِل سے اُسکے لیئے لاتعداد دُعائیں نِکل رہی تھیں۔

------@--------@-------@------@-------@------

؎شہرِ خوباں میں کہاں سہل تھا دِل پر قابو

مُضطرب دِل کو مِلا صبر کا پھل یعنی تُو۔۔۔

دُور سے آتا حدید اُسکو یوں اپنے اِنتظار میں درخت سے ٹیک لگا کر بیٹھے دیکھ کر وہیں تھم گیا۔وہ کیا اُس وقت زمانے کی ہر حرکت تمام ہوگئی تھی کیونکہ اُسکے سامنے مَنّت محوِ اِنتظار ایک بُلندی سے گِرتے آبشار پر نگاہیں جمائے ہوئے کسی سُوچ میں گُم بیٹھی تھی۔یہ جگہ اُس ہاسپٹل کے عقب میں ہی موجود تھی۔بُلند و بالا پہاڑوں کی بُلندیوں سے پُھوٹ کر گِرتا وہ آبشار اِردگرد کے ماحول کو اپنی آواز سے عجیب سے طلسم میں گرفتار کر رہا تھا۔اُس سر سبز جگہ، اُس سہانے اور دِل فریب نظارے میں اگر کسی شے نے حدید قوسین کی آنکھوں کو تراوہٹ دی تھی تو وہ صرف مکمل سیاہ رنگ میں ملبوس، سیاہ حجاب میں شانے پر سُرخ شیشوں والی شال اُوڑھے لڑکی تھی جسکے آگے سوات کا سارا حُسن حدید کو ماند پڑ جاتا محسوس ہو رہا تھا۔جو سردی سے سُرخ ہو جاتے چہرے کے ساتھ آج بھی حدید کی جان اپنی مُٹھی میں لیئے بے نیاز سی بیٹھی تھی۔اپنی سیاہ لیدر جیکٹ اُتار کر وہ قدم قدم چلتا ہوا اُسکی جانب آیا جسکی حدید کی سِمت پُشت تھی۔اُس نے قدرے جُھک کر اُسکے شانوں پر اپنی جیکٹ نرمی سے ڈالی تو وہ یک دَم چُونکتے ہوئے چہرہ پھیر کر دیکھنے لگی۔اُسکی چونکتی آنکھیں حدید کو دیکھ کر فوراً اِطمینان کا شِکار ہوئیں، حدید محسوس کر سکتا تھا۔

"اسلام و علیکم۔"مدہم آواز میں سلام کرتے ہوئے حدید اُسکے عین سامنے مُٹھی بھر فاصلے پہ ایک پاؤں پھیلائے جبکہ دوسرا مُوڑے بیٹھ گیا۔

"و۔۔۔وعلیکم اسلام۔" چند پل وہ یونہی اِتنے قریب سے اُسکا چہرہ جھجھکتی آنکھوں سے دیکھتی رہی لیکن حدید کی نگاہیں جیسے ہی اُسکی جانب ہر منظر سے لوٹ کر آئیں تو اُس نے نگاہوں کا زاویہ تیزی سے بدل کر قدرے بُوکھلا کر کہا تھا۔

"تم زاور کے بجائے ڈئریکٹ مُجھے کال کر لیتی۔" اُسکے ہلکے سے پُرشکوہ انداز پر مَنّت نے قدرے حیرت سے اُسکو دیکھا جو کہہ کر اب گھاس پر نرمی سے ہاتھ پھیر رہا تھا۔وہ نہیں جانتی تھی لیکن ایک مدہم سی مُسکراہٹ ضرور اُسکے چہرے پر اپنی چھب دِکھا کر غائب ہو گئی۔

"میرے پاس آپکا نمبر نہیں تھا۔" سَر جُھکا کر اُس نے آہستگی سے کہا تو حدید کتنے ہی لمحے خاموشی سے اُسکے جھکے چہرے کو دیکھے گیا اور پھر مَنّت نے اپنی جُھکی نظروں کے آگے اُسکا چوُڑا، مضبوط ہاتھ پھیلتے دیکھا۔چونک کر اُس نے سَر اُٹھاتے ہوئے حدید کو دیکھا جس نے آنکھ کے اِشارے سے اپنے پھیلے ہاتھ کی جانب اِشارہ کیا لیکن وہ پھر بھی دھڑکتے دِل اور ناسمجھی سے اُسکو کبھی اُسکے پھیلے ہاتھ کو دیکھ رہی تھی۔

"تمہارا سیل فون۔" اپنا ہاتھ بند کر کے کھُولتے ہوئے اُس نے اب کے نرمی سے کہا تو مَنّت نے ٹھٹھک کر اُسکو دیکھا۔اُن آنکھوں میں دیکھتے ہی اُس نے ایک ٹرانس میں اپنا سیل فون اُٹھا کر حدید کی چوڑی ہتھیلی پر رکھ دیا۔مُسکرا کر مُٹھی بند کرتے ہوئے اب وہ اُسکا دوسرا ہاتھ تھام گیا تھا۔دنگ ہوتی نظروں سے اُس نے اپنی ہتھیلی کو دیکھا جس پر وہ سیل فون تھامے ہاتھ کی اُنگلیاں پھیرتے ہوئے اُس کا چہرہ مزید سُرخ کر گیا تھا۔ایک جھٹکے سے اُس نے اپنا ہاتھ چھُڑانا چاہا لیکن مُقابل اُسکی

اِس حرکت کے لیئے تیار تھا۔ سَر اُٹھا کر اُس نے اُن حیران آنکھوں میں اپنی سُرمائی آنکھیں جماتے ہوئے دِلکشی سے مُسکرا کر دیکھا۔

"پھیل کیوں رہے ہیں آپ۔" اپنا ہاتھ دوبارہ کھینچتے ہوئے اُس نے دانت پیس کر کہتے ہوئے لمحے بھر کو حدید کی اُنگلیوں کی حرکت کو ساکن کیا اور پھر وہ سہانا مُوسم حدید قوسین کے جاندار قہقہے سے گُونج اُٹھا۔ مَنّت ڈوبتے دِل سے اُسکو آنکھیں بند کر کے بے تحاشہ ہنستے دیکھ رہی تھی۔ اور نہ جانے کیوں لیکن اُس لمحے مَنّت نے حدید کی اِس زندگی سے بھرپور ہنسی کے دائمی ہونے کے لیئے دِل سے دُعا کی تھی۔

"فِنگر پرنٹ یار۔" دوستانہ انداز میں کہتے ہوئے وہ تکلف کی اَن دیکھی بُلند اور مضبوط ساری دیواریں گِرا گیا۔ اُس شخص کو آج بھی فاصلے مِٹانے، دل میں تیزی سے جگہ بنانے کا ہنر آتا تھا۔ جھینپتے ہوئے اُس نے نظریں جُھکا کر حدید کو دیکھا جو اب اُسکی شہادت کی اُنگلی تھام کر اُسکا سیل فون کھول رہا تھا۔ اُسکا ہاتھ تھام کر اُونچا کرتے ہی مَنّت کی قمیض کی آستین قدرے پیچھے ہوئی تو حدید نے کنکھیوں سے مگر بغور اُسکے سفید، گلابی کلائیوں پر زخموں کے نشان دیکھے۔ لاک کُھلتے ہی اُس نے نرمی سے اُسکا ہاتھ اُسکی گود میں رکھ دیا۔ پَل بھر کو وہ یونہی کانوں میں دھڑکتے دِل کے ساتھ اُسکو دیکھتی رہی۔ سیل فون کی سکرین سے لاک ہٹتے ہی جو سامنے وال پیپر تھا اُس نے حدید کے دِل کی دھڑکن تک روک دی، تو کیا وہ واقعی؟؟ ساکت نظروں سے وہ اُس سکرین کو دیکھتا رہا جس پر سفید ماسک پہنے، سیاہ جیکٹ میں اور سیاہ ہی دستانے پہنے کوئی بلیک ہیوی بائیک سے ٹیک لگا کر کھڑا تھا۔ اور وہ سَراپے سے یقیناً آدمی نہیں لگ رہا تھا۔ حدید نے چہرہ اُٹھا کر اُسکو دیکھا جو دوبارہ سے گرتی آبشار کو دیکھنے میں

مگن تھی۔ سَر جھٹک کر اُس نے اپنا نمبر تیزی سے اُسکے سیل فون میں سیو کیا اور جس نام سے وہ کر رہا تھا اُس نے حدید کے چہرے پر مُسکراہٹ بکھیر دی۔ مَنّت نے چہرہ پھیر کر اُسکو دیکھا جو اب اُسکے سیل سے اپنے نمبر سے کال کر کے اب وہاں بھی نمبر سیو کر رہا تھا۔ اُسکی مُسکراہٹ کو دیکھ کر مَنّت نے تیزی سے نگاہ چُرائی۔

"سنبھال کر رکھنا میرا نمبر۔" سنجیدہ آواز لیکن چمکتی آنکھوں سے اُسکی جانب سیل فون بڑھاتے ہوئے وہ بولا تو مَنّت نے سیل لے کر سکرین کو دیکھا جہاں اُسکے نمبر سے کال کی جا رہی تھی۔ سکرین پر دھمکتے نام کو دیکھ کر اُسکی آں کھیں تیزی سے پھیلیں پھر چہرہ اُٹھا کر اُس نے خفگی سے اپنی سِمت ہی شرارت سے متوجہ حدید کو دیکھا جو اُسکی خفگی کو بھی نثار ہو جانے والی نظروں سے دیکھ رہا تھا پھر اُس نے اپنا سیل فون اُسکے سیل فون کے بالکل ساتھ رکھا۔ دونوں کی روشن سکرین پر نام دھمک رہے تھے۔ مَنّت کے سیل فون پر "ہزبینڈ ڈیرسٹ" جبکہ حدید کے سیل پر "ڈیرسٹ بیٹر ہاف" لکھا تھا۔

دھڑکتے دِل سے اُس نے لرزتی پلکیں اُٹھا کر حدید کو دیکھا جسکے چہرے کی دھمک اُس پل کچھ اور بڑھ گئی تھی۔

"میں آپ سے کچھ اور ضروری بات کرنے آئی ہوں۔" اُس گہرے ہوتے فُسوں کو اُسکی سنجیدہ آواز نے مدہم کر دیا تو حدید کی مُسکراہٹ نے بھی سِمٹنے میں وقت نہیں لیا تھا۔

"ہاں کہو، کیا بات۔" اُس نے مَنّت کے اُلجھے سے تاثرات کو بغور دیکھا اور مَنّت کو سمجھ نہیں آئی کہ بات شروع کیسے کرے۔ لیکن حدید کے تکلف کی دیوار گرا دینے نے کچھ حوصلہ دیا تھا۔

"وہ۔۔۔وہ مجھے حُرمت کے بارے میں پُوچھنا تھا۔"وہ بہت مُشکل سے آواز میں ٹھہراؤ لاتے ہوئے بہت آہستگی سے حدید کو دیکھ کر کہہ رہی تھی اور اِس سوال پر اُسکے چہرے کی رنگت اور چمک تیزی سے ماند پڑتے دیکھ کر مَنّت کا دِل کسی انہونی کے خدشے سے بیٹھنے لگا۔چند پَل یونہی گُزر گئے، حدید یوں ساکن سا بیٹھا تھا گویا اُس نے مَنّت کی بات سِرے سے سُنی ہی نہ ہو۔

"کیا پُوچھنا ہے حُرمت کے بارے میں؟" چند لمحے کی خاموشی کے بعد بہت آہستگی سے دریافت کیا گیا تو مَنّت نے اُسکی کپکپاتی آواز پر چہرہ جُھکا کر اُسکا جُھکا سَر دیکھا۔

"یہی کہ وہ کیسی ہے، کہاں ہوتی ہے؟" نظروں کا زاویہ بدل کو اُس نے اپنی آواز کی لرزش پہ بامُشکل قابو پایا۔حدید نے چہرہ اُٹھا کر اب کے براہِ راست اُسکے چہرے کو دیکھا۔

"ٹھیک ہو گی یقیناً۔میں بس اُسکے ہاں سال میں ایک بار جاتا ہوں۔"اُسکی آواز کی آفسردگی پر مَنّت نے کسی قدر تعجب سے اُسکو دیکھا یعنی اُسکا وہم اور دِل کا بیٹھنا بے معنی تھا، صد شکر کہ وہ ٹھیک تھی لیکن حدید کی تو وہ بہترین دوست تھی تو اب وہ سال میں ایک بار کیوں؟

"وہ کہاں ہوتی ہے؟؟ جوش سے آگے آ کر کہتے ہوئے اُس نے حدید کو ٹھٹھکا دیا۔مائدہ کی برسوں پرانی بازگشت کانوں میں گُونجنے لگی کہ مَنّت، حُرمت کی وفات سے واقف ہے یقیناً یہ بھی اُسکا مَنّ گھڑت جُھوٹ ہی تھا۔

"قبرستان میں۔"نگاہوں کا زاویہ بدل کر اُس نے اِتنا آہستہ کہا کہ مَنّت کو لگا شاید اُسکو سُننے میں کوئی غلطی ہوئی ہو۔ششدر ہو کر اُس نے بے یقینی سے بھیگتی آنکھوں کو چُراتے حدید کو دیکھا اور اُسکے الفاظ سمجھ میں آتے ہی اُسکا زماغ بھک سے اُڑ گیا۔

"کیا مطلب؟" بہت دِقتوں سے اُس نے خود کو کہتے سُنا۔حدید نے چہرہ پھیر کر اُسکے حیرات زدہ، ہق دَق سے تاثرات کو دیکھا جو ابھی بھی اُسکی نا سمجھی اور یقین نہ کرنے کو ظاہر کر رہے تھے۔

"آٹھ سال پہلے اُسکی ڈیتھ ہو گئی تھی۔"آں کھوں کا بھیگتا گوشہ آہستگی سے اُنگلی کی پُور سے صاف کرتے ہوئے اُس نے بُوجھل ہوتے دِل سے کہہ کر مَنّت کے سَر پر ساتوں آسمان لا ِگرائے تھے۔

"کیا۔۔۔"اُسکی بے یقین سی چیخ بہت اُونچی تھی۔حدید نے ٹھٹھک کر اُسکی بھیگتی، صدمے سے ششدر ہوتی آنکھوں کو دیکھ کر آہستگی سے ہاتھ اُسکے سفید اور ٹھنڈے پڑتے لرزتے ہاتھ پر رکھا تو کتنے ہی آنسو اُسکے گالوں پر پھسلتے چلے گئے۔کتنے ہی پل خاموشی سے دونوں کے درمیان سے دبے پاؤں گزرتے چلے گئے۔اُسکو سمجھ نہیں آئی کہ وہ کیسے حدید سے پُوچھے کہ حُرمت کی وفات کیسے ہوئی۔ الفاظ سارے جیسے کہیں گُم ہو گئے تھے۔ہمدی کا چہرہ آنکھوں سے سامنے لہرایا تو اُس نے تیزی سے بھیگتی آں کھوں کو بند کر لیا۔وہ تو یہاں کسی اُمید کے تحت آئی تھی۔کیا ہمدی اُسکی وفات کو جانتا ہو گا؟؟

"م۔۔۔میرا مقصد آپکے غم کو تازہ کرنا نہیں تھا۔"بہت آہستگی سے نم آواز میں کہہ کر اُس نے سَر جُھکا لیا۔

"نہیں، کوئی بات نہیں۔یہ غم تو عمر بھر کا ہے۔"اُسکی لرزتی آواز پر مَنّت نے سَر اُٹھا کر اُسکو دیکھا جو نگاہوں کا زاویہ بدل کر گرتے آبشار کو دیکھ رہا تھا۔مَنّت کا دِل اُس اِتنے بڑے صدمے پر پھٹ جانے کو بے تاب ہونے لگا۔سامنے بیٹھے شخص کا دُکھ اُسکے تمام دُکھوں سے کتنا بڑا تھا نہ۔۔۔ہاں شاید؟؟

"کیسے ہوئی؟" کہتے ہوئے مَنّت کو خود اپنی آواز اجنبی محسوس ہوئی تھی لیکن وہ اُسی طرح یک ٹک حدید کو دیکھ رہی تھی جس نے اُسکے سوال پر آنکھوں سے چھلک جانے والے آنسو کو انگھوٹے کی پُور سے تیزی سے صاف کر کے مَنّت کی نگاہوں سے مخفی رکھنا چاہا مگر وہ مَنّت تھی یعنی ہمزاد۔۔۔

"جل جانے سے۔"حدید نے چہرہ جُھکا کر اِتنا آہستہ کہا کہ مَنّت کو قدرے آگے ہو کر اُسکو سُننا پڑا اور یہ سُننا قیامت تھا۔۔۔جل جانے سے، یعنی آگ سے۔ ہمدی بھی تو آگ سے ہی جُھلسا تھا نہ۔یک دَم اُس نے اپنے دماغ کے گھوڑے تیزی سے دُوڑانا شروع کر دیئے۔لیکن حدید کے طویل وقت سے جُھکے سَر نے اُسکے ڈوبتے دِل کو تشویش میں مُبتلا کر دیا۔وہ نہیں جانتی کہ کیسے لیکن اُس نے اپنا سَرد پڑتا ہاتھ حدید کے جُھکے، گھنّے سیاہ بالوں والے سَر کی جانب بڑھا کر بہت آہستگی سے تھپتھپایا اور حدید وہیں ساکن رہ گیا۔اُس لمس میں تسلی بھرا سکون تھا جو دِل میں تیزی سے سرایئت کر کے دِل کو مزید سُوگوار کر گیا اور حدید کی آنکھیں بےاِختیار چھلک گئیں۔

"حدید۔۔"مَنّت نے اُسکے یوں سَر جُھکائے رکھنے پر بہت دھیمے لہجے میں کہا تو حدید نے بامُشکل چہرہ اُٹھا کر اُسکی جانب دیکھا اور مَنّت کے دِل پر گویا ہاتھ پڑا۔۔وہ رہ رہا تھا یعنی وہ مضبوط حدید قوسین جو مَنّت کے لیئے صبر، ضبط اور حوصلے کی علامت تھا وہ شخص بھیگتی آنکھوں سے اُسے دیکھ رہا تھا۔اُن آنکھوں کے درد، تکلیف، دُکھ نے مَنّت کے دِل کو جیسے کسی مُٹھی میں لے لیا۔قدرے آگے کو ہو کر مَنّت نے حدید کا سَر اپنے کندھے سے لگا لیا۔یہ سب لمحے بھر کا کھیل تھا اور یہ اُنکے نِکاح کے بعد پہلی بار تھا کہ مَنّت خود حدید کہ قریب آئی۔رُکتے دِل کے ساتھ حدید نہیں جانتا کہ کیوں لیکن اُسکی آنکھوں سے آنسو تیزی سے پھسلتے چلے گئے اُس سَر کو تھپتھپاتے، تسلی بخش لمس پر۔آں کھیں

مُوندے وہ اپنی بہن کو رُو رہا تھا جسکو حدید قوسین صرف قبرستان میں رُوتا تھا اور اب وہ ایک عورت کے سامنے آنسو رہا تھا شاید وہ خود بھی واقف تھا اِس حقیقیت سے کہ وہ کوئی اور عورت نہیں بالکل اُسکے نکاح میں ہے، اُسکی محرم۔۔۔اُسکی مَنّت۔۔۔

مُجھے خبر ہے کہ وہ دُنیا نہیں مُحبت ہے

میں اُسکے سامنے کچھ بھی نہیں چُھپاتا ہوں۔۔۔

"شہسوار بھائی کیسے ہیں؟" کچھ یاد آ جانے پر اُسکو یوں ہی تھپکتے ہوئے مَنّت نے قدرے آہستگی سے سَر جُھکا کر کہا۔حدید کے آنسو تیزی سے ٹھہر گئے لیکن مَنّت کا نرم، تسلی بھرا شانے پر پڑے ہاتھ نے اُسکو پیچھے ہونے کی اجازت نہیں دی تھی اور وہ خود بھی شاید کچھ پَل اُس ٹھنڈی چھاؤں، اُس دِل کو زندہ کرتے ہلکے میں رہنا چاہتا تھا۔

"معلوم نہیں۔"اُسکی مدھم سی آواز پر مَنّت یک دَم ٹھٹھک گئی۔سماعتوں کو جیسے حدید کے جواب پر شبہ سا ہوا۔اُسکی اِس قدر حیرت پر حدید نے چہرہ اُٹھا کر اُسکو دیکھا جو حیران سی چُہرہ جُھکائے حدید کے جُھکے سَر کو دیکھ رہی تھی حدید کے یوں اچانک سَر اُٹھانے پر اُسکی سانس تک ساکن ہو گئی۔اِتنے قریب سے وہ چہرہ دیکھنا حدید قوسین کے دِل کے لیئے آج بھی ایک اِمتحان ہی تھا۔وہ روشن بُھوری آنکھیں دھوپ پڑنے کے باعث شیشے کی طرح دھمک کر حدید کے دِل کو عجیب سی کیفیت سے دُوچار کر گئیں۔حدید کو یوں دیکھتے پا کر اُسکی لانبی، مُڑی ہوئی پلکیں تیزی سے گالوں پر سایہ فگن ہو گئیں۔ اُسکو یوں اِردگرد سے بیگانہ اِتنے قریب سے اپنی جانب جاں فشانی سے متوجہ پا کر مَنّت کا دِل گویا کانوں میں آ کر دھڑکنے لگا تو مَنّت نے تیزی سے اُسکے شانے پر سے اپنے ہاتھ ہٹا لیئے۔اُسکی

بوکھلاہٹ پر حدید کے چہرے کو مدہم، سُوگوار مگر پُرکشش سی مُسکراہٹ چُھو گئی۔اُسکے گلابی پڑتے چہرے کو دیکھ کر حدید مُسکراہٹ دبا کر قدرے پیچھے ہو گیا اور مَنّت کی کب کی رُکی سانس بحال ہو گئی۔

اُسکو دیکھا تو مصّور سے میرا ربط بڑھا
میں نے اُس شخص میں قدرت کے نظارے دیکھے۔۔۔

"شہسوار بھائی کیسے ہیں؟" مَنّت نے دوبارہ وہی سوال کچھ یاد آ جانے پر کیا تو حدید نے ٹھٹھک کر اُسکے گلابی پڑتے اُلجھے چہرے کو دیکھا۔

"حُرمت کی ڈیتھ کے بعد سے ہمیں نہیں معلوم کہ وہ کہاں گیا۔اِنفکٹ میں نے اُسکو ہر جگہ ڈھونڈا مگر وہ بھی تمہاری طرح کہیں دُنیا کی بھیڑ میں گُم ہو گیا۔" نظروں کا زاویہ بدل کر اب کے اُس نے تفصیلاً کہا تو مَنّت کا دِل کسی خیال سے ڈوب کر اُبھرا۔اُس نے چُور نظر حدید پر ڈال کر اپنے سیل فون کو دیکھا۔

"حدید۔" اُسکی پُرسوچ آواز پر حدید نے چہرہ پھیر کر اُسکو دیکھا۔وہ نہیں جانتی تھی لیکن وہ جب بھی حدید کو اُسکے نام سے پُکارتی حدید کا رُواں رُواں ہمہ تَن گُوش ہو کر اُس مدہم لیکن مُحبت بھری پُکار کی جانب محو ہو جاتا تھا اب بھی نتیجہ اُس پُکار پر حسبِ سابق نِکلا۔

"شاید میں جانتی ہوں شہسوار بھائی کہاں ہیں۔" اُسکی بات پر حدید کا ذہن بھک سے اُڑ گیا۔اُس نے بے یقینی سے سے آگے کو ہو کر بغور مَنّت کے سنجیدہ لیکن جمع تفریق کرتے انداز کو دیکھا۔

"ک۔۔۔کیا کہہ رہی ہو تم، تم نے تو کبھی شہسوار کو دیکھا تک نہیں پھ۔۔۔پھر کیسے؟؟" وہ نہیں جانتا تھا لیکن اُسکی آواز انہونی خوشی، اُمید اور آس سے ڈگمگا رہی تھی جسے مَنّت نے صاف محسوس کیا۔

"ہاں میں نے کبھی نہیں دیکھا شہسوار بھائی کو شاید اِسی لیئے مُجھے اُنکو پہچاننے میں سات سال لگ گئے۔" اُسکی ناقابلِ فہم سی باتوں پر حدید نے بے چینی سے ہاتھ مَسلتے ہوئے اُسکو دیکھا جو اب سیل فون کھنگال رہی تھی۔

"مَنّت مُجھے پُوری بات بتاو۔اِیسے میرے دِل کے ساتھ مت کھیلو۔" اُسکے ہاتھ سے سیل فون اُچکتے ہوئے اُس نے بے صبری سے کہا تو مَنّت اُسے دیکھ کر رہ گئی۔

"وہی دِکھا رہی ہوں آپکو، مُجھے ابھی 90٪ شک ہے۔باقی کے دس فیصد کی تصدیق آپ تصویر دیکھ کر کریں گے۔" اُسکے عجیب اِنویسٹی گیٹروں والے انداز پر حدید نے بغور اُسکو دیکھا جس نے حدید کے ہاتھ سے سیل لے کر جلدی سے تصویر کھول کر اُسکے سامنے لہرائی لیکن حدید یونہی اُسکو دیکھ رہا تھا۔اندر تک اُترتی نظروں سے۔

"مُجھے نہیں سیل فون کو دیکھیں۔" دوبارہ سے اُسکے آگے سیل لہراتے ہوئے کہا گیا تو حدید کی آنکھیں میکانکی انداز میں سکرین کی جانب سرسَری سی اُٹھیں اور اُسی تیزی سے سکرین کو چُھو کر پلٹتی آنکھیں ساکن رہ گئیں۔

"کوئی اور تصویر ہے۔" اُس اندھیرے میں بنائے گئی قدرے دُھندلی تصویر جسکا نیم رُخ کیمرے کی جانب تھا کو دیکھتے ہوئے حدید نے مدھم آواز میں کہا تو مَنّت نے سَر ہلا کر سل فون کا رُخ اپنی جانب کیا لیکن حدید یونہی ساکن سا بیٹھا رہا۔

"وہ تصوریں نہیں بنواتے لیکن یہ میں نے اُن سے چُھپ چُھپا کر لی تھی۔" دوسری تصویر نِکال کر اُس نے سَر اُٹھا کر حدید کو دیکھا جو ابھی تک یوں ہی خلا میں یَک ٹک دیکھ رہا تھا۔ مَنّت نے پریشان ہو کر اُسکی آں کھوں کے آگے ہاتھ لہرایا۔

"حدید، کیا ہوا؟؟" اُسکو معلوم نہیں ہوا لیکن وہ اپنے برسوں پرانے انداز میں تکلف کی دیواریں گِرا کر اب اُسکے لیئے فکرمند ہو رہی تھی۔ چونک کر حدید مدھم سا مُسکرا کر نفی میں سَر ہلانے لگا لیکن مَنّت بغور اُسکے زرد پڑتے چہرے کو دیکھ رہی تھی۔

"تصویر دِکھاؤ۔" اُسکے بے چین انداز پر مَنّت نے سَر ہلاتے ہوئے اُسکی جانب سیل بڑھایا تو حدید نے کانپتے ہاتھوں سے وہ سیل فون تھام لیا۔ اب وہ مکمل یکسُوئی سے سکرین پر اُبھرتے چہرے کو دیکھ رہا تھا اور مَنّت بغور اُسکو۔ لمبے شانے تک آتے بال، سیاہ قمیض شلوار، قدرے بڑھی ہوئی شیو اور مضبوط سراپے کے ساتھ سکرین میں موجود شخص حدید کے دِل کی دھڑکن رُوک گیا تھا۔ وہ بدل چکا تھا لیکن اُن آنکھوں کا تاثر جہاں نہ زندگی کی کوئی رمق تھی اور جو اُسکی مدھم مُسکراہٹ کا ساتھ بالکل نہیں دے رہی تھیں نے حدید کو ساکن کر دیا۔ اُس چہرے پر جو سب سے زیادہ چیز نمایاں تھی وہ تھا اُسکا بالکل ایک سائیڈ سے جُھلسا ہوا ہلال کے چاند کی مانند نشان۔ جسکے جُھلسنے کی تکلیف حدید نے آج چُوتھی بار بھی محسوس کی تھی۔ ہاں پہلی بار تب جب وہ مَنّت کو ہامان کے شکنجے سے لایا تھا پھر پاسپٹل

میں اور تیسری بار ہمزاد کے ہمراہ شخص کی وہ جھلسی ہوئی کلائیاں۔اُسکا دِل اُس چہرے کو دیکھ کر نہ جانے کتنے ہی زینے نیچے پھسلتے چلا گیا۔

" یہ کون ہے؟؟" حدید کے سَرسَراتے لہجے میں پُوچھے جانے والا سوال اُسکے چہرے کے تاثرات سے بالکل برعکس تھا۔مایوسی سے خالی ہوتے دِل سے مَنّت نے چہرہ جُھکا کر پھر سے حدید کی سوالیہ نظروں کو دیکھا

"یہ میرے حمدان بھائی ہیں جنکو میں اور بابا جان پیار سے ہمدی کہتے ہیں۔"حدید کی ششدر سی پھیلتی آنکھوں کو دھڑکتے دِل سے دیکھتے ہوئے اُس نے آہستگی سے کہا جیسے وہ حدید کی حیرت نہیں توڑنا چاہتی ہو اور حدید کے ہاتھ سے یک دَم سیل فون سِلپ ہو کر اُسکی گود میں جا گِرا۔اِس سے پہلے کہ مَنّت کچھ سمجھتی، کچھ پُوچھ پاتی حدید نے ہاتھ آگے بڑھا کر اُسکو تیزی سے کھینچ کر اپنے کاندھے سے لگا لیا۔یہ سب پَل بھر میں ہوا تھا اور مَنّت ششدر سی اُسکی بےیقین گرفت کو لمحہ بہ لمحہ اپنے گرد تنگ ہوتا دھڑکتے دِل سے محسوس کر سکتی تھی۔

"یہ شہسوار ہے مَنّت۔"اُسکے حجاب کے ہالے میں مُقید کان پہ اپنے ہونٹ رکھتے ہوئے اُس نے شدتِ جذبات سے بےحد بُوجھل، خوشی سے کھنکتے بےیقین لہجے میں کہا۔اُسکا لہجہ سماعتوں میں اِتنے قریب سے سُننے پر اُس نے بےیقینی سے آنکھیں کھُولیں اور وہ نہیں جانتی کہ کیوں مگر اپنے اندازے کا یوں عین نشانے پر لگ جانے نے اُسکی آنکھوں کو بھگو ڈالا۔آنکھیں مُوند کر یونہی اُسکے شانے سے لگے مَنّت نے اپنے دونوں ہاتھ پیچھے کر کے حدید کی پُشت پر پھیلاتے ہوئے مُحبت سے تھپکے تو

اُسکے اِس قدر دِلفریب انداز پر حدید نے چہرہ جُھکا کر اُسکی صبیح پیشانی پر اپنا مُحبت بھرا لمس چُھوڑ دیا۔ آج سارے گلے، سب شکائیتں، ہر دُکھ، ہر غم اور سارے ہی فاصلے اپنی موت آپ مَر گئے تھے۔

ورنہ ایسا بھی کوئی خاص نہیں ہے جینا

تیری خوش بخت رفاقت ہو تو جی لے کوئی۔۔۔

------@--------@--------@-------@--------@-------

"مُاجی! تم مُجھ سے اِتنی بڑی بات کیسے چُھپا سکتے ہو؟؟" تیزی سے اِدھر اُدھر چکر کاٹتے ہوئے وہ حقیقتاً مُجدہد کو پریشان کر رہی تھی۔وہ جب سے آئی اِسی طرح پریشان اور متفکر سی اِدھر اُدھر بس ٹہلے چلی جا رہی تھی۔مُجاہد نے ٹانگوں سے اُٹھتی ٹِھیسوں کو دباتے ہوئے بامُشکل سَر اُٹھا کر مائدہ کو دیکھا جسکی بے چینی اور پریشانی سمجھ سے باہر تھی۔

"اب تم کچھ بتاؤ گی بھی مُجھے؟ یا پریشان کرنا ہے؟" نقاہت بھری آواز پر اُس نے چہرہ پھیر کر مُجاہد کو دیکھا تو یَک دَم اُسکی تشویشناک حالت کا اِحساس ہوا۔دھڑکتے دِل کو تھپک کر وہ آہستگی سے مُجاہد کے پاس آئی اور لمحے بھر کو سُوچا کہ اِس حالت میں یہ بات کرنا مُناسب ہے یا نہیں۔

"یہی کہ حدید زندہ ہے۔"مدہم، سرسراتے انداز میں کہہ کر اُس نے مُجاہد کو دَنگ کر دیا اور وہ کتنے ہی لمحے بے یقینی سے چہرہ اُٹھائے اپنی بہن کے عجیب ناقابلِ فہم سے تاثرات دیکھ رہا تھا۔اور وہ دونوں اِس بات سے غافل تھے کہ دروازے کی دوسری جانب اندر آتے سُفوان، دانیال، سیف، ارحم اور احمر مائدہ کی مدہم آواز پر دروازے کے باہر ہی ساکن ہو گئے۔ارحم نے بے یقینی سے پھیکا پڑتا چہرہ

گھما کر اپنے باقی بھائیوں کو دیکھا جنکا حال بھی کم و بیش اُسی جیسا تھا یہ اِنہونی سُن کر لیکن سُفوان کی حالت اُن سے مُختلف تھی شاید وہ خود بھی اِس حقیقت سے بے خبر تھا۔

"ت۔۔۔ تمہیں کِس نے کہا؟؟ اندر سے آتی مُجاہد کی مُتفکر اور کسی حد تک خوفزدہ سی آواز پر اُن سب نے ایک دوسرے کی جانب دیکھا سوائے سُفوان کے وہ یونہی دروازے کے ہینڈل پر نظریں گاڑے ساکن تھا۔

"آج میں نے اِنہونی دیکھی ہے ماجی یعنی جس حدید کی موت پر شکرانے کے طورپر ہم دونوں نے فاتحہ بھی نہیں پڑھی تھی اُس حدید کو مَنّت کے ساتھ دیکھا۔"وہ نہیں جانتی تھی لیکن اُسکے لہجے میں صاف حسد یا نفرت کی تپش محسوس کی جا سکتی تھی جبکہ سُفوان کے پیروں سے زمین حقیقتاً اُس خبر پہ سِرک گئی تھی۔اُسکے لڑکھڑانے پر سیف نے تیزی سے آگے ہو کر اُسکو سہارا دیا۔وہ خود حیرت سے اپنی بڑی بھابھی کے لہجے کی عجیب سی آنچ دیتی نفرت کو سُن رہے تھے۔اِس سے زیادہ سُننے کا یارا سردار سُفوان ولّی خان میں نہیں تھا۔دوسروں کا ضبط آزمانے والے کا خود کا ظرف محض چٹکی بھر تھا۔ شاید وہ خود بھی مائدہ کی طرف سے کسی اُنہونی سُننے کی چاپ کو ایک طویل عرصے سے محسوس کرنے کے باوجود نظرانداز کر رہا تھا۔آج اُسکی لہجے کی نفرت اُس اُنہونی کی جانب پہلا قدم ثابت ہو رہی تھی لیکن وہ اِس بات سے اَنجان تھی۔تیزی سے پلٹ کر اُس نے اپنے باقی چھوٹے بھائیوں سے سہی معنوں میں آنکھیں چُرائیں تھی۔اِتنے برسوں بعد مَنّت کا نام سُننا اُن بے حس نظر آتے بھائیوں کے دِل کی دھڑکن رُوک گیا۔لیکن اِس سے پہلے کہ وہ مزید پلٹ کر قدم بڑھا کر وہاں سے دُور جاتا

سامنے سے آتے دو نفوس کو دیکھ کر اُن پانچوں بھائیوں کے رنگ لٹھے کی مَانند سفید ہو گئے اور سانس نہ جانے کہاں غائب۔۔۔۔

-----@-------@---------@--------@---------@------

"بابا جان سے مِل کر تمھیں کیسا لگا؟؟" گاڑی چلاتے ہوئے اُس نے سکون سے آں کھیں مُوند کر پسنجر سیٹ کی پُشت سے ٹیک لگا کر بیٹھی مَنّت کو کہا جس نے تیزی سے آں کھیں کھُول کر حدید کو دیکھا اور پھر اُن آنکھوں کی چمک دیکھ کر اُسکا دِل تمانیت سے دھڑکا تھا۔

"میں بابا جان کو پہلے سے جانتی ہوں حدید۔وہ مُجھ سے ہمیشہ مُحبت کرتے آئے ہیں۔"مُسکراہٹ دَباتے ہوئے کہہ کر اُس نے جیسے حدید کے اِشتیاق کے غبارے سے ہوا نکالنی چاہی تھی۔

"نہیں یار، مطلب پہلے تم اُنکو پروفیشنلی جانتی تھی نہ تو اب اپنے سُسر کے روپ میں کیسے لگے؟؟" اُسکے بچوں جیسے اِشتیاق پر مَنّت اپنی کِھلکھلاتی ہنسی پر قابو نہیں رکھ سکی تھی۔اُسکی کھنکتی، سماعتوں کو مَسرور کرتی مُسکراہٹ پر حدید نے چہرہ پھیر کر کسی قدر حیرت سے اُسکو دیکھا۔یہ آٹھ سال کے طویل وقفے کے بعد حدید قوسین اُس رُوح کو معطر کرتی ہنسی کو سُن رہا تھا اور یہ اِحساس دِلفریب تھا حدید کو تسلیم کرنا پڑا اور ساتھ ہی اُس نے تیزی سے یَک دم بریک پہ پاؤں رکھا اور وہ جو آنکھیں مُوندے ہونٹوں پر ہاتھ رکھے بے تحاشہ ہنسنے پر مجبور تھی۔اِس ناگہانی جھٹکے پر اُس نے تیزی سے آں کھیں کھُول کر تفکر سے حدید کو دیکھا جو یک ٹک اُسے یوں بیچ میں جیپ رُوکے دیکھ رہا تھا۔گُو کہ وہ عام لوگوں کی طرح اِیسے خوفزدہ ہو کر گھبرائی نہیں تھی لیکن حدید کے یوں بے خود سے انداز نے ضرور اُسکو متفکر کر دیا تھا۔

"حدید کیا ہوا؟؟" اُسکی آواز پر حدید جیسے کسی خواب جیسے طلسم سے آواز ہوا۔ نگاہوں کا زاویہ بدل کر اُس نے اِرد گرد دیکھ کر اپنی جانب متفکر سی دیکھتی مَنّت کو دیکھا اور پھر اپنا ہاتھ بڑھا کر اُس نے اُسکی گود میں پڑا اُسکا دائیاں ہاتھ تھام لیا۔ مَنّت نے چونک کر اُسکے عجیب طرح سے دِل کو دھڑکتے انداز کو دیکھا اور پھر اپنے ہاتھ کو جسے وہ کسی قیمتی متاع کی طرح مضبوطی سے تھامے اب اپنے دِل کے مقام پر رکھ چکا تھا۔ نا سمجھی سے اُس نے حدید کو دیکھا جو سحر زدہ سا ہو کر اُسے دیکھ رہا تھا۔

"میں آئیندہ ڈرائیونگ کر رہا ہوں تو اِیسے مت ہنسنا مَنّت۔ میں خود کو بھی بُھولنے لگتا ہوں۔" اُسکی مدہم، سرگوشی نما اِلتجا پر اُسکی پلکیں تیزی سے لرز کر رُخساروں پر سایہ فگن ہو گئیں اور حدید مبہوت ہو کر یہ منظر دیکھ رہا تھا۔ وہ نئے سِرے سے سحر میں جھکڑ لینے کی صلاحیت رکھتی تھی۔ مَنّت کے لرزتے، سَرد پڑتے ہاتھ کے نیچے اُسکا مضبوط دِل اپنی عام رفتار سے کہیں زیادہ تیزی سے دھڑک دھڑک کر مَنّت کے چہرے کو یوں سُرخ کر رہا تھا گویا سارا خون اُسکے چہرے پر چھلک آیا ہو۔ دفعتاً پیچھے سے اچانک سے بج اُٹھتے ہارنز نے اُن دونوں کو اُس تمام منظر پہ چھاتے سُنہری طلسم سے آزاد کیا تھا۔ اپنا ہاتھ تیزی سے کھینچ کر اپنی گردن پہ پھیرتے ہوئے وہ دھڑکتے دِل کے ساتھ باہر اپنی دِلچسپی تلاش کرنے لگی اور حدید نے گہرا سانس لے کر اپنی مُسکراہٹ دباتے ہوئے جیپ دوبارہ سے سٹارٹ کر کے منزل کی جانب رواں کر دی۔

"تم جانتی ہو مَنّت میں نے تمہیں پہلی بار کہاں دیکھا تھا؟؟" لمحے بھر کی خاموشی کو حدید کی مُسکراتی آواز نے توڑا تو مَنّت نے نا سمجھی سے حدید کو دیکھا جسکی آنکھیں اِس سوال پر بے اِنتہا دھمک رہی تھیں۔

"ظاہر ہے دامنِ کوہ میں جب میری مدد کی تھی آپ نے۔"اُسکو مُسکراتے چہرے کے ساتھ گاڑی پوری یکسُوئی سے چلاتے دیکھ کر اُس نے قدرے حیرانگی سے کہا جیسے وہ اِس سوال کا مطلب نہیں سمجھی۔ گال ابھی بھی حدید کی جُراءت پر بے تحاشہ سُرخ ہو رہے تھے۔

"ظاہر تو نہیں ہے۔"اُسکے شریر انداز پر مَنّت کا ماتھا ٹھنکا اور اُس نے اب کے پُورا حدید کی جانب گُھومتے ہوئے اُسکو مشکوک نظروں سے دیکھا۔

"وضاحت کریں اِس بات کی؟؟" نروٹھے اور مشکوک انداز میں کہتے ہوئے اُس نے حدید کو قہقہ لگانے پر مجبور کیا تھا۔اور اُس کے مُسکراتے چہرے سے نظر چُرا کر اُس نے تیزی سے نگاہوں کا زاویہ بدل کر سامنے دیکھنا شروع کر دیا۔اِس طرح بات کو طُول دیتی، رُوٹھتی، مشکوک ہوتی مَنّت کو دیکھ کر اُسکے ہاسپٹل کا سٹاف تو یقیناً پاگل ہو جاتا لیکن ہمدی اور یاور صاحب نے بھی ضرور ہق دق رہ جانا تھا۔

" وہ تم نے مُجھے پہلی بار دیکھا تھا لڑکی۔"مُوڑ کاٹتے ہوئے جیسے اُس نے مَنّت کے تجسس سے حظ اُٹھایا اور مَنّت اِس بات پر حقیقتاً حیرت ذدہ رہ گئی۔

"کیا مطلب، کیا کہہ رہے ہیں؟ کیا آپ مُجھے پہلے سے جانتے تھے؟؟" اُسکو سمجھ نہیں آئی لیکن اُسکا حیران چہرہ بےوقوف بنائے جانے کے اِحساس سے روہانسا ہو رہا تھا۔حدید نے مُسکراتی نظروں سے اُسکے برسوں پرانے والے انداز کو دیکھ کر اپنے خوشی سے پھیلتے دِل کو تسلی رکھنے کا اندیہ دیا تھا۔

"تمہاری اِسی ہنسی پہ پہلی نظر میں اپنا دِل ہار بیٹھا تھا میں، بیگم صاحبہ۔"اُسکے شریر انداز پر مَنّت نے سہی معنوں میں اُلجھ کر اُسکو دیکھا جو جیسے پھر سے اُسی منظر کو تصور میں لا کر جی رہا تھا۔

"ہیں۔ہم تو جب پہلی بار مِلے تھے تب میں نے رُو رُو کر خوف سے اپنے نقشے بگاڑ لیئے تھے اور میرا حلیہ بھی بھاگنے کی وجہ سے دوسری نظر ڈالے جانے کا مُستحق نہیں تھا حدید۔"یوں اُسکی جانب مُڑتے کر ایک ایک لفظ پہ زور دیتے ہوئے وہ جیسے اُسے اپنی پہلی مُلاقات کو ذہن میں تازہ کر دینے کے درپے تھی۔

"وہ تمہاری جانب سے پہلی بار تھا میری جان، میری تو کب کی نظریں تم پر ہی تھیں اور تمہیں پریشانی میں دیکھ کر تب تمہیں ایمپریس کرنے کو کود پڑا تمہارے سامنے۔"حیران سی مَنّت اُسکے ترزِ تخاطب پر بُری طرح جھینپ گئی۔

"پھر بتائیں پہلی بار کب دیکھا؟؟" ماحول کا تاثر زائل کرنے کو وہ تیزی سے بولی تو حدید کی آنکھیں چمک اُٹھیں۔

"راولپنڈی میڈیکل کالج میں۔"پُراِسرار انداز اور مُسکراتی آنکھوں سے اُس نے مَنّت کو ورطہِ حیرت میں ڈال دیا۔وہ اِسیے ہی نا مسجھی سے حدید کو دیکھتی رہی تو حدید نے اُسکی اُلجھی حیران آنکھوں کو جن مُسکراتی، شریر نظروں سے دیکھا تھا مَنّت تپ اُٹھتے گالوں کے ساتھ تیزی سے نگاہوں کا زاویہ بدل گئی۔

"گھر آنے والا ہے اِس لیئے شرافت سے مُجھے بتا دیں کہ کب پہلی بار دیکھا تھا۔"گاڑی ہمدی کے گھر کے قریبی راستوں پر گامزن دیکھ کر اب کے اُس نے تنبیہی انداز میں کہا تو حدید نے مُسکراہٹ دبا کر بےاِختیار اثبات میں سَر ہلایا۔

"ہوا کچھ یوں تھا بیگم کہ زاور نے آرمی کا ٹیسٹ دینا تھا تو مُجھے اُسکی چھوٹی بہن کے داخلے کے لیئے میڈیکل کالج آنا پڑا اور میری خوش قسمتی ہی سمجھ لو کہ میرے جاتے قدم کسی کی شفاف، مسحور کرتی آواز نے ساکن کر دیئے تھے شاید ہمیشہ کے لیئے اور جب میں پلٹا تو وہ لڑکی درخت کے ساتھ ٹیک لگائے، بند آنکھوں کے ساتھ ہونٹوں پہ ہاتھ رکھے مدھم سا ہنس رہی تھی۔" مَنّت خوشی اور وفورِ مُحبت سے عین سامنے دیکھتے ہوئے حدید کے اِنکشافات کو بغور سُن رہی تھی۔

"اور پھر بعد میں اُسکو میں نے ایک بے بس، مجبور لڑکے کو تسلی دیتے دیکھا جسکا نام شاید زمان تھا لیکن وہاں اُسکو دیکھ کر مُجھے اِیسا محسوس ہوا جیسے میں دوبارہ ضرور مِلوں گا اِس لڑکی سے یا پھر مِلنا چاہوں گا۔" مزے سے کہتے ہوئے اُس نے 'زمان' کے ذکر پر ایک چُور نظر مُسکراتی مَنّت پر ڈالی جسکی مُسکراہٹ وہ نام سُن کر حسبِ نتیجہ تیزی سے سِمٹ گئی اور اُس نے نگاہوں کا زاویہ بدل کر باہر کے بھاگتے دُوڑتے مناظر پہ اپنی سخت ہوتی نگاہیں جما لیں۔اُن آنکھوں میں اچانک سے دَر آنے والی پہلے جیسی سختی محسوس کر کے حدید کا دِل بے ساختہ چند زینہ نیچے پھسلا تھا۔آخر اِیسا کیا کیا تھا اُس زمان نے؟ فلحال حدید یہ پُوچھ کر اپنی اور مَنّت کی برسوں بعد ہاتھ آتی خوشی کو خاک میں نہیں مِلانا چاہتا تھا۔

"اِس بلڈِنگ میں رہتا ہے وہ۔" سامنے چھوٹے چھوٹے بنے اپارٹمنٹس دیکھ کر حدید نے جیپ رُوکتے ہوئے کہا تو مَنّت نے کسی قدر چونک کر سامنے دیکھا اور پھر اَثبات میں سَر ہلا کر باہر نکل آئی تو حدید نے بھی دھڑکتے دِل کے ساتھ اُسکی تقلید کی۔

" یہاں وہ کبھی کبھی آتے ہیں جب تنہائی کی ضرورت ہو ورنہ زیادہ تر بابا جان اور میرے ساتھ ہوتے ہیں۔" سردی کا احساس ہوتے ہی اُس نے کاندھوں پر پہنی حدید کی سیاہ جیکٹ کو مضبوطی سے اپنے گِرد لپیٹ کر اُس عمارت کی جانب بڑھتے ہوئے آہستگی سے نگاہ جُھکا کر چلتے حدید کو دیکھ کر کہا جس نے جواب میں کچھ کہا نہیں تھا اور اُسکی کیفیت مَنّت اِس وقت سمجھ سکتی تھی۔ مطلوبہ دروازے پر پہنچ کر اُس نے سامنے بنے چھوٹے سے مُونیٹر پر تیزی سے پاسورڈ درج کیا اور دروازہ ایک کلِک کے ساتھ اَن لاک ہو گیا۔ دروازہ وا کر کے اندر قدم رکھتے ہوئے اُس نے پلٹ کر ساکت کھڑے حدید کو پلٹ کر دیکھا اور پھر گہرا سانس لے کر آگے ہوتے ہوئے اُسکا ہاتھ تھام کر اندر اپنی سِمت کھینچ کر ہلایا تو وہ چونک گیا۔ اِردگرد نگاہ دُوڑاتے ہوئے وہ قدرے حیرانگی سے اُس ویران اور اندھیرے میں ڈوبے فلیٹ کو دیکھ رہا تھا جو یہ تاثر دے رہا تھا کہ یہاں کوئی مکین نہیں۔ مَنّت کو یونہی آرام سے بغیر اِدھر اُدھر ٹٹول کر چلتے دیکھ کر وہ بغور اُسکی آرام دہ چال دیکھ رہا تھا۔ وہ اِیسے چل رہی تھی گویا اُسکی پرانی عادت ہو یوں اندھیروں میں چلنے کی اور اب وہ دیکھ سکتی ہو اُس سیاہی میں۔

" تم کافی آرام دہ انداز میں اندھیرے میں چلتی ہو اب تو۔" حدید کی مدھم آواز پر اُس نے پلٹ کر دیکھا جہاں وہ اُس گھٹاٹوپ اندھیرے میں بھی آواز کی مدد سے حدید کی موجودگی کا تعین کر سکتی تھی اور پھر اُسکو جواب دینے سے قبل اُس نے اندازے سے سوئچ بورڈ پہ ہاتھ مارا اور پورا ہال روشنیوں میں نہا گیا۔

" یہاں اور اپنے گھر کے اندھیرے میں گُھومنے پھرنے کی عادت ہو گئی ہے اب۔" یونہی مصروف سا کہہ کر اب وہ بند کمرے کا دروازہ کُھول کر اندر جھانک کر واپس حدید کی جانب پلٹی۔ وہ جو بغور اُسکو

دیکھ رہا تھا تیزی سے نگاہوں کا زاویہ بدل کر اُس سادہ سے ہال کو دیکھ رہا تھا جہاں اور کوئی غیر ضروری سامان نہیں تھا۔

"وہ کہاں ہے؟؟" حدید کی بے چین، دھیمی آواز پر سیل فون نکالتی مَنّت نے ٹھٹھک کر اُسکو دیکھا جسکی آواز کی لرزش مَنّت سے مخفی نہیں رہی تھی۔

"میں ابھی کال کر کے بُلاتی ہوں۔" تیزی سے اُسکی کال مِلا کر اُس نے ایک نظر حدید کی بے چینی دیکھی اور پھر کال سپیکر پہ ڈال دی۔ حدید دھڑکن تک رُوکے بیل کو دوسری جانب جاتے سُن رہا تھا اور پھر۔۔۔۔

"اسلام و علیکم مَنّت۔" دوسری سِمت سے آتی انتہائی مدہم آواز پر حدید نے ساتھ موجود کچن کاونٹر کا سہارا لے کر بامُشکل شاید خود کو ڈھے جانے سے بچایا تھا۔ مَنّت نے سُوگواری سے حدید کے زرد پڑتے چہرے کو دیکھا۔ ہاں مَنّت کو یاد تھا کہ شہسوار حدید کے لیئے کس قدر اہمیت رکھتا تھا۔ وہ صرف اُسکی لاڈلی، جُڑواں کا شوہر ہی نہیں اُسکا بچپن کا بیسٹ فرینڈ، اُسکا ہمراز اور کزن تھا۔

"ہمدی بھائی کہاں ہیں اِس وقت؟؟" ایک نظر حدید پہ ڈال کر اُس نے بڑھتی خاموشی کو تیزی سے توڑا تھا۔

"میری بہن! یہ سوال مجُھے تم سے کرنا چاہیے، ہو کہاں تم آخر۔ بابا جان کو بھی پریشان کر رکھا ہے۔" اُسکی آواز میں پنہاں مُحبت، سنجیدگی، ٹھہراؤ گزرے برس بھی ختم نہیں کر سکے تھے۔ اُسکی تفکر پر مَنّت کے چہرے کو بڑی بھلی سی مُسکراہٹ چھُو گئی تو بےاِختیار حدید کو یاد آیا اُس نے جب بھی مَنّت کو مُسکرا کر سیل فون پر بات کرتے دیکھا تو یقیناً دوسری جانب یہی موجود ہو گا۔

"میں فلیٹ پہ ہوں، کسی سے مِلوانا تھا آپکو۔ آپ کہاں ہیں؟؟" مَنّت کی بات پر اُسکا گہرا سانس اور پھر حیرت بھری 'کیا' نے مَنّت کو کان پر انگلی رکھنے کر مسکرانے پہ مجبور کر دیا لیکن حدید ضرور حیرت زدہ رہ گیا اِس قدر شدید ردِ عمل پر۔

"تم ہوش میں تو ہو نہ لڑکی، کِس سے مِلوانا ہے؟ بھروسے کا آدمی تو ہے نہ؟؟" وہ جب بولا تو اُسکے لہجے کے خدشات نے حدید کے چہرے پر دِلگرفتہ سی مسکراہٹ اُجاگر کر دی تھی۔

"اچھا تو اب آپ میرے ساتھ اُستادی کریں گے۔ بھئی ظاہر ہے کوئی قابلِ اعتماد انسان ہے تبھی تو آپ سے مِلوانا چاہ رہی ہوں۔" مَنّت کی بات پر حدید نے ٹھٹھک کر اُسکو دیکھا لیکن اُسکے اگلے جملوں نے اُسکو خوشگوار سے احساس میں دھکیل دیا تھا۔

"نہیں اُستاد تو تم ہی رہو گی ہمیشہ اور تمہارا تجربہ بھی زیادہ ہے۔ سہی ہے پھر میں بابا جان کے گھر ہوں تم بھی آ جاؤ۔" بہت مدھم، مسکراتے لہجے میں وہ گویا جمع تفریق کر کے کہہ رہا تھا اور اُسکی کہی گئی بات نے مُسکراتے ہوئے حدید کے کان کھڑے کر دیئے تھے۔ مَنّت نے ایک تیز نگاہ چونکتے حدید پر ڈالتے ہوئے کال سپیکر سے ہٹا سیل کان سے لگا لیا۔ حدید سے اُسکی بوکھلاہٹ سے بے نیاز تیزی مخفی نہیں رہی تھی۔

"ٹھیک ہے پھر ہم آ رہے ہیں، حریم کسی ہے؟؟" الوادعی کلمات کہنے سے پہلے اُس نے کسی کی خیریت دریافت کی تو حدید ٹھٹھک کر اُسکو دیکھنے لگا اور اُس نے مسکراتے ہوئے کال کاٹ کر حدید کو دیکھا جو ہونٹوں پر دو اُنگلیاں رکھے اُسکی جانب ہی متوجہ تھا۔

"چلیں، پھر ہمیں اب کہیں اور چھاپا مارنا ہو گا۔" محضوظ لہجے میں کہہ کر اُس نے حدید کو بھی مُسکرانے پر مجبور کر دیا۔ فلیٹ سے باہر نکلتے ہوئے وہ دونوں آگے پیچھے وہ تنگ سی سیڑھیاں اُتر رہے تھے۔

"حریم کون ہے؟؟' حدید کے سوالیہ اُلجھے انداز پر مَنت جو آخری زینے پر تھی، ٹھہر کر پلٹی اور وہ جو یوُنہی سَر جُھکائے نیچے آ رہا تھا اُسکے ساکن قدم دیکھ کر اوپر دیکھنے لگا جو اُسکو ناقابلِ فہم انداز سے دیکھ رہی تھی۔

"حدید مُجھے آپکو کچھ بتانا ہے۔" دونوں ہاتھ باہم مَسلتے ہوئے اُس نے جس انداز میں اُلجھ کر کہا، حدید کا دِل بے ساختہ اپنی دھڑکن بُھولنے لگا۔ وہ کچھ کہہ نہیں پایا لیکن وہ مَنّت کی سِمت ریلنگ پر ہاتھ رکھے سوالیہ، خوفزدہ نظروں سے متوجہ تھا۔

" ہمدی بھائی میرا مطلب ہے کہ شہسوار بھائی کا قدرے تھوڑا سا چہرہ اور ہاتھ کلائیوں سے جلے ہوئے ہیں۔" مَنّت نے جیسے اُسکو پہلے سے تیار کرنا چاہا لیکن وہ حدید تھا۔

"میں جانتا ہوں۔" اُسکی مدہم سرگوشی نما آواز پر مَنّت نے ٹھٹھک کر اُسکی جانب دیکھا جس نے مَنّت کے دیکھتے ہی نگاہوں کا زاویہ تیزی سے بدل لیا تھا لیکن لمحہ بھر کے لیئے اُس مضبوط، ہر چیز پر اپر پلان سے کرتی مَنّت کے چہرے کا رنگ ضرور اُڑ گیا۔ کہیں اِس نے؟؟؟

"مُجاہد والے واقعے کے بعد جب تمہیں لینے آیا تھا میں نے اُسکا چہرہ دائیں جانب سے دیکھا تھا دُور سے۔" اُسکے چہرے کے لمحے بھر کو اُڑتے رنگ دیکھ کر حدید نے وضاحت کر کے جیسے اُسکے اعصاب پُرسکون کر دیئے تھے۔

"اور حریم، ڈاکٹر یاور اِمام کی بیٹی ہے جو کہ کسی حادثے میں دیکھنے کی صلاحیت سے محروم ہو گئی۔" مَنّت نے دوبارہ تمہید باندھ کر جیسے اُسکو کچھ اور بھی بتانا چاہا تو حدید نے سمجھ کر سَر ہلایا۔

"تو شہسوار میرا مطلب ہمدی نے اُس سے یاور صاحب کے کہنے پر نِکاح کیا ہے۔" حدید نے جیسے اُسکی مُشکل آسان کرکے سمجھ کر کہا تو مَنّت نے اُسکے چہرے کی سِمت دیکھا جہاں دوسرے کوئی اور تاثرات نہیں آئے تھے۔

"تم پریشان مت ہو مَنّت، ہم سب کئی سال پہلے بھی شہسوار کی دوسری شادی کسی بھی وقت ہو جانے کے لیئے بالکل تیار تھے۔" دِل بے شک چھلنی ہوا تھا لیکن ہلکے سے مُسکرا کر چلنے کا اِشارہ کر کے اُس نے جیسے مَنّت کے متفکر، غمزدہ ہوتے دِل کو ڈھارس دی تھی۔ اُسکے چہرے کو افسردہ مگر ممنون نظروں سے دیکھ کر مَنّت آخری زینہ بھی اُتر گئی۔ اب وہ دونوں ساتھ ہم قدم جیپ کی طرف روانہ تھے اُس خوبصورت موسم کا ہی ایک دِلکش حصّہ لگ رہے تھے۔۔۔

؎ میری کوشش ہے کہ دِل نہ دُکھاؤں تیرا

پھر بھی اے دوست! کوئی بات اگر ہو جائے

میں کبھی زندگی کہہ کر نہ پُکاروں گا تُجھے

زندگی کہتے ہیں اُسے جو بسر ہو جائے۔۔۔

------@------@------@------@-------@------

"تم حریم کو ذرا باہر واک کروانے لے جاسکتے ہو؟" یاور صاحب نے اُسکو کتاب کی رُوگردانی میں مصروف دیکھ کر اُسکے برابر دیوان پہ بیٹھتے ہوئے کہا۔ وہ جو پوری طرح واصف علی واصف کی کتاب

'دِل، دریا، سمندر" پڑھنے میں محو تھا اُنکی قریب سے آتی آواز پر یک دَم چونک کر اُنکو دیکھنے لگا جو محضوظ سا ہو کر مُسکرا رہے تھے۔بے ساختہ مُسکراہٹ اُسکے چہرے پر بھی دَر آئی، تھکان زدہ مُسکراہٹ۔

"جی ضرور۔"کتاب بند کرتے ہوئے وہ فوراً اُٹھ کھڑا ہوا تو یاور صاحب نے سَر اُٹھا کر اُسکو مُسکراتی نظروں سے دیکھا لیکن دِل کا درد حد سے سوا تھا۔اُنھیں آج بھی وہ وقت یاد تھا جب وہ اپنی بیوی کی یاد میں راتوں کو عجیب نیم پاگل سا ہو کر نیند میں سَر پٹختا تھا۔زخمی چہرے اور ہاتھوں کے ساتھ کتنی ہی بار وہ خود کو زخمی کر لیا کرتا تھا اور پہروں یوں ہی ساکن سا بیٹھ کر دیوار کو گھورتا رہتا جیسے کوئی تخیل پوری تابناکی سے اُسکے سامنے براجمان ہو۔کتنی ہی راتوں کو اپنی بیوی کے سراب کے پیچھے ننگے پاؤں، سَرد راتوں میں باہر دشوار گُزار راستوں پہ نکل جاتا اور مَنّت اور یاور صاحب بامُشکل اُسکو قابو کر کے نیند کا اِنجیکشن دے کر سُلاتے تھے پھر رفتہ رفتہ وہ اپنے دُکھ، اپنے درد کو کسی خول میں سمیٹ کر اُنکے ساتھ مُسکرانے لگا تھا۔اُسکو دیکھ کر اُنھیں بےساختہ ہمیشہ حریم یاد آ جاتی۔وہ بھی تو حریم جیسا ہی تھا نہ مکمل ٹوٹا، بکھرا اور جُھلسا ہوا۔شاید اِسی لیئے اُن دونوں کی تکلیف ایک جیسی ہونے کے باعث وہ ایک دوسرے کا ادھورا عکس معلوم ہوتے تھے۔۔۔

"تم ناراض تو نہیں ہو مُجھ سے ہمدی؟؟' لمحے بھر کے توقف کے بعد کمرے میں یاور صاحب کی بُوجھل سی آواز گونجی تو وہ جو کھڑا سیل فون چیک کر رہا تھا، چونک کر تیزی سے پلٹا۔یاور صاحب کو یوں متفکر سا دیکھ کر وہ مُسکراتا ہوا واپس اُنکے برابر بیٹھ گیا۔

"کسی باتیں کرتے ہیں بابا جان۔ آپ سے تو میں زندگی بھر ناراض نہیں ہو سکتا۔" مُحبت سے اُنکا ہاتھ تھامتے ہوئے اُس نے کہا تو یاور صاحب کے سینے پر سے کسی نے جیسے بھاری بوجھ سِرکا دیا ہو۔ اُنہوں نے بے اِختیار آگے کو ہو کر اُسکی روشن، بے داغ پیشانی کو چوم لیا۔

"اب میں جاؤں، آپکی بیٹی کو اِنتظار کرنا پڑے گا۔" شرارتی انداز میں کہہ کر اُس نے یاور صاحب کو قہقہ لگانے پر مجبور کر دیا۔ دِل ایک دَم اُنکو ہلکہ پُھلکا دیکھ کر شرارت پر آمادہ ہو گیا تھا۔ سَر ہلا کر اُنہوں نے اُسے جانے کا اِشارہ کیا تو وہ ادب سے سَر ہلکا سا خم کر کے مُسکراتا ہوا نِکل گیا لیکن وہ کتنے ہی دِل مسرور سے وہاں دیکھتے رہے جہاں سے وہ گُزرا تھا۔

"حریم۔" اُسکی آواز پر حریم نے دھڑکتے دِل کے ساتھ تیزی سے کھڑے ہوتے ہوئے بے چینی سے اپنے نقاب پہ ہاتھ پھیر کر جیسے اُسکی موجودگی کی یقین دہانی کی۔ ہمدی نے مُسکراہٹ دبا کر اُسکی بوکھلاہٹ کو دیکھا تھا اور اُسکے عین روبرو آ کھڑا ہوا جو سَر جُھکائے نیچے دیکھنے میں مگن تھی۔ نہ جانے وہ بول کر جواب کیوں نہیں دیتی تھی شاید کہیں ہمدی کے اندر اُسکو سُن لینے کی اب خواہش سَر اُٹھانے لگی تھی، نہ جانے کیوں؟؟ اُسکی ہتھیلی تھام کر اُس نے اپنے بازو پر رکھی تاکہ وہ آرام سے اُسکے سہارے چل سکے تو لمحہ بھر کے لیئے حریم کی تمام دُنیا اُس لمس پر ساکن ہو گئی۔ وہ آشنا آخر دِل کو کیوں محسوس ہوتا تھا؟؟

"آج موسم اچھا ہے۔" اُسکو لے کر لکڑی کے آبنوسی دروازے سے نکلتے ہوئے اُس نے گہرا سانس لے کر اندر کی کثافت کو کم کرتے ہوئے بہت مدھم سا کہا۔ ساتھ سَر جھکا کر اُسکا بازو تھامے چلتی حریم نے اُس آواز پر سَر اُٹھایا اور اپنے سَرد پڑتے ہاتھوں کی گرفت مضبوط کی۔ ہمدی نے قدرے

چونک کر اپنے ساتھ چلتی خاموش، ٹھہرے پانی کی مانند لڑکی کو دیکھا جو دِل کو عجیب سے انداز میں دُکھاتی تھی پھر اُسکے سَرد پڑتے سفید ہاتھوں کو۔

یک دم ٹھہر کر ہمدی نے اُسکا ہاتھ اپنے مضبوط ہاتھوں کی گرفت میں لے لیا اور اپنے دونوں ہاتھ پیالے کی صورت اُسکے گرد باندھ لیئے۔وہ جو پہلے ہی عجیب اُلجھی ہوئی سی تھی اِس حرکت پہ بے اِختیار اپنا ہاتھ کھینچا مگر مُقابل کی گرفت مضبوط تھی۔اُسکے ہاتھ یونہی تھامے اُس نے چہرے کے قریب کیئے اور پھر۔۔۔یک دم سَرد ہاتھوں پہ پڑتی گرم سانسوں کی حدت جو یقیناً وہ پُھونک سے پہنچا رہا تھا، حریم نے محسوس کیا اور اِس اِحساس کے ساتھ ہی اُسکو نہ جانے کیوں آنکھوں کے ویران پُتلیوں کے کہیں بے حد پَرے کوئی دُھندلا سا منظر لہراتا ہوا نظر آیا۔وہ تو نابینا ہوگئی تھی نہ؟؟ اُس دُھندلے عکس میں وہ دیکھ سکتی تھی کہ کوئی شخص جُھک کر اُسکے دونوں سَرد ہاتھوں کو ہاتھوں کے پیالے میں تھام کر حدت پہنچا رہا تھا اور۔۔۔اور وہ خود اُس شخص کے جُھکے چہرے کو محویت سے مُسکرا کر دیکھ رہی تھی اچانک اُس شخص نے چہرہ اُٹھا کر اوپر دیکھا اور حریم کا دِل اُن نقوش کو دیکھ کر دھک سے رہ گیا۔کیا یہ اُسکا تخیل تھا؟؟ تیزی سے پیچھے ہوتے ہوئے اُس نے ہمدی کے ہاتھوں سے اپنے سَرد ہاتھ نِکال لیئے اور ہمدی لمحے بھر کو بالکل ساکن سا اُسکو خوفزدہ ہوتی نظروں سے پیچھے ہوتے دیکھ رہا تھا۔اور اِس سے پہلے کہ ہمدی کچھ سَمجھ کر کہہ پاتا، وہ تیزی سے پلٹ کر اندر کی جانب بے ربطی سے بھاگ گئی اور وہ شَل سا ہلتے آبنوسی دروازے کو دیکھتا رہا اور یونہی دیکھتا رہتا اگر۔۔۔

"وہ لڑکی ہے حریم۔" حدید نے کچھ دُور سیاہ نقاب میں ملبوس لڑکی کو دیکھ کر کہا جسکے ہاتھ اُنکی جانب پُشت کیئے کھڑے شخص نے تھام کر ہونٹوں کے قریب کر رکھے تھے شاید حرارت پہنچانے کو۔مَنّت

نے سیل فون بیگ میں رکھتے ہوئے چونک کر حدید کی بات پر نظریں اُٹھا کر دیکھا اور اُسی تیزی سے حدید کو دیکھا جو نظروں کا زاویہ بدل کر مَنّت کو ہی دیکھ رہا تھا۔

"جی۔"ایک لفظی جواب دے کر وہ حدید کو چلنے کا اِشارہ کر کے خود بھی اُسکے ہمرہ چلنے لگی لیکن حدید پھر اُس لڑکی کو اچانک پیچھے ہو کر یوں بھاگتے دیکھ کر ٹھٹھک کر ٹھہرا تو مَنّت بھی 'ارے' کہہ کر رہ گئی۔

"حریم اصل میں دیکھ نہیں سکتی۔"مَنّت کی مدھم آواز پر حدید جو عجیب سی دِل کو کھینچتی کیفیت سے دوچار ہوا چاہتا تھا چونک گیا۔دِل ایک لمحے کو شہسوار اور اُس لڑکی کے لیئے مزید سُوگوار ہوا تھا۔سَر جھٹک کر وہ مَنّت کے پیچھے اُس جانب بڑھ رہا تھا جہاں وہ تھا، اُسکا کزن، بچپن سے جوانی تک کا ساتھی، ہمراز، اُسکی لاڈلی بہن کی خاموش مُحبت اور اُسکا شوہر اور اُسکے تایا کا بیٹا۔چند قدم کے فاصلے پر حدید ٹھہر گیا اُسے دیکھ کر جسکی حدید کی جانب پُشت تھی اور جو ابھی تک ساکن سا وہیں دیکھ رہا تھا جہاں سے وہ لڑکی گئی تھی۔کندھوں تک آتے اُسکے سیاہ اور براؤن بالوں نے حدید کے چہرے کو ایک اُداس، بے حد اُداس مُسکراہٹ اُجاگر کر دی تو مَنّت نے اُسکو دیکھ کر اُسکا شانہ ہلایا۔

"شہسوار۔۔۔"وہ آواز یقیناً نئی نہیں تھی اور نہ اُس نام سے پُکارے جانا اگر وہ آٹھ سال نہ گزرے ہوتے اِسی لیئے اُس آواز اور اُس نام پر ہمدی لمحے بھر کو ٹھٹھکا اور بے اِختیار یونہی بے دھیانی میں پلٹا لیکن اپنے سے قدم بھر کے فاصلے پہ کھڑے شخص کو دیکھ کر اُس کے بے حس ہوتے دِل نے ہچکی لی اور سینے کی اتھاہ گہرائیوں میں ڈوبتا چلا گیا۔حدید نے قدم آگے بڑھائے اور وہ جیسے گہری نیند، کسی خواب سے بیدار ہو کر تیزی سے پیچھے کو ہوا اور اِس سے پہلے کہ وہ وہاں سے شاید نہیں یقیناً بھاگ

کھڑا ہوتا مَنّت تیزی سے آگے کو بڑھی اور ہمدی مَنّت کو دیکھ کر وہیں ٹھہر گیا۔ لمحے بھر کو جیسے مفلوج ہوتے دماغ میں جمع تفریق ہوئی اور پھر اُسکی آنکھوں کو بے یقینی سے کُھلتے دیکھ کر مَنّت نے اُسکا اُٹھتا ہاتھ تھام لیا۔

"ہمدی بھائی، اب بس کریں، حدید آپکا بھائی ہے کیا آپ سالوں سے آپکو ڈھونڈتے اپنے بھائی کو اِیسے ہی مایوس بھیج دیں گے؟؟" بے حد مدھم سا کہہ کر اُس نے شہسوار کو نگاہیں چُرانے پر مجبور کر دیا اور حدید کی آنکھوں میں پھر سے پانی جمع ہونے لگا اور اِس سے پہلے کہ شہسوار کا چہرہ دُھندلاتا اُس نے نگاہوں کا زاویہ بدل لیا۔

"تم مَنّت۔۔۔" اُسکو سمجھ نہیں آئی کہ وہ کیا پُوچھے۔ یہ کہ وہ حدید کو کیسے جانتی ہے؟ یہ کہ اُسکو کیسے معلوم ہوا وہ شہسوار ہے؟؟ یا یہ کہ ہمدی سے حدید قوسین کا کوئی رشتہ ہے؟؟؟ وہ حیرت، وہ دھچکا بہت زیادہ تھا۔ ہمدی جانتا تھا کہ اُسکی آنکھوں میں اُترتا ایک ایک سوال وہ بغور پڑھ رہی تھی کیونکہ سب سے اچھا اگر کوئی اُسکو اِن آٹھ سالوں میں سمجھا تھا تو وہ مَنّت تھی۔

"حدید میرے شوہر ہیں شہسوار بھائی۔" بھیگتے لہجے میں حدید کو چند قدم پیچھے ہو کر نظروں کا زاویہ بدلتے دیکھ کر اُس نے مدھم آواز میں کہہ کر ہمدی کو جی جان سے چونکا دیا۔ وہ اِنکشاف حیرات انگیز تھا۔ تو سامنے کھڑی لڑکی جس سے سات سال قبل وہ زخموں سے چُور، زندگی کی بازی ہارنے سے قبل مِلا اور جو اُسکی عزیز اَز جان بہن اور ہمزاد بن گئی تھی وہ اُسکے سب سے محبوب رشتے کی مَن پسند بیوی تھی وہی بیوی جسکا ذکر جب جب حدید کرتا اپنی ذات تک کو فراموش کر دیتا، جس سے مُحبت کا اعتراف وہ ہمیشہ بھرے مجمعے میں ببانگِ دہل کیا کرتا تھا۔

"حدید کے ساتھ اِیسا مت کریں ہمدی بھائی۔وہ بہت لمبا سفر طے کر کے آیا ہے یہاں تک۔آپ جانتے ہیں نہ کہ ہمیشہ حدید ہی ہم سب کے لیئے آگے بڑھتا آیا ہے۔وہ اِس قابل ہے کہ ہم خود اپنی انّا، اپنے دُکھ، اپنے زخموں کو پسِ پُشت ڈال کر اُسکی جانب بڑھیں کیونکہ ہم سب سے زیادہ خسارے تو حدید کے نصیب میں ہی آئے ہیں جسکا اُس نے کسی سے حساب نہیں مانگا۔" بھیگتے، مُحبت بھرے لہجے میں کہہ کر اُس نے صرف شہسوار کے ہی نہیں حدید کے بھی دِل کی دھڑکن رُوک دی تھی۔اِس سے پہلے کہ حدید کی سُرخ ہوتی آنکھیں چھلکتیں اُس نے نظروں کا زاویہ بدل لیا اور شہسوار اُس کو دیکھ کر اپنی بھیگتی آنکھوں پر قابو نہیں رکھ پایا اور تیزی سے اُسکے سینے سے جا لگا جو اُسکا اپنا بھائی تھا، جسکی بہن سے اُس نے خاموش، بےلوث مُحبت کی تھی۔مَنّت بھیگتی آنکھوں اور مُسکراتے چہرے کے ساتھ اُس دلفریب منظر کو دیکھ رہی تھی جہاں ہمدی بچوں کی طرح حدید سے لگ کر رُو رہا تھا۔نہ جانے حدید کے شانے سے لگ کر بچوں کی طرح ہی رُونے کو کیوں دِل کرتا تھا۔۔۔

دیکھ وہ شخص کوئی فرشتہ تو نہیں تھا لیکن

اُسکی کوشش تھی کہ میرے ساتھ وہ اچھا ہی رہے۔۔۔

-------@-------@------@-------@-------@-------

"حریم بیٹا۔۔۔تم کیا کر رہی ہو یہاں؟" پینٹنگ روم کا دروازہ دھکیل کر اندر آتے یاور صاحب اُسکو دیکھ کر ٹھٹھک کر ٹھہر گئے جو بےربطی سے کینوس پر برش مار رہی تھی۔اِرد گرد کتنے ہی کنوس بکھرے پڑے تھے جن پر اُسکی بنائی گئی ادھوری کوششیں نمایاں نظر آ رہی تھیں۔اُس آواز پر اُسکا تیزی سے چلتا ہوا ہاتھ ساکن ہوا اور اُس نے گیلی پڑتی آنکھوں سے پلٹ کر یاور صاحب کو دیکھا اور

پھر اُٹھ کھڑی ہوئی۔یاور صاحب جو پریشانی سے کمرے کی بکھری ہوئی حالت کو دیکھ رہے تھے اُسکے ناقابلِ فہم سے تاثرات پر ٹھٹھک کر اُسکی جانب تیزی سے آئے۔

"کیا بات ہے میرا بچہ؟؟" اُسکو شانوں سے تھام کر اُنہوں نے جھنجھوڑا تو وہ گویا جیسے ہوش کی دُنیا میں لوٹ آئی۔یونہی بے یقینی سے اُنکو دیکھتے دیکھتے اچانک وہ پھُوٹ پھُوٹ کر رُو دی اور یاور صاحب کا دِل جیسے ڈوب کر اُبھرا تھا کیونکہ سامنے کھڑی لڑکی بے حد صابر تھی پھر ایسے یوں ضبط کھُو جانا؟؟ ہال سے گزرتی مَنّت کی سَرسَری نِگاہ اُٹھی اور پھر اُس کمرے کا دروازہ کھُلا دیکھ کر وہ جو اِس جانب بڑھ رہی تھی نقاب میں ملبوس حریم کو یوں رُوتے دیکھ کر وہیں ساکن ہو گئی۔وہ اُن دونوں سے کافی دُور تھی اِسی لیئے اُس تک آواز پہنچ نہیں پا رہی تھی لیکن وہ یاور صاحب کا بے حد مُتفکر ہو جانا دیکھ سکتی تھی۔

"بابا۔۔۔بابا جان۔۔۔"یونہی بے ربطی سے کہتی وہ یاور صاحب کو سہی معنوں میں خوفزدہ کر رہی تھی۔اُسکے سَرد ہوتے ہاتھوں کو شفقت سے تھام کر اُنہوں نے جیسے اُسکا حوصلہ بڑھایا تو حریم نے ہچکی لے کر اُنکو دیکھنا چاہا جو اُسکے سگے باپ نہیں تھے لیکن اُسکے ساتھ ہمیشہ باپ کی مانند قدم سے قدم مِلا کر کھڑے رہے تھے۔

"میرا بچہ کیا ہوا ہے؟؟' اُسکا سَر تھپکتے ہوئے اُنہوں نے پریشانی سے کہا تو حریم نے آنسو پُونچھ کر اُنکا ہاتھ تھام لیا۔بصارت کے آگے اب اندھیرے کے بجائے دُھندلاہٹ آ گئی تھی۔

" میں آپکو محسوس کر سکتی ہوں بابا جان۔۔۔میری آں کھوں کے آگے سے سیاہی ختم ہو گئی ہے۔" اُنکے دونوں ہاتھوں کو تھام کر ان پر اپنی پیشانی ٹکاتے ہوئے بھرائے ہوئے لہجے میں کہہ کر اُس نے

یاور صاحب کو پہلے بے یقین کیا اور پھر اُنکو یوں محسوس ہوا گویا اُنکے ہاتھ ہفت اقلیم کی دولت لگ گئی ہو۔اُنکی بوڑھی آںکھوں کی روشی تیزی سے بڑھک اُٹھی۔

"میں۔۔۔۔میں نظر آ رہا ہوں؟؟" اُنھوں نے بے یقینی سے کہا تو حریم نے نفی میں سَر ہلایا۔

"سیاہی ختم ہوئی ہے بابا جان دُھندلاہٹ نہیں۔"مدھم آواز میں کہہ کر اُس نے سَر جُھکایا لیکن وہ نہیں جانتی تھی کہ یاور صاحب کے لیئے یہ تھوڑی سی اُمید بھی بہت تھی۔

"تم۔۔۔تم جانتی ہو نہ بیٹا ڈاکٹر نے کہا تھا کہ تمہاری بینائی کا چلے جانا نفسیاتی معملہ ہے تو بتاؤ مُجھے کیسے ختم ہوئی سیاہی؟؟' یک دَم کچھ یاد آجانے پر وہ جیسے پُرجوش ہو کر پُوچھ رہے تھے اور اُنکے جواب پر حریم کا دِل کانوں میں آکر دھڑکتے ہوئے ساکت ہوا تھا۔مَنّت جو قدرے ترچھی ہو کر جھانکتے ہوئے اُس کینوس پر نظریں دورانے کی کوششیں کر رہی تھی حریم کے آگے سے ہٹتے ہی اُسکی آںکھوں کا حجم بے یقینی سے اپنے سایز سے بڑھا اور وہ تیزی سے آگے بڑھی۔

"ح۔۔۔۔حریم۔۔۔"یہ تم۔۔تم نے بنائی ہے؟؟؟' مَنّت کی مدھم، اُلجھی ہوئی آواز پر نہ صرف حریم ٹھٹھکی بلکہ یاور صاحب نے بھی پلٹ کر مَنّت کے اُلجھے تاثرات کو دیکھا۔وہ قدم بہ قدم آہستگی سے چلتی ہوئی اُس کینوس پر نظر جمائے اُن دونوں کی جانب ہی بڑھ رہی تھی۔اُسکے دنگ سے تاثرات جیسے سمجھ سے باہر تھے۔سَر میں اُٹھتی ٹیسوں کو دباتے ہوئے اُس نے جیسے مَنّت کی حیران آواز پر دِل کو نہ جانے کیوں ڈوبتا پایا تھا۔مَنّت کے انداز پر یاور صاحب نے قدرے سائیڈ پہ ہو کر حریم کی پُشت پہ موجود کینوس پر نظر ڈالی اور اُنکا سانس بھی حقیقتاً تھم گیا تھا۔اُنھیں دنگ نظروں سے اُنھوں نے پلٹ کر مَنّت کو دیکھا جو اب اُس کینوس کو دیکھ رہی تھی جسکی پینٹینگ گیلی تھی جو تازہ بنائی جانے

کی غمازی کر رہی تھی۔کینوس کو دو حصوں میں تقسیم کر کے جیسے دو منظر بنائے گئے تھے جس میں ایک منظر قدرے اُلجھا ہوا سا تھا کیونکہ اُس میں دو آدمی کھڑے ہوئے تھے ایک دوسرے کے برابر، ایک کا چہرہ بے حد واضح تھا جس نے مَنّت کے دِل کی دھڑکن تک رُوک دی تھی جبکہ دوسرے کا چہرہ تو بنایا گیا تھا لیکن نقوش نہیں تھے۔جسکا چہرہ واضح تھا وہ چہرے کے بغیر شخص کے شانوں پر بازو دراز کیئے ہوئے مُسکرا رہا تھا۔اُس مُسکراہٹ پر تو مَنّت خود کو بھی وار سکتی تھی جبکہ دوسری تصویر میں وہ شخص جسکا چہرہ واضح تھا قدرے اُس لڑکی کے ہاتھوں کو تھامے اُنکو شاید حدت پہنچا رہا تھا۔ایک جھماکے سے مَنّت پیچھے ہوئی۔۔ابھی اُس نے ہمدی کو بھی تو اِیسے ہی کرتے دیکھا تھا اور حریم اِس عمل پر بھاگ کر بوکھلاتے ہوئے اندر آگئی تھی نہ۔۔یہ سب آخر ہو کیا رہا تھا؟؟

"حریم بتاؤ۔۔۔۔۔یہ کِس نے بنائی ہے؟؟کون ہے یہ؟؟' اپنی آواز زندگی میں پہلی بار اُسکو خود تک اجنبی محسوس ہو رہی تھی۔یاور صاحب پریشانی سے آگے آئے اور مَنّت کو جیسے سنبھالنا چاہا جو اُس تصویر کو دیکھ کر عجیب ہذیانی کیفیت کا شکار ہو رہی تھی۔

"ہاں یہ حریم نے بنائی ہے۔۔"یاور صاحب نے اُسکے شانوں پر ہاتھ رکھتے ہوئے جیسے اُسکے سَر پر دھماکا کیا تھا۔مَنّت نے پھٹی پھٹی آں کھوں سے یاور صاحب کو دیکھ کر حریم کو دیکھا جو نا سمجھی سے اُسکی جانب ہی متوجہ تھی۔

"ح۔۔حریم،،،تت تم میرے شوہر حدید کو کیسے جانتی ہو؟؟" اُسکی مدھم اُلجھی آواز پر یاور صاحب نے ٹھٹھک کر مَنّت کو دیکھا اور دھماکہ تو حریم کے اعصاب پر بھی ہوا تھا۔یاور صاحب مَنّت کے شانوں سے ہاتھ ہٹاتے ہوئے ڈھلیے قدموں سے کینوس کی جانب بڑھے جہاں اُس شخص کی تصویر تھی جو

اُنکے بیسٹ فرینڈ کا اکلوتا بیٹا تھا۔۔۔اِنکشاف یہ تھا کہ اُسے ناصرف حریم جانتی ہے بلکہ وہ اُنکی دوسری بیٹی کا شوہر تھا۔۔۔اِس سے پہلے کہ وہ تصویر کو چُھوتے مَنّت کی چیخ پر وہ تیزی سے پلٹے اور اُنکا دِل اُچھل کر حلق میں آ گیا۔حریم سَر دونوں ہاتھوں میں تھامے دھڑام سے اپنے پورے قد کے ساتھ زمیں پر آ گری تھی۔مَنّت کی اِس قدر غیر متوقع چیخ پر ایک دوسرے کے ساتھ باہر دُکھ، سُکھ بانٹتے حدید اور شہسوار بے اِختیار دھڑکتے دِل کے ساتھ کھڑے ہوئے اور پھر وہ دونوں آگے پیچھے تیزی سے آواز کی جانب بھاگے۔دروازہ کُھولتے ہی سامنے جو منظر نظر آیا تھا اُس نے شہسوار کے قدموں سے زمیں کھینچ لی تھی۔وہ سَرد ہوتے دِل کے ساتھ حریم کو زمین پر بے سُد پڑا دیکھ رہا تھا اور حدید وہ بے یقینی سے سامنے بڑے سے کینوس پر اُن دو منظروں میں سب سے نمایاں ہوتے اپنے چہرے کو دنگ نظروں سے دیکھ رہا تھا۔

"حریم۔۔۔۔حر۔۔حریم آں کھیں کُھولو۔"اُسکا چہرہ تھپتھپاتا ہو شہسوار نہیں جانتا تھا کہ اُسکی آواز کسی اِنہونی، کسی خدشے کے زیرِ اثر لرز کر بھیگ رہی تھی۔شہسوار کی صدمے سے ٹوٹتی آواز پر مَنّت جیسے ہوش کی دُنیا میں آئی تھی۔

"حدید۔۔۔ایمبولینس بُلواؤ۔۔۔مَنّت اسکو چیک کرو۔"اُسکا سَر اپنے گُھٹنے پر رکھتے ہوئے اُس نے حدید اور مَنّت کو پُکارا۔مَنتؔ تیزی سے حریم کی جانب بڑھی اور اُسکی سَرد پڑتی کلائی تھام کر اُسکے دِل کی دھڑکن کی رفتار محسوس کرنے لگی جو بے حد مدہم تھی ور پھر اُسکی پیشانی پر ہاتھ رکھا جہاں ننھے ننھے پسینے کے بہت سارے قطرے نمایاں ہو رہے تھے۔اُسکا سکارف کنپٹی سے ہٹا کر اُس نے وہاں اُبھرتی

نس کو ہاتھ لگا کر محسوس کیا اور پھر شہسوار اور یاور صاحب کو دیکھا جو اُسکی جانب ہی خوفزدہ نظروں سے دیکھ رہے تھے۔

"نروس بریک ڈاؤن۔"اُسکے ہونٹوں سے مدہم سا نکل کر شہسوار اور یاور صاحب کی مکمل ہستی کو ہلا گیا۔ شہسوار نے پلٹ کر بھیگتی آنکھوں سے حدید کو دیکھا لیکن اُسکا اِس قدر غیر فطری انداز دیکھ کر ٹھٹھکا اور پھر اُسکی ساکن نگاہوں کے تعاقب میں دیکھتے ہی اُسکے پیروں کے نیچے سے بھی زمین حقیقتاً سِرک گئی لیکن یہ لمحے بھر کے لیئے تھا۔ تیزی سے اُٹھ کر وہ حدید کی جانب پہنچا ور اُسکو جھنجھوڑ کر جیسے وہ ہوش کی دُنیا میں لے آیا تھا۔

"ایمبولینس حدید۔۔۔"مدہم سا کہہ کر اُس نے حدید کو چونکا دیا تھا۔ سَر ہلاتے ہوئے اُس نے تیزی سے سیل فون نکالا کال مِلاتا ہوا تیز قدموں سے باہر نِکل گیا جبکہ شہسوار واپس وہاں آیا چند لمحے وہ کھڑا سوچتا رہا اور پھر جُھک کر اُسکے بے ہوش پڑے ابھی تک نقاب میں لپٹے وجود کو اپنے دونوں ہاتھوں میں اُٹھا لیا۔ یاور صاحب اور مَنّت بھی تیزی سے کھڑے ہوئے اور پھر کچھ لمحوں بعد وہ سب حریم کو لے کر مَنّت کے قریبی ہوسپٹل کی جانب رواں دواں تھے۔ مَنّت اور حدید خاموش، ساکن ور اُلجھے ہوئے اپنی جیپ میں ایمبولینس کے پیچھے جبکہ یاور صاحب اور شہسوار ایمبولینس میں تھے۔ خاموشی اِیسی تھی وقت کی رفتار میں جیسے ایک اور بڑے راز سے پردہ اُٹھ جانے کو ہو۔۔۔

------@------@------@-------@------@------

"حدید بیٹا۔" قوسین صاحب تیزی سے ایمرجنسی میں آئے جہاں یاور مَنّت اور حدید بے چینی سے ٹہل رہے تھے لیکن مَنّت کو بخیر دیکھ کر اُنہوں نے بے اِختیار گہرا سانس لیا تھا۔ حدید تیزی سے چونک کر اُنکی جانب بڑھا جو متفکر سے اُن دونوں کی جانب آ رہے تھے۔

"یاور کی بیٹی کیسی ہے اب؟" مَنّت کے سَر پہ ہاتھ رکھتے ہوئے اُنہوں نے اُن دونوں سے پُوچھا۔

"بابا جان ڈاکٹر آصف اور میں نے چیک کیا ہے۔ وہ اب خطرے سے باہر ہے۔ کچھ گھنٹوں میں اِنشاءاللہ ہوش میں آ جائے گی۔" مَنّت نے اُنکے ہاتھوں کی کپکپاہٹ محسوس کر کے تسلی بھرے انداز میں کہا۔ حدید کے سہارے وہ سامنے قطار میں لگی کرسیوں میں بیٹھ گئے اور وہ دونوں یونہی اُنکے سامنے کھڑے رہے۔

"ہاں میری بیٹی جہاں ہو وہاں اللہ سب خیر ہی کرتا ہے۔" مُسکرا کر کہتے ہوئے اُنہوں نے مَنّت کو جھینپنے پر مجبور کر دیا۔ حدید نے مُسکراہٹ دبا کر اُسکو دیکھا جو یک دَم سُرخ ہو گئی تھی۔

"لیکن بیٹا حُرمت کے بعد سے کسی کی بیٹی کا سُنتا ہوں تو دِل بیٹھنے لگتا ہے یہ تو پھر یاور کی بیٹی ہے اِس لیئے لگ رہا تھا دِل بند ہو جائے گا۔" مَنّت کی بڑھائی گئی پانی کی بوتل کو تھامتے ہوئے اُنہوں نے چہرہ جُھکا کر کہا تو حدید نے تیزی سے نگاہوں کا زاویہ بدل لیا جبکہ مَنّت کا دِل حُرمت کے ذکر پر جیسے اتھاہ گہرائیوں میں ڈوب جانے کو تیار ہونے لگا۔ الفاظ جیسے اِس ذکر پر ذہن سے گُم ہونے لگے تھے۔ اِس سے پہلے کہ وہ کچھ کہتی ڈاکٹر آصف اور ڈاکٹر مُصطفیٰ کو آتا دیکھ کر وہ چونک کر متوجہ ہوئی۔ حدید اور قوسین صاحب بھی اُن آتے ہوئے ڈاکٹرز کی جانب متوجہ ہوئے۔

"اب کیسی ہے حریم ڈاکٹرز؟" اُن دونوں کو دیکھ کر اُسکو لمحہ نہیں لگا تھا پروفیشنل ہونے میں۔البتہ مُصطفیٰ کو دیکھ کر حدید ضرور غیر آرام دہ ہوا تھا۔

"شاید اُنکو بہت زیادہ شاک پہنچا ہے جسکی وجہ سے یہ کنڈیشن ہوئی ہے۔میں نے پہلے بھی ڈاکٹر یاور سے کہا تھا کہ اُنکی ذہنی حالت نارمل رکھنا بہت ضروری ہے کیونکہ اِسکا اثر اُنکی بصارت پہ پڑ سکتا ہے۔"ڈاکٹر مُصطفیٰ نے کہا تو مَنّت جیسے سمجھ کر سَر ہلانے لگی۔

"ایم۔آر۔آئی اور سٹی سکین کی کیا رپورٹ ہے؟" یاد آ جانے پر مَنّت نے کہا تو قوسین صاحب بھی ٹھٹھک گئے۔مُصطفیٰ نے ہاتھ میں تھامی فائلوں میں سے ایک فائل اُسکی جانب بڑھائی تو وہ تھام کر قوسین صاحب کی جانب آئی۔حدید اُن دونوں کو اِنہماک سے فائل کا مُطالعہ کرتے دیکھ کر دِل ہی دِل میں جیسے مُسکرایا تھا اُن دونوں کی ذہنی مُطابقت پر۔قوسین صاحب بھی پیشے کے اعتبار سے آرمی ڈاکٹر تھے اِسی لیئے وہ دونوں اب سَر جوڑ کر جمع تفریق میں موجود تھے۔

"کوئی پریشانی کی بات تو نہیں ہے نہ یار؟؟" حدید نے اُن دونوں سے نظر ہٹا کر مُصطفیٰ کو دیکھ کر کہا جو آصف کو کچھ کہتا ہوا ٹھٹھک کر اُسکی جانب مُسکراتے ہوئے متوجہ ہوا۔

"ہاں یار اللہ کے کرم سے سب ٹھیک ہے۔بس اُنکی یاداشت کی وجہ سے تھوڑی پریشانی بن سکتی ہے لیکن اگر کوئی نفساتی دباؤ نہ ہو تو اِنشاءاللہ سب نارمل رہے گا۔"مُصطفیٰ نے اُسکے شانے پر تسلی بھرا ہاتھ رکھتے ہوئے نرمی سے کہا تو حدید ٹھٹھک گیا۔

"کیا مطلب یاداشت۔۔۔؟؟" وہ جیسے واقعی نہیں سمجھا تھا کیونکہ یاداشت کا ذکر مَنّت نے اُسکے سامنے نہیں کیا تھا۔ مُصطفیٰ نے فائل کھولتے ہوئے حدید کے سامنے کی جو اُلجھن سے سب پڑھ رہا تھا۔

"اصل میں پیشنٹ کی پی۔ٹی۔ایس۔ڈی اور بہت سارے ذہنی دباؤ ور صدمے سے بصارت اور یاداشت متاثر ہوئی ہے۔"مُصطفیٰ نے رسان سے اُسکو سمجھایا جو سب حیرت سے سُن رہا تھا۔مَنّت، فائل قوسین صاحب کے حوالے کر کے اُن دونوں کی جانب توجہ ہو گئی تھی۔

"ذہنی دباؤ سے بصارت بھی متاثر ہو سکتی ہے؟" حدید نے حیرت سے کہا تو مَنّت ہلکے سے مُسکرا کر اُسکے ساتھ آ کھڑی ہوئی جو بے حد بےیقین تھا۔

"جی بالکل۔اِنسانی دماغ اِسی لیئے تو قدرت کا ایک معمہ ہے کیونکہ بعض اُوقات بہت رئیر کیس میں یہ کسی زخمی کر دینے والے حادثے کے بغیر سماعت اور بصارت ویران کرنے کی صلاحیت تک رکھتا ہے اور اگر اِنسان اپنی یاداشت سے بےحد تکلیف میں ہو تو یہ اُن یادوں کو کہیں صندوق میں دفن کر دیتا ہے یہاں تک کہ وہ یاداشت تکلیف دینا چھوڑ دے اور اُس صورت میں شاید صندوق پہ پڑا تالا خود بہ خود کمزور ہونے لگتا ہے اور اِیسا ہی حریم کے ساتھ بھی ہو رہا ہے۔"اُسکو تفصیلاً بڑے آسان الفاظ میں سمجھاتے ہوئے اُس نے قوسین صاحب کو مُسکرانے پر مجبور کر دیا تھا۔مُصطفیٰ نے ایک چور نظر ڈاکٹر اِمام پر ڈالی جو حدید کے آجانے سے مکمل، یکسر بدل ہی گئی تھی۔

"آپ لوگوں میں سے حدید کون ہے؟؟" ایمرجنسی سے بھاگ کر آتی نرس نے اُن لوگوں سے کہا جو یک دم چونک کر اُسکی جانب بڑھے تھے لیکن نرس کے مُنہ سے حدید کا نام سُن کر مَنّت نے حدید کو دیکھ کر قوسین صاحب کو دیکھا جو مَنّت کی ہی جانب سوالیہ نظروں سے متوجہ تھے۔

"جی میں ہوں۔۔۔"حدید نہیں جانتا تھا لیکن اُس نے کسی میکانکی انداز میں بے حد مدہم سا کہا اور نرس تیزی سے اُسکی جانب بڑھی۔

"پیشنٹ کی حالت بہت خراب ہو گئی ہے جب سے وہ ہوش میں آئی ہیں آپکا نام لے رہی ہیں۔"نرس تیزی سے اُسکو بوکھلا کر بتاتے ہوئے ای۔سی۔یو میں چلنے کا اِشارہ کر کے واپس ہو لی تھی۔حدید نے دھڑکتے، اُلجھتے دِل کے ساتھ مَنّت کو دیکھا۔مَنّت نے آگے بڑھ کر حدید کے شانے پر تسلی بھرا ہاتھ رکھا تو جیسے کسی خواب سے جاگا تھا۔حیرت اور ناسمجھی سے وہ بھی نرس کے پیچھے ہو لیا تو مَنّت ہق دق سے کھڑے قوسین صاحب کی جانب آئی اور اُنکو بازو سے تھام کر حدید کے پیچھے ہو لی اور وہ اُسکے ساتھ جیسے خود کو گھسیٹ کر چل رہے تھے۔

ای۔سی۔یو کا دروازہ دھکیلتی ہی کسی کی چیخوں نے حدید کا اِستقبال کیا تو وہ اُن چیخوں کو سُن کر جیسے ڈھے جانے کو ہو گیا۔نہ جانے اُن چیخوں میں اِتنا درد کیوں تھا؟؟ شاید حدید کے چہرے کی مشابہت حریم کے کسی جاننے والے سے ملتی ہو گئی یہی سُوچ کر مَنّت جو سَر جُھکائے قوسین صاحب کے ساتھ آ رہی تھی حدید کو اُلٹے قدموں پلٹتے دیکھ کر ٹھٹھک کر تیزی سے آگے بڑھی۔اور پھر اُسکا ہاتھ تھام کر جیسے ہی وہ آگے کو ہوئی اندر کا منظر دیکھ کر وہ تینوں ساکن ہو گئے۔حریم عجیب ہذیانی کیفیت میں ڈرپ کھینچ کر اب ایک ایک چیز اِدھر اُدھر پھینکتے ہوئے کسی اور کے تو کیا یاور صاحب تک کے قابو

میں نہیں آ رہی تھی۔ کانچ کا گلاس اُس نے اُٹھا کر پوری قوت سے پھینکا جو عین حدید کے قدموں میں گر کر پاش پاش ہو گیا۔ وہ سب حیران، پریشان سے حریم جیسی خاموش اور صابر طبیعت لڑکی کے جارحانہ انداز کو دیکھ رہے تھے اور مَنّت کا دِل کسی اِنہونی کے اِحساس سے بیٹھنے لگا۔

"حریم، دیکھو حدید آیا ہے۔" یاور صاحب کی آواز پر وہ اِیسے ساکن ہوئی جیسے چابی سے چلنے والی گڑیا کی کسی نے چابی نکال دی ہو بکھرے بالوں کو چہرے سے ہٹا کر وہ جیسے ہی بے یقینی سے پلٹی وہاں موجود تین نفوس پر گویا ساتوں آسمان آ گرے۔ وہ ششدر سے اُس لڑکی کو دیکھ رہے تھے جسکا چہرہ آج نقاب سے ماوراء تھا۔ مَنّت کا ہاتھ بے اِختیار اپنی چیخ کا گلہ گُھوٹنے کو ہونٹوں پر گیا۔ قوسین صاحب اپنے دِل کو تھامتے ہوئے لڑکھڑا کر پیچھے کو ہوے ور حدید اُسکو لگا جیسے ابھی وہ بے جان ہو کر ڈھے جائے گا اپنے پورے قد سمیت۔ سامنے وہی تھی جسکی تلاش حدید نے ہر سَرد خانے، ہر ہاسپٹل، ہر ایدھی سنٹر اور ہر دارلامان میں اِس آس سے کی تھی کہ شاید وہ زندہ ہو۔ شاید دِل کو کہیں ایک موہم سی اُسکے زندہ ہونے کی آس تھی تو اِس لیئے اُس نے آٹھ سالوں تک اپنی تلاش نہیں روکی تھی نہ مَنّت کے لیئے نہ اِسکے لیئے جو عین سامنے کھڑی تھی۔

"حُرمت۔۔۔" سَرسراتے لہجے میں اُسکے ہونٹوں سے بڑی دِقعتوں سے نکلا تھا اور حدید قوسین کا ضبط اِتنا ہی تھا۔ بے یقینی سے آگے بڑھ کر اُسکا چہرہ دونوں ہاتھوں میں تھام کر پُھوٹ پُھوٹ کر روتے ہوئے وہ اب بھی جیسے خواب اور حقیقیت کے درمیان معلق تھا۔ حریم کے آنسو جو اُس دھندلے سے جانے پہچانے سے عکس کو قریب آتے دیکھ کر بہہ نکلے تھے وہ جانا پہچانا سا نام سُن کر ٹھٹھر گئے۔ دِل جیسے اُس نام کو سُن کر اُسکو کہیں بہت پیچھے لے جانے لگا تھا جہاں وہ حدید کی براءت کے لیئے مکمل

تیار تیزی سے باہر نِکل کر اب گاڑی میں بیٹھنے لگی تھی لیکن اِس سے پہلے کہ وہ بیٹھ کر دروازہ بند کرتی کسی نے بہت خاموشی سے اُسکی ناک پر رومال رکھ دیا جسکے باعث اُسکا ذہن تاریکیوں کی اتھاہ گہرائیوں میں ڈوبتا چلا گیا۔ گال پر مارے جانے والے تھپڑ نے اُسکو ہوش کی دُنیا میں لا پٹخا تو اُس نے چیخنا چاہا لیکن ہونٹوں پر سختی سے جمایا گیا کپڑا جو اُسکے ہونٹوں کے کنارے تک کو زخمی کر رہا تھا نے اُسکی آواز کہیں اندر ہی گھونٹ دی۔ مُندی مُندی آنکھوں سے اُس نے اپنے اِردگرد دیکھا وہ کرسی کے ساتھ دونوں بازؤں کو پیچھے کی جانب باندھ کر بیٹھائی گئی تھی اور عین سامنے تین مَرد چہروں پر نقاب ڈالے کھڑے ہنس رہے تھے کیونکہ اُن میں سے ایک سفید کین اُٹھائے اُسکے گرد کیروسین اوئل چھینک رہا تھا۔ سَر اور گال میں اُٹھتی ٹھیسوں کو نظرانداز کرتا اُسکا دِل بے حد خوف سے سُوکھے پتے کی مانند کانپ رہا تھا اور پھر اُن میں سے ایک آگے بڑھا ور اُس نے جُھک کر ہاتھ میں تھامی سگریٹ اُسکے شفاف ہاتھ پر داغ دی، ہاتھ کے جل اُٹھنے کی آذیت بہت زیادہ تھی۔ آں کھوں سے بہتے آں سوؤں کے ساتھ وہ چیخ چیخ کر حدید اور شہسوار کو پُکارنا چاہتی تھی لیکن بے سُود۔۔۔ سُن ہوتے دماغ کے ساتھ وہ یک جھٹکے سے اُس اذیت ناک ماضی سے نِکل کر کسی کے رونے کی آواز سُن کر آئی تھی اور یَک دَم آٹھ سال سے ماند پڑ چکی آنکھیں اُس آشنا آواز، اُس تحافظ دیتے لمس، اُن سسکیوں پر کسی شمع کی مانند چمک کر پُرنور ہو اُٹھی تھیں۔ سامنے کھڑے شخص کو دیکھ کر اُسکا دِل سہی معنوں میں دھڑکنا بُھول گیا۔ وہ حدید تھا، ہاں وہی جسکو اُس نے اِتنا پُکارا تھا کہ گلہ خراشوں اور زخموں کی بدولت کتنے سالوں تک کچھ کہنے کے قابل نہیں رہا تھا۔ جسکا بے ہوش، زخموں سے چور وجود وہ

لوگ گھسیٹ کر آگے میں جُھونکنے لگے تھے اور وہ مَر جانے کے قریب ہو گئی تھی۔وہی سامنے کھڑا تھا، اُسکا جُڑواں بھائی، اُسکا محافظ، مان۔۔۔اُسکا حدید۔۔۔

"حدید۔۔۔"ہوش کی دُنیا میں آتے ہی وہ بے یقینی سے اُسکے چہرے پر ہاتھ پھیر کر چیخ چیخ کر روتے ہوئے جیسے اُسکے سامنے موجود ہونے کا یقین کر لینا چاہ رہی ہو۔یاور صاحب چونک کر قوسین صاحب کی جانب اِس اِنکشاف پر متوجہ ہوئے جو دِل کو تھامے کسی بھی لمحے بس ڈھے جانے کو تھے۔مَنّت نے سامنے پڑے سٹول ک سہارا لے کر جیسے خود کو اِس اِنہونی پر گر جانے سے بچایا تھا، اُسکے مضبوط ترین اعصاب بھی اِس حقیقت کے سامنے آتے ہی لرز گئے تھے۔۔۔اُسکو شانے سے لگاتے ہوئے وہ بلک بلک کر بچوں کی طرح روتے حدید نے اُسکے گِرد اپنے بازوؤں کا دائرہ کچھ اور بھی مضبوط کر لیا اِس خوف سے کہ وہ پھر سے نگاہوں سے اُوجھل ہو کر دِل کو مُردہ نہ کر جائے۔دِل جیسے بے یقینی، غم، حیرت اور خوشی کے مِلے جُلے تاثر کے ساتھ پھٹ جانے کے قریب تھا۔

یاور صاحب نے تیزی سے آگے بڑھ کر قوسین صاحب کو تھام کر مَنّت کا شانہ ہلایا جو کسی خواب سے بیدار ہوئی تھی۔اُنکی خوشی سے دھمک کر روتی آںکھوں کو یک دَم متفکر ہوتے دیکھ کر اُسکی نگاہ اپنے سینے کو مَسلتے قوسین صاحب سے ٹکرائیں اور اُسکا دِل اُچھل کر حلق میں آ گیا۔اُنکو دوسری جانب سے تھامتے ہوئے اُس نے اِردگرد نگاہ دُوڑائی، شہسوار کہیں بھی نہیں تھا۔

"قوسین حوصلہ کرو۔۔۔دیکھو ہماری حُرمت زندہ ہے۔۔۔تم یقین کر لو میرے بھائی۔"اُنکی جانب قدرے جُھک کر خوشی سے کانپتی آواز میں کہہ کر اُنہوں نے قوسین صاحب کو جھنجھوڑ دیا تھا۔سینے کی جلن کو نظرانداز کر کے وہ اپنے دونوں بچوں کو جیسے برسوں بعد ایک ستھ دیکھ رہے تھے جنہیں

ایک ساتھ دیکھنے کی خواہش عرصہ پہلے دَم توڑ گئی تھی۔ بہتی آنکھوں کو تیزی سے صاف کرتے ہوئے وہ جیسے اُس منظر سے لمحہ بھر کو بھی غافل نہیں رہنا چاہتے تھے۔ وہ منظر رُوح تک کو شاد کر کے معطر کر دینے والا تھا۔۔۔

------@-------@------@-------@------@-----

"ہاں میں پہنچ گیا ہوں، بس آیا اندر۔ اللہ حافظ۔" حدید کو بتا کر کال ختم کرتے ہوئے وہ جو سیل کو جیب میں رکھتے ہوئے اندر آ رہا تھا، کسی سے بُری طرح ٹکرایا ور اِس سے پہلے کہ وہ حسبِ روایت پیچھے جا گرتی، زاور نے گہرا سانس لے کر اُسکو کہنی سے پکڑ کر گِرنے سے بچایا تھا۔ بوکھلا کر اُس نے اِمدادی ٹیم کو دیکھا اور اُسکا جی چاہا اپنا سَر دیوار سے دے مارے۔

"آپ سب سے ہی ٹکراتی پھِرتی ہیں یا یہ حسین حادثہ مجھ مسکین کے ہی ساتھ پیش آتا ہے؟" اُسکے ہوائیاں اُڑاتے چہرے کو دیکھ کر زاور کے دِل میں ہمیشہ کی طرح گُدگُدی ہوئی تھی جسکا اثر اُسکے لہجے کے شوخ انداز میں صاف محسوس کیا جا سکتا تھا۔ بوکھلاہٹ سے یَک دَم ارباب کا چہرہ سُرخ ہوا، زاور جو ساکن سا اُسکو دیکھ رہا تھا اُسکو پلٹتا پا کر اُس فسوں سے لمحے بھر میں نِکل آیا تھا۔

"کیا آپ مُجھ سے شادی کریں گی؟؟" ڈاکٹر ارباب جو دھڑکتے دِل اور کانپتی ٹانگوں سے اُس منظر سے غائب ہو جانا چاہ رہی تھی اُسکی مدھم، اِلتجا کرتی آواز پر ساکن رہ گئی۔ دِل جیسے دھڑکنا بھُول گیا تھا۔ وہ تو اُسکے شوخ انداز پر دِل کو تھپکیاں دیتی سُلاتی آئی تھی کہ ہو سکتا ہے وہ اُسکو محض تنگ کرنے کی خاطر مذاق کرتا ہو لیکن اُسکی آواز کی سنجیدگی پر اَرباب کی ہتھیلاں تک پسیج گئیں۔ بے یقینی سے پلٹ کر وہ اُسکو مُنہ کھُولے ہونقوں کی طرح دیکھ رہی تھی جیسے اُسکی سماعت کو دُھوکا ہوا ہو۔

"میں نے آج تک یہ سوال کسی سے نہیں پُوچھا اور نہ ہی میں آپ سے مذاق کر رہا ہوں اِنفیکٹ میں آج سے پہلے کبھی اِتنا سنجیدہ نہیں ہوا ہوں۔ گارنٹی کے طور پر آپ بھابھی میرا مطلب ہے ڈاکٹر اِمام سے پُوچھ سکتی ہیں۔" آگے کو ہو کر اِنتہائی سنجیدگی سے کہتے ہوئے وہ رباب کو کوئی یکسر مُختلف سا زاور لگ رہا تھا۔ ہر دَم شوخ اور ہنستے مُسکرانے والے سے بالکل مُتضاد۔ اُسکو یک ٹک بے یقینی سے دیکھتے پا کر زاور کے دِل میں بے چینی انگڑائی لے کر بیدار ہوئی تھی۔

"مُجھے تم سے مُحبت ہو گئی ہے ڈاکٹر ارباب۔" اُسکو یونہی گُومگو سا محسوس کر کے وہ قدرے مزید اُسکی جانب بڑھا اور جو اُسکے مُنہ سے الفاظ نکلے تھے اُنہوں نے اُسکے سہی معنوں میں چھکے چھُڑا دیئے تھے۔ عجیب بت یہ تھی کہ سامنے کھڑے شخص کا طرزِ تخاطب سماعتوں کو ناگوار نہیں گُزرا تھا بلکہ دِل کسی نئی لہہ پر دھڑکنے لگا تھا۔ نظروں کا زاویہ بدل کر وہ تیزی سے چند قدم پیچھے ہوئی اور زاور کو لگا اُس پر زندگی تنگ کر دی گئی ہو۔

"میں اِس بارے میں کچھ نہیں کر سکتی۔ آپ میرے گھر والوں سے مِل سکتے ہیں۔" مصنوعی خفگی سے کہہ کر وہ تیزی سے نکلتی چلی گئی۔ زاور کی پہلے شکل پہ افسردگی چھائی، پھر الجھن اور پھر یک دم مُنہ پہ ہاتھ پھیرتے ہوئے وہ بے ساختہ ہنستا چلا گیا۔

؎ تُو اگر جھانکے تو مُجھ اندھے کنویں میں شاید

کوئی لوؔ اُبھرے، کوئی نقش سُجھائی دیوئے۔۔۔

------@--------@--------@------@-------@-------

"شہسوار کہاں ہے؟؟" اپنی دونوں آنکھوں کا صاف کرتے ہوئے وہ مُسکرا کر مَنّت کی جانب بڑھتے ہوئے پُوچھ رہا تھا۔ اُسکے چہرے پہ چھائی آسودگی مَنّت کے دِل سے ہر غم دُور کر دینے کو کافی تھی۔ کرسی سے اُٹھ کر وہ قدم بہ قدم چلتی ہوئی اُسکے سامنے آ کھڑی ہوئی جو آج بے حد، بے حساب پُرمسرت تھا۔

"معلوم نہیں، ابھی دیکھ لیتے ہیں ہم دونوں جا کر۔" اُسکا بازو پر اپنی گرفت مضبوط کرتے ہوئے مَنّت نے مدہم مُسکراہٹ سے کہا تو حدید نے دھڑکتے دِل سے اُسکے مطمئن انداز اور اُسکے ہاتھ کی گرفت دیکھی۔ دِل جیسے بس سجدہِ شکر ادا کرنے کو پر تول رہا تھا۔

"چلو پھر۔ اُسکو بھی جا کر اِس معجزے کا بتاتے ہیں یا پھر یقین دِلاتے ہیں۔" اپنا دوسرا ہاتھ، اپنے بازو پر گرفت کرتی اُن نرم، گلابی انگلیوں پر رکھتے ہوئے اُس نے کہا۔ مَنّت بے ساختہ سَر ہلا کر اُسکے برابر خوشی سے دھڑکتے دِل کے ساتھ ہو لی۔

"مُجھے معلوم ہے کہ ہمدی بھائی کے چُھپنے کی جگہ کہاں ہے۔" مُسکراہٹ دبا کر اُس نے حدید کو کہا، اُسکے شریر انداز پر حدید کا قہقہہ بےساختہ تھا۔ وہ دونوں راہداری میں بےفکری سے ہنستے مُسکراتے جا رہے تھے یہ جانے بغیر کے اُسکے وہ نام نہاد بھائی جنہیں وہ شاید کب کا بُھول بھال چکی ہے بالکل ساکن، حیرت سے اُن دونوں کو یوں ہنستے دیکھ رہے تھے گویا اُن پانچوں نے کوئی بھوت دیکھ لیا ہو۔ وہ سب ساکت سے اُن دونوں کو ایک دوسرے کے ہاتھوں کو تھام کر بےفکری سے اپنی جانب آتا دیکھ رہے تھے۔

"ویسے مَنّت، مُجھے ابھی تک ہر شے پہ خواب کا سا گُمان ہو رہا ہے۔ایک حسین، دِلکش خواب جسکے ٹوٹ جانے کا دِل کو اندر ہی اندر دھڑکا لگا رہے۔میں اب سب کچھ پا کر پھر سے کھُونے کی ہمت نہیں رکھتا۔"یَک دم اُسکے سنجیدہ اور دِلگرفتہ انداز پر مَنّت ٹھُٹھک کر تھم گئی، ہاتھ سے حدید کو بھی ٹھہر جانے کا اِشارہ کیا گیا ور حدید اِیسے تھم گیا جیسے وہ ازل سے اُسکے طابع ہو۔وہ دونوں اُن پانچوں کی نظروں اور کمرے سے نکل کر اُن سب کو یوں کہیں دیکھتے پا کر تجسس کے ہاتھوں آگے ہو کر دنگ رہ جانے والی مائدہ۔۔۔سب سے غافل جی جان سے ایک دوسرے کی جانب متوجہ تھے۔

"کیا ہو گیا ہے حدید۔۔۔یہ سب حقیقیت ہے، دِلکش حقیقت جس میں ہم سب ساتھ ہیں اور ہمیں اِنشاءاللہ ایک طویل ترین عرصے تک ساتھ رہنا ہے۔ہمدی بھائی کے سامنے اِیسی باتیں مت کیجیئے گا آپکو معلوم نہیں وہ کبھی کبھار بہت کم دِل ہو جاتے ہیں۔"اُسکے بازو پر اپنا تسلی اور مُحبت بھرا ہاتھ پھیرتے ہوئے وہ ساتھ ساتھ اُسکو خفگی سے سمجھا رہی تھی وہی تیزی بھری خفگی جو ہمیشہ سے اُسکا خاصہ رہی تھی۔چمکتی آنکھوں اور مُسکراتے ہونٹوں سے حدید نے اُسکو کہنی سے تھام کر ایک جھٹکے سے اپنے قریب کیا اور نیتجتاً وہ بوکھلا کر سُرخ چہرے سے حدید کو دیکھنے لگی جسکی آںکھوں میں شرارت اور محبت صاف رقم تھی۔مزید آگے کو ہو کر حدید نے اُسکی روشن، دھمکتی پیشانی چوم لی۔

اُس لمس پر مَنّت نے اپنی آںکھیں مُسکرا کر موند لی تھیں اور کتنے ہی لمحے وہ دونوں اِیسے ہی کھڑے رہے۔ماحول میں پھیلتا فسوں مَنّت نے حدید کے شانے پر مکہ مارتے ہوئے چھانکے سے ختم کیا۔قہقہ لگاتا حدید، اپنا شانہ مسلتے ہوئے تیزی سے پیچھے ہو کر اُسکو دیکھنے لگا جو اُسکو دیکھ کم گھُور زیادہ رہی تھی۔

"تمہارا ہاتھ کب سے اِتنا وزنی ہو گیا ہے بیگم صاحبہ۔" شرارتی لہجے میں کہہ کر اُس نے مَنّت کو جھینپنے پر مجبور کر دیا۔ تیزی سے نظروں کا زاویہ بدل کر وہ نروٹھے پَن سے پھر چل پڑی۔ وہ جانتی تھی کہ حدید اُسکے پیچھے ہی ہو گا اور اِیسا ہی ہوا، اُسکے ساتھ چلتے حدید نے مَنّت کے شانوں پر بازو دراز کرتے ہوئے اُسکو اپنے ساتھ لگایا تو مَنّت نے خفگی سے اُسکو دیکھا۔ وہ دونوں اِس بات سے انجان تھے کہ کسی کی آنکھوں سے نکلتے شعلے اُن کو بھسم کر دینے کی چاہت میں بڑھک رہے تھے۔ اُن دونوں کے بڑھتے قدم حدید کی نظر اُن سب نفوس پر پڑتے ہی ساکن ہوئے تھے۔ مَنّت نے چہرہ اُٹھا کر حدید کو دیکھا اور پھر اُسکی نگاہوں کے تعاقب میں۔۔۔ حدید جو چہرہ جھکا کر مَنّت کو دیکھ رہا تھا اُسکے چہرے پہ دَر آنے والے پتھریلے، چٹانوں جیسے سخت تاثرات دیکھ کر سُوگواری سے گہرا سانس لے کر رہ گیا۔ وہ اُن لوگوں کو آٹھ سال کے طویل وقفے کے بعد دیکھ رہی تھی ورنہ وہ شاید اُن لوگوں کا ہونا، اُنکے چہرے تک بُھلا بیٹھی تھی۔ مائدہ کی جانب دیکھ کر اُس نے حدید کا ہاتھ مضبوطی سے تھاما اور پھر مُسکراتے ہوئے آگے بڑھنے لگی لیکن مائدہ کی تلخ آواز پر اُسکو ٹھٹھک جانا پڑا۔

" بھئی واہ۔ کیسے مزے سے اِس شخص کے ساتھ گُھوم رہی ہو جو تمہارے باپ کی موت کا ذمہ دار ہے۔" اُسکی تمسخرانہ آواز پر مَنّت تیزی سے پلٹی اور اِس سے پہلے کہ حدید کچھ سمجھتا وہ تیر کی سی تیزی سے عین مائدہ کے رُوبرو آ کھڑی ہوئی۔ اُن آنکھوں کے سَرد، برف جیسے تاثرات نے صرف مائدہ کی ہی نہیں اُسکے بھائیوں تک کی ہستی ہلا دی تھی۔ لمحے بھر کو وہ یونہی مائدہ کو دیکھتی رہی اور پھر فضا ایک زوردار تھپڑ کی آواز سے گُونج اُٹھا۔ مائدہ کو لگا اُسکا سارا جبڑا اُس سخت ہاتھ کی ضرب سے ٹوٹ گیا ہو اور حدید نے اپنے ہونٹوں پر تیزی سے دَر آتی مُسکراہٹ بالکل روکنے کی کوشش نہیں کی

تھی۔اُس تھپڑ کو کھا کر وہ ایک جھٹکے سے لڑکھڑا کر پیچھے ہوئی لیکن مَنّت وہ اُسی سکون سے کھڑی اُسکا اہانت سے سُرخ پڑتا چہرہ دیکھتی رہی۔

"تمہاری بکواس صرف تمہارا شوہر سُن سکتا ہے سُو اُسکی آنکھوں میں دُھول جُھونکنے کا کام جاری رکھو لیکن آئندہ مُجھے روک کر پُکارنے کی غلطی دوبارہ کی تو یہ گردن میں تمہارے کندھوں پر رہنے نہیں دوں گی۔"وہ جب بولی تو رہداری، وہ پانچ مَرد اور مائدہ تک اُسکے پتھر جیسے سخت لہجے سے خوف سے سنسنا اُٹھے۔سُفوان نے اپنی بھیگتی آنکھوں کو جھپک کر جیسے اپنے آنسوؤں کو نہ چھلک اُٹھنے سے روکا تھا۔سفید پڑتے چہرے سے اُس نے پلٹ کر سُفوان اور پھر کچھ دور ہونٹوں پر ہاتھ رکھ کر مُسکراتے شخص کو دیکھا اور بس مائدہ کا ہاتھ تیزی سے ہوا میں بُلند ہوا لیکن سامنے مَنّت تھی اُسکا ہاتھ اپنی سخت کلائی میں جھکڑ کر زوردار طریقے سے مڑوڑ کر اُس نے حقارت سے جھٹکا تو راہداری میں مائدہ کی چیخ دور تک گئی اور اُسکے سب بھائی حیرت سے گنگ اُس انجان نظر آتی مَنّت کا یہ روپ دیکھ رہے تھے۔

"تمہارے بھائی اور اُس زمان کا جو حال میں نے کیا ہے لگتا ہے اُس سے تم نے ذرا عبرت نہیں لی۔ہاں۔۔۔"قدم قدم اُسکی جانب بڑھتے ہوئے اُس نے سرگوشیانہ انداز میں کہہ کر مائدہ کے رونگھٹے کھڑے کر دیئے تھے زمان کے نام پر۔زمان کی حالت تو وہ اپنی بےیقین آنکھوں سے خود دیکھ کر آئی تھی تو کیا اِسکو سب معلوم تھا؟؟؟ حدید کی مُسکراہٹ مَنّت کی اُس سَرد سی سرگوشی پر تیزی سے سمٹی، وہ اِس بات سے شاید غافل ہوگئی تھی کہ اُسکا یہ اعتراف آگے بڑھتے حدید نے سُن لیا تھا۔

"اپنے زمان سے پُوچھنا کہ اُسکے ساتھ کیا سلوک کیا گیا ہے بلکہ آؤ میں تمہیں اُسکی زبانی خود سُنواتی ہوں۔۔۔"اُسکے چہرے کے قریب جُھکتے ہوئے اُس نے مدھم آواز میں کہا اور پھر اُسکو گردن سے پکڑتے ہوئے وہ پیچھے پلٹی اُن پانچ مَردوں کی جانب جو سانس تک روکے اُسے دیکھ رہے تھے۔

"تم میں سے کون اِسکا شوہر ہے؟؟" ابرو اُٹھا کر پوچھتی وہ حدید کو یکسر کوئی نئی، بالکل مُختلف سی مَنّت لگی تھی اور اِس سوال نے سُفوان کے دِل کی دھڑکن چھین لی تھی۔مائدہ جو اُسکے انداز پر خوف سے کانپ رہی تھی حیرت سے سَر اُٹھائے اُسکو دیکھنے لگی جو عجیب طرح سے دِل کو خوفزدہ کر رہی تھی۔

"مَنّت اپنے ہاتھ گندے مت کرو یار، چلو یہاں سے۔"حدید نے بالاخر خاموشی توڑتے ہوئے آگے بڑھ کر مَنّت کو کہا جس نے چونک کر حدید کو دیکھا صرف وہی تھا جو اُسکے انداز، اُسکے سَرد تاثرات اور عجیب سے رویے سے خائف نظر نہیں آ رہا تھا بلکہ اُسکے چہرے، اُسکے لفظوں میں مَنّت کے لیئے مزید مُحبت اور شیرینی سِمٹ آئی تھی۔مائدہ نے تیزی سے بھیگتی آنکھوں سے اُس شخص کو دیکھا جس پر اُسکا دِل پہلی ہی بار آ گیا تھا اور اب جسکا عکس نگاہوں کے سامنے ہونے کے باوجود دُھندلا رہا تھا۔

ایک جھٹکے سے اُسکی گردن چھُوڑ کر اُس نے اپنے ہاتھ یوں جھٹکے گویا کسی اچھوت کو ہاتھ لگا لیا ہو اور مائدہ لڑکھڑا کر کھانستے ہوئے پیچھے دیوار سے جا لگی۔اُس خوفزدہ کرتی لڑکی کے خوف کے آگے اُسکو سَر دیوار سے لگنے کی تکلیف بھی کم محسوس ہو رہی تھی۔اُن پانچوں پر دوسری غلط نگاہ تک ڈالے بغیر وہ حدید کے سامنے آئی اور حدید اُسکو اپنے بازو کے ہلکے میں لے کر اُن سب کی ششدر آنکھوں سے دُور لے کر چلا گیا۔۔۔

اِتنی گہری میری عداوت ہے۔۔۔

-------@--------@---------@--------@-------@-------

سَر ہاتھوں میں گِرائے وہ بے یقین، خوفزدہ سا بیٹھا تھا۔شاید حُرمت کے بعد حریم کا بھی اِیسے ہی بے موت مارے جانے کا ڈر اُسکے دِل میں گھر کر گیا تھا۔حُرمت کا خیال ذہن میں پھر سے تازہ ہوتے ہی وہ اندر تک لرز گیا۔وہ اُس لڑکی کو بھولا ہی کب تھا اور شاید مرتے دَم تک نہیں بھولنے والا تھا جس سے اُس نے خاموش، دِل میں رکھی جانے والی مُحبت کی تھی اور ہے، وہ نہ کبھی شہسوار کے دِل سے نکلی تھی اور نہ اُس حسین، دِل کو سحر میں مقُید کرتے چہرے کو دِل سے نکال کر بھول جانے کا شہسوار کا اِرادہ تھا۔یہ روگ قبر تک لے جانے کا عہد اُس نے شاید تب ہی کر لیا تھا جب اُس نے اپنی ماں کی آنکھوں میں حُرمت کے لیئے بےاِنتہا نفرت دیکھی تھی۔باوجود اِسکے وہ اُنکو کبھی سمجھا نہ سکھا کہ حُرمت سے اُنکی نفرت کی وجہ بے معنی ہے، بودی ہے۔

اُسکا باپ حُرمت کو بچاتے ہوئے جان کی بازی ہار گیا اِس میں حُرمت کے بچپن کا کوئی قصور نہیں نکلتا تھا، اُسکے تایا جنہوں نے بعد میں اُسکی ماں سے شادی کی بلاشبہ وہ باپ سے بڑھ کر ثابت ہوئے تھے لیکن وہ ایک محبوب شوہر کی ناگہانی جُدائی کا خلاّ اُنکے دِل سے کبھی ختم نہ کر پائے اور پھر اُسکے ماموں جب حُرمت کے لیئے سڑک عبور کر کے شہسوار کے کہنے پر تحفہ لینے جا رہے تھے تب اُنکے ایکسیڈنٹ میں بھی حُرمت کا کوئی ہاتھ نہیں تھا۔وہ اُنکو نہیں سمجھا سکا کہ موت بر حق ہے جس میں اِنسان کا کوئی ہاتھ نہیں ہوتا لیکن اُس دن کے بعد سے اُنھوں نے حُرمت کو اِنتہائی منحوس سمجھنا شروع کر دیا اور اُن سب کو اُسکے سائے تک سے دُور رکھنے کی تدبیر وہ ہر وقت لڑاتی رہتیں لیکن

اُس حادثے کے بعد شہسوار کی جو حالت ہوئی اُس پر وہ ہاتھ مَل مَل کر روتی تھیں حُرمت کے لیئے اور اِسی غم نے اُنکو بستر سے لگا دیا لیکن اُنکی بیماری بھی شہسوار کو کبھی نارمل نہ کر سکی تو وہ حُرمت کے مَر جانے کا غم اور اپنے بیٹے کا دیوانہ پَن کا دُکھ لے کر ایک دِن گہری نیند سُو گئیں کبھی نہ جاگنے کے لیئے۔

حُرمت کا ذکر آج بھی دِل کو اول روز کی طرح دُکھاتا تھا۔اُس سے کبھی ببانگِ دہل مُحبت کا اِظہار نہ کرنے کا غم، اُسکو یہ نہ بتانے کا دُکھ کے وہ شہسوار کو کس قدر محبوب ہے اب عمر بھر کا روگ تھا۔ کبھی کبھار تو اُسکا دِل کرتا سب کچھ تہس نہس کر کے اُسکو اپنے سامنے لے آئے۔شاید وہ حریم کی جانب بھی اِسی لیئے متوجہ ہوا تھا کیونکہ اُسکی آنکھیں، اُسکو دیکھ کر دِل میں دَر آتی کیفیت، اُسکی خاموشی، اُسکی سُوگواری سب کچھ تو حُرمت جیسا تھا، اُسکی یاد شدت سے آتی تھی اور اگر جو کسی دِن حریم کو معلوم ہو گیا کہ وہ اُسکی جانب کس وجہ سے راغب ہوا ہے تو اُسکا دِل ضرور ریزہ ریزہ ہو جائے گا۔آنکھوں میں دَر آنے والی نمی کو انگلیوں کی مدد سے بے دردی سے صاف کرتے ہوئے اُس نے شام کے سائے پھیلاتے آسمان کو نمناک نظروں سے دیکھا اور قدرت اُسکے اِس غم، اِس انجان ہونے پر پُرسراریت سے مُسکرائی تھی۔

"تُو یہاں ہے اور ہم دونوں تُجھے کہاں کہاں نہیں ڈھونڈ کر آئے۔" پیچھے سے آتی حدید کی مُسکراتی آواز پر اُس نے تیزی سے آستین سے رگڑ کر آنکھیں صاف کی اور پلٹا۔حدید نے بغور اُسکی شدتِ گریہ سے سُرخ ہوتی آنکھوں کو دیکھ کر مُسکراتی نظروں سے مَنّت کو دیکھا جو خود بھی ابرو اُٹھا کر مُسکرا رہی تھی۔

"اِس مَنّت کی بچی کو معلوم ہوتا ہے کہ میں کہاں ہوتا ہوں پھر بھی خوار کرواتی رہی تمہیں ضرور اِسکی خود نیت خراب تھی۔"مَنّت کی جانب خفگی سے دیکھتے ہوئے اُس نے کہہ کر مَنّت کا مُنہ حیرت سے کُھلوا دیا۔

"ہمدی بھائی۔۔۔۔کچھ تو شرم کر لیں جب سے آپ قوسین بابا سے مِلے ہیں آپکے تو تیور ہی نہیں مِل رہے۔"آگے کو ہو کر اُسکے شانے پر دھپ رسید کرتے ہوئے کہا تو حدید کا قہقہہ بےساختہ تھا جبکہ شہسوار اُسکو گھور کر اپنا شانہ سہلانے لگا۔

"بیٹا تیرے ماشاءاللہ بڑے قہقہے نکل رہے ہیں۔کوئی نہیں جب اِسکا من ایک وزنی ہاتھ پڑے گا نہ خود ہی ساری شوخی ناک کے راستے نکل جائے گی۔"چہرے پر ہاتھ پھیرتے ہوئے اُس نے جس پھاپے کٹنیوں والے انداز میں کہا اُس سے مَنّت کی ہنسی چھوٹ گئی۔

"آپ میرے شوہر کی فکر نہ کریں۔میں مار چکی ہوں اِنکو بھی اپنا وزنی ہاتھ اور اِنہوں نے بڑی مُحبت اور سلوک سے برداشت بھی کیا ہے آپکی طرح دہائیاں نہیں دیں۔"ناک چڑھاتے ہوئے اُس نے جس طرح نخوت سے کہا اُس نے حدید کے دِل کو گُدگُدا دیا تھا۔دُور سے آتا مُسکراتا ہوا زاور اُن سب کو ایک ساتھ مُسکراتا ہوا دیکھ کر جیسے دِل سے اُنکے لیئے دُعاگو ہوا تھا۔شہسوار کی اپنی جانب پُشت دیکھ کر اُسکی آنکھیں شرارت سے دھمک اُٹھیں۔حدید اور مَنّت کی اُسکی جانب جیسے ہی نگاہ پڑی اِس سے پہلے کہ وہ دونوں کچھ کہتے، زاور نے ہونٹوں پہ ہاتھ رکھتے ہوئے اُن دونوں کو خاموشی کا عندیا دیا۔شہسوار جو اُن دونوں کی میسنی مُسکراہٹ کو مشکوک نظروں سے دیکھ رہا تھا پیچھے سے کسی نے اُسکو دونوں مضبوط ہاتھوں سے تھام کر لاک لگایا، لمحے بھر کو چونک اُٹھتے ہی اُس نے عقب میں

کھڑے شخص کے پیٹ میں تیزی سے کہنی مار کر اُسکا ہاتھ مڑوڑ دیا تو زاور چیختا، کھانستا ہوا تیزی سے سامنے آ گیا۔

"ابے شاہی سواری میں ہوں۔۔۔ چھوڑ مجھے۔۔" اُسکے انداز پر مَنّت اور حدید کے ساتھ شہسوار کے ہونٹوں پر بھی مسکراہٹ رینگ گئی تھی لیکن اُسکا ہاتھ وہ ہنوز مڑوڑ کر یونہی کھڑا رہا۔

"مجھے ملکے میں لینا شروع کر دیا ہے تُو نے بھی اب، ہاں۔۔۔۔ابھی معلوم نہیں ہے کہ میں کِس کا شاگرد رہ چکا ہوں۔۔" اُسا ہاتھ چھوڑتے ہوئے اُس نے شریر آنکھوں سے کہتے ہوئے مَنّت کو دیکھا جو اِس حرکت کے لیئے بالکل تیار نہیں تھی، گھور کر شہسوار کو دیکھتے ہوئے اُس نے شہسوار کو مصلحاتی انداز میں ہاتھ اُٹھانے پر مجبور کر دیا اور حدید، اُس نے بے ساختہ ٹھٹھک کر چہرہ پھیرتے ہوئے مَنّت کو دیکھا جو اُس سے غافل شہسوار کو تنبیہی نظروں سے دیکھ رہی تھی۔

"کچھ شرم کر لے زاوی، ہم فوج والوں کی ناک کٹوا دی تُو نے۔" اِس سے پہلے کہ زاور اُسکے اُستاد کا حقیقتاً پُوچھ لیتا حدید نے تیزی سے کہا، اُسکے اِتنے تیز انداز پر مَنّت نے ٹھٹھک کر حدید کو دیکھا جبکہ حدید کے 'زاوی' کہنے پر شُہسوار نے چونک کر ضرور مَنّت کو دیکھا تھا۔

"وہ میں اِسکا لحاظ کر گیا تھا۔اچھا اِسکو بتایا ہے؟؟" زاور نے گویا ناک سے مکھی اُڑاتے لہجے میں کہا لیکن حریم کا ذہن میں آتے ہی اُس نے کہا تو شہسوار نے سوالیہ نظروں سے اُن تینوں کو دیکھا۔

"ہاں ہم باتوں میں لگ گئے تھے۔چل بیٹا تُجھے یاور آنکل اور بابا جان بُلا رہے تھے۔" آگے بڑھ کر اُسکے شانے پر بازو دَراز کر کے اُس نے اطمینان سے کہا لیکن شہسوار کا دِل ضرور بے چینی سے دھڑکا

دیا تھا۔ اُس نے چونک کر سوالیہ نظروں سے مَنّت کو دیکھا جس نے آنکھیں بند کر کے کھُولتے ہوئے جیسے اُسکو خاموش تسلی دی تھی پھر اُس نے زاور کو دیکھا جس نے لاعلمی سے شانے اچکا دیئے۔

"شہسوار۔۔۔"وہ چاروں خاموشی سے ہسپتال کے اندرونی حصے میں جا رہے تھے جب مَنّت کو ایک نظر دیکھ کر حدید نے اُسکا شانہ تھپتھپا کر اپنی جانب متوجہ کیا۔

"اندر کچھ اِیسا دیکھنے کو تُجھے مِل سکتا ہے جو کہ غیر یقینی ہو مطلب معجزے جیسا تو تُجھے اپنے دِل کو تھام کر۔۔۔"آہستہ آہستہ وہ اُسکو اپنے ٹریک پہ لانے کی کوشش کر کے شاید اندر جا کر لگنے والے دھچکے سے بچانا چاہتا تھا۔ مَنّت نے زاور کو دیکھ کر اُن دونوں کو دیکھا جو چلتے ہوئے ایک دوسرے کی سِمت متوجہ تھے اور تیزی سے حدید اور شہسوار کے عین نگاہوں کے سامنے آ کھڑی ہوئی تو یک دَم اُن تینوں کو ٹھٹھک کر ٹھہر جانا پڑا۔ حدید اور زاور کسی قدر اُلجھن اور حیرت سے اُسکو دیکھ رہے تھے جسکے چہرے کے تاثرات پہلے کی نسبت بالکل مُختلف لگ رہے تھے لیکن صرف شہسوار تھا جو جانتا تھا کہ اُن خاموش نگاہوں، اُن تیور کا اصل مطلب کیا نکلتا ہے۔

"میرے خیال سے ہم کسی بھی نئ صورتحال اور دھچکے کے لیئے ہمشیہ سے تیار رہے ہیں۔۔۔ہیں نہ، سُو مجُھے آپ سے یہی اُمید ہے کہ اندر جا کر گنگ ہو جانے کے بجائے اپنے ہوش حواس میں رہ کر اپنے اعصاب پر ہمیشہ والا کنٹرول رکھنا ہے۔"اُسکے شانے پر ہاتھ رکھتے ہوئے جس طرح وہ کہہ رہی تھی اُس سے زاور نے کسی قدر حیرت سے حدید کو دیکھا جو ساکن سا مَنّت کو ہی دیکھ رہا تھا جسکے لہجے میں ایک 'باس' والا تحکم، ایک 'اُستاد' والا رعب اور ایک 'ساتھی' والی تنبیہہ تھی۔ وہ اُن دونوں کی حیرت سے بے نیاز شہسوار کا شانہ تھپتپا کر جیسے اُسکو ہمیشہ والا تحکم دے رہی تھی اور پھر شہسوار

نے اِیسے سَر آہستگی سے ہلایا جیسے وہ اُسکے ہمیشہ سے تابع رہا ہو، جیسے وہ اُسکے حکم کے آگے اکثر سَر جُھکاتا آیا ہو حدید محسوس کر سکتا تھا اور پھر وہ چاروں خاموشی سے اندر کی جانب بڑھ رہے تھے۔۔۔

------@-------@---------@-------@------@------

"تم کتنے خبیث اِنسان ہو زمان۔۔۔"اُسکے کمرے کا دروازہ دھاڑ سے کھُولا اور وہ جسکی ابھی بامُشکل آںکھ لگی تھی مندی مندی آںکھوں سے اُسکو دیکھنے لگا جو آندھی طوفان کی مانند آئی تھی۔خوف سے پھیلتی آنکھیں تیزی سے اُسکو دیکھ کر دوبارہ اپنے اصل سائز میں واپس آ گئی تھیں لیکن اُسکی آںکھوں کے نیچے موجود گہرے ہلکے اُسکی کئی ہفتوں کی نیند نہ آنے کا واضح ثبوت تھے۔ایک ٹانگ فریکچر تھی جبکہ دوسری ٹانگ سے وہ ہمیشہ کے لیئے معذور ہو گیا تھا۔ایک ہاتھ بُری طرح زخمی تھا گویا کسی چیز کے ساتھ دے مارا گیا ہوں جبکہ گردن بُری طرح چمڑے کے گلوز سے دبائی جانے کے باعث چھل کر جگہ جگہ سے سُرخ تھی بہرحل وہ ایک اِیسے شخص کا منظر پیش کر رہا تھا جسکے ساتھ کسی نے اچھی خاصی پُرانی، سنگین دشمنی نکالی رج کر نکلی ہو۔اُٹھنے کی کوشش میں اُسکے مُنہ سے تیزی سے کراہ نکلی۔ بوکھلا کر اُس نے دروازے کی جانب دیکھا اِس خیال سے کہ وہ 'ہمزاد' یہاں دوبارہ نہ آ جائے اب کی بار یقیناً وہ اُسے مار ہی ڈالے گا۔

"تم۔۔۔خدا کا واسطہ ہے دفع ہو جاؤ میری نظروں سے۔۔۔تمہارے کرموں کا پھل بھگت رہا ہوں اب مزید تمہارے گھٹیا پن میں ساتھ دینے کے قابل نہیں رہا۔"نفرت اور غصہ بیک وقت اُسکے لہجے میں اُتر آیا تھا جسے محسوس کر کے مائدہ لمحے بھر کو ٹھٹکی۔۔جبکہ دروازے کے باہر مائدہ کو اِدھر آتا

دیکھ کر اُسکے پیچھے آتا سُفوان اُس شخص کی آواز سُن کر ضرور دنگ رہ گیا۔وہی آواز جس نے آٹھ سال پہلے اُنکی حویلی کی بنیادیں ہلا دیں تھیں۔

"ارے تم تو بڑے دعوے دار تھے میری مُحبت کے۔بس نکل گئی ساری ہوا تمہاری، ڈرپوک اِنسان۔۔۔"تمسخرانہ لہجے میں کہتے ہوئے اُس نے اپنی حیرت کو چُھپا لیا جبکہ باہر کھڑے سُفوان کے لرزتے ہاتھ کی گرفت اُس اعتراف پر ہینڈل پہ ڈھیلی ہوئی اور پھر اُسکا ہاتھ بے جان ہو کر اُسکے پہلو میں آ گرا۔

"بھاڑ میں گئی مُحبت۔۔۔تم جیسی خودغرض، مفاد اور موقعہ پرست عورت سے مُحبت کرنے سے بہتر ہے اِنسان خودکشی کر لے۔"اُسکے شعے اُگلتے لہجے نے مائدہ کے پاؤں کے نیچے سے زمین کھینچ لی۔وہ تو ہمیشہ سے اُسکی مُحبت کا دَم بھرتے ہوئے اُسکے اِشاروں پر نچتا آیا تھا تو پھر اب کیا ہوا؟؟

"تمم۔۔۔تمہاری اِتنی ہمت۔۔"لہجے میں ہوتی لرزش نے اُسکو کچھ مزید کہنے نہیں دیا تھا۔ذہن جیسے اُن زہریلے الفاظ پر شل ہونے لگا تھا۔

"کیوں تم میں اگر اِتنی ہمت ہے اپنی کزن کے شوہر پہ ڈورے ڈالنے کی کوشش میں ناکام ہونے کے بعد اُنکی شادی رکوا کر اُس معصوم پر گھٹیا اِلزام لگانے کی تو تمہیں آئینہ دِکھانے کی ہمت مُجھ میں کیوں نہیں آ سکتی۔"چیخنے کے باعث گردن میں ہوتے تکلیف پر وہ گردن پر ہاتھ رکھتے ہوئے تیزی سے کہہ کر مائدہ کو دھچکے دے رہا تھا جبکہ باہر کھڑے سُفوان پر ساتوں آسماں آ گرے تھے اُس اِنکشاف پر جو جاں گھسل تھا۔

"کیا۔۔۔کیوں یہ سب بکواس کر رہے ہو تم؟؟" خوف سے سکڑتے دِل کے ساتھ اُس نے تیزی سے آگے بڑھتے ہوئے لرزتی آواز میں کہا تو زمان کے چہرے پر تمسخرانہ مُسکراہٹ دُوڑ گئی۔

"کاش میرے ہاتھ سلامت ہوتے تو تمہیں گولی مار کر کام تمام کر دیتا تمہارا۔تمہاری وجہ سے میں عمر بھر ایک پاؤں اور ایک بازو سے معذور رہوں گا۔۔۔میں بُھول گیا تھا کہ تم آستین کا سانپ ہو، یاد رکھنا چاہیئے تھا جب تمہارے کہنے پر تم سے ملنے کی وجہ سے تمہارے گھر کی دیوار ٹاپ کر آیا اور تمہاری ہی سازش کا شکار ہو گیا۔تم نے مُجھے مَنّت جسکو میں، میں بہن مانتا تھا کہ ساتھ اِتنے گھٹیا انداز میں مُنسلک کیا اور میں صدمے کے باعث بول ہی نہیں پایا مُجھے تب ہی تمہاری اصلیت سمجھ جانی چاہیئے تھی، سمجھ جانا چاہیئے تھا اور تم پر تُھوک دینا چاہیئے تھا۔" دوباوہ کُشن پر سَر گرتے ہوئے وہ سِسک کر اونچی آواز میں کہہ رہا تھا اور اُسکی آنکھیں بھی برس رہیں تھیں جبکہ مائدہ ساکت، جامد سی اُسکو دیکھے جا رہی تھی کیونکہ جو وہ آئینہ اُسکو دِکھا رہا تھا اُس میں اُسکی صورت بے اِنتہا کریہہ، سیاہ اور دِل دہلا دینے والی نظر آ رہی تھی۔سُفوان کو یوں رہداری میں کسی کے کمرے کے باہر بے جان سا کھڑا دیکھ کر وہ چاروں بھائی جو بھاگ کر آئے تھے اندر سے کسی کے چیخ چیخ کر بیان کیئے جانے والے اِنکشافات سے گنگ رہ گئے جبکہ سُفوان کے دِل میں بڑھتا درد وہ سب سُن کر مزید شدت اِختیار کرنے لگا تھا اُسکو محسوس ہوا وہ ابھی ڈھے جائے گا لیکن مکافاتِ عمل انسان سے اُسکا شور اور ہوش نہیں چھینا کرتا ہمیشہ۔۔۔وہ پانچوں بھی سَر پر گرتے ساتوں آسمان، اپنے ضمیر، اِتنے عظیم گنا سَرزد کر دینے کے بوجھ تلے سانس بھی نہیں لے پا رہے تھے، دِل تھا کہ پھٹنے کے قریب تھا لیکن اعصاب کیوں جواب نہیں دے رہے تھے۔۔۔

"سُفوان بھائی۔۔۔" اُنکو کٹے شتر کی مانند گرتے دیکھ کر ارحم کی چیخ راہداری میں بہت دُور تک گئی اور پھر وہ سب بھائی اُنکو تھامنے کے لیئے آگے بڑھے لیکن وہ اپنے پورے قد کے ساتھ اپنی ہی نظروں سے گرتا ہوا نیچے زمین پر جا گرا تھا۔چیخوں کی آواز پر مائدہ باہر بھاگ کر دروازے تک آئی اور دروازہ کھُولے جانے پر عین نظروں کے سامنے سُفوان کو گرا دیکھ کر اُسکا چہرہ لٹھے کی طرح سفید ہو گیا، پاؤں اور ہاتھوں سے جیسے جان نکل گئی جبکہ دروازہ کھُولے جانے کی آواز پر اُن چاروں بھائیوں کی نظر اُٹھی اور اُن میں احترام کے بجائے نفرت، حقارت، اصلیت جان کر بھڑکے اُٹھتے شعلوں نے اُسکے خوف سے سُن پڑتے دِل کو یہ ضرور باور کروا دیا تھا کہ اب اُسکی فطرت، اُسکی اصلیت ڈھکی چُھپی نہیں رہی تھی۔۔۔

ﺉخُدایا! اُنکا الگ سے حساب ہو گا نا؟؟

تیرے بنائے ہوؤں کو جو توڑ دیتے ہیں۔۔۔

------@--------@-------@------@------@------

دروازے پر اِیستادہ وہ حیرت سے گنگ سامنے دیکھ رہا تھا جہاں وہ قوسین صاحب اور یاور صاحب کے ہاتھ اپنے دونوں ہاتھوں میں تھامے مُسکراتے ہوئے اُن دونوں کو کچھ بتا رہی تھی۔گالوں پر آنسوؤں کے مِٹے مِٹے نشان اُسکے شدید رونے کی غمازی کر رہے تھے جبکہ سُتا ہوا قدرے ہلدی مائل لیکن تازہ دَم چہرہ اُسکی روشن مُسکراہٹ سے اُسکے اندر کا سب دُھل جانے کر صاف ہونے کی نشان دہی کر رہی تھا۔سامنے وہی چہرہ تھا جو شہسوار کے تخیل کے پردے سے آٹھ سال کا طویل تریں وقت بھی محو

نہیں کر پائے تھے۔ جسکو سُوچتے اُس نے کتنی ہی راتیں آنکھوں میں کاٹ ڈالی تھیں، وہی جسکا نام حُرمت تھا جسکے لیئے وہ روز مَرتا اور روز جیتا تھا۔۔۔

اور پھر کسی کی نگاہوں کی تیز تپش چہرے پر محسوس کر کے اُس نے نگاہیں اُٹھائیں، مُسکراہٹ سِمٹی، آنکھیں تحیر سے پھیلیں سامنے کھڑے شخص کو دیکھ کر اور شہسوار وہ گنگ سا اُس چہرے پر اُترتے مُختلف تاثر کو یوں حرف بہ حرف دیکھ رہا تھا گویا وہ عین اُسکے سامنے بیٹھا ہو۔۔۔وہ چہرہ اگر حقیقت تھا، معجرہ تھا تو آٹھ سال کے طویل وقت کی دُھول اُسکا حُسن گہنانے میں ناکام ثابت ہوئے تھے۔

ستارے تُوڑ کے لانے کی کیا ضرورت ہے

ستارے دوڑ کے آئیں وہ اِتنا دِلکش ہے

جو کام سُوچ رہے ہیں دِل میں ابھی

وہ کام بُھول ہی جائیں، وہ اِتنا دِلکش ہے

تمام آئینے حیرت میں غرق سُوچتے ہیں

اُسے یہ کیسے بتائیں وہ اِتنا دِلکش ہے

ریاضی میں جہاں بےاِنتہا بَتانا ہو

دو آنکھیں اُسکی بنائیں، وہ اِتنا دِلکش ہے

نظر مِلائے تو ہم جیسے سات پُشتوں تک

نظر کا قرض چُکائیں، وہ اِتنا دِلکش ہے

ہم اُسکے چہرے سے نظر ہٹا نہیں سکتے

گلے سے کیسے لگائیں، وہ اِتنا دِلکش ہے۔۔۔

مَنّت نے آگے کو ہو کر اُسکا شانہ ہلایا تو اُس نے چونک کر نظروں کا زاویہ بدلتے ہوئے اُسکی جانب دیکھا، اُسکی بے یقینی سے بھیگتی آںکھوں کو دیکھ کر مَنّت نے اُسکے شانے ہر ہاتھ رکھ کر تھپتپایا پھر اُسکو آگے بڑھنے کا اِشارہ کیا تو اُس نے چہرہ پھیر کر اپنی دوسری جانب حدید کو تصدیقی نظروں سے دیکھا گویا یقین چاہ رہا ہو کہ یہ حقیقت ہے کوئی سَراب نہیں، حدید اُسکی بےیقین سی کیفیت سمجھ سکتا تھا اِسی لیئے آںکھوں سے آگے بڑھنے کا اِشارہ کیا اور وہ جو ساکن سی اُسکو دیکھ کر کھڑی ہوئی تھی اُسکا چہرہ عجیب سے حزن نے اپنی لپیٹ میں رکھا ہوا تھا۔شہسوار مَرے مَرے قدموں سے اُسکی جانب بڑھ رہا تھا اور اُسکو آگے آتا دیکھ کر یاور اور قوصین صاحب دونوں سامنے سے ہٹ کر سائیڈ پہ کھڑے ہو گئے۔اُسکے عین رُوبرو آکر وہ آںکھوں میں عجیب سی بےیقینی لیئے کھڑا اُسکو دیکھ رہا تھا جسکی موت کا یقین اُس نے کبھی نہیں کیا تھا لیکن پھر اب اِس سب پر خواب کا، معجزے کا سا گُمان کیوں ہو رہا تھا؟؟

"حُرمت۔۔۔"اُسکی مدہم سَرسراتی آواز پر اُسکا سکتہ ٹوٹا۔ذہن میں آٹھ سالوں سے گُونجتی یہ آواز اِس شخص کی تھی جس نے حُرمت نے خاموش، ندی کے ٹھہرے پانی کی سی مُحبت کی تھی اور وہ آج بھی یاداشت کے کہیں گوشہ نشین ہونے کے باوجود بھی دِل سے کہیں نہیں گیا تھا۔اُس چہرے کو دیکھتے ہی اُسکی سُرمائی آںکھیں تیزی سے دُھندلائیں اور پھر اُن نے سے بےاِختیار آنسو چھلک اُٹھے۔ کیا وہ اِن آٹھ سالوں میں اُس شخص کے دِل میں داخل ہونے میں کامیاب ہوئی بھی تھی؟؟

شہسوار قدرے مزید آگے بڑھا اور اُس اُلجھن سے، بھیگتی آں کھوں سے دیکھتی لڑکی کو اپنے شانے سے لگا لیا۔ زمین آسمان کی ہر حرکت جیسے تھم گئی تھی اور وہ بے یقین سی حُرمت ہق دق رہ گئی، اُسکے تو وہم و گُمان میں بھی کہیں شہسوار کا اِیسا ردِ عمل نہیں تھا۔ مَنّت نے مُسکراتی نظروں سے حدید کو دیکھا جو اُسکی جانب ہی متوجہ تھا، مَنّت کے نگاہ کرتے ہی اُسکی آں کھوں کی چمک میں تیزی سے اضافہ ہوا تھا جس پر گلابی ہوتے گالوں سے نگاہوں کا زاویہ بدل لیا۔ اچانک روم میں شہسوار کی تیز ہوتی سِسکیاں گُونجنے لگیں تو سب نے افسردگی اور سُوگواری سے اُسکو دیکھا جو حُرمت کو بچوں کی طرح خود سے لگائے بے طرح رُو رہا تھا جیسے ابھی بھی اُسکے بھیڑ میں کھُو جانے کا اندیشہ ہو۔ وہاں موجود سب نفوس جانتے تھے کہ شہسوار کے لیئے ہُرمت کیا معنی رکھتی ہے صرف حُرمت تھی جو اپنی مُحبت کو ہمیشہ یک طرفہ سمجھتی آئی تھی لیکن کبھی کبھی اُسکو دیکھ کر شہسوار کی آں کھوں میں اُترتی سُوگوار سی روشنی اُسکے دِل کو ضرور کسی نئی اُمّید، مُحبت کے کبھی کونپل پُھوٹ جانے کی آس دِلاتے تھے لیکن وہ یہ نہیں جانتی تھی کہ شہسوار اُس پر کئی زمانوں، اپنے بچپن سے مَرتا آیا تھا۔ اُسکے اِس طرح رونے پر اُسکا تیزی سے دھڑکتا دِل مزید اُلجھن کا شکار ہوا تھا۔ اُس نے اپنے بے جان ہوتے ہاتھ اُٹھا کر اُس شخص کے دائیں شانے پر رکھ کر جیسے اُسکو تسلی دینی چاہی تھی لیکن اِس سے اُسکے رونے میں کمی کے بجائے اُلٹا اِضافہ ہی ہوتا چلا جا رہا تھا۔۔۔ اُن سب کے لیئے اِتنے سالوں کا صبر رائیگاں نہیں گیا تھا۔ سب کچھ جو وقت نے اُن سے بے دردی سے چھین لیا تھا وہ بہت اچھی صورت میں اللہ پاک نے پھر سے اُن کے دامن میں ڈال کر اُن سب کو خوب نواز دیا۔۔۔

------@-------@-------@------@------@------

"سُفوان بھائی۔۔۔آ۔۔آپ ٹھیک تو ہیں؟؟" اُسکو ہوش میں آتا دیکھ کر وہ چاروں تیزی سے اُسکے بیڈ کی جانب لپکے تو ارحم نے اُنکا سَرد پڑتا ہاتھ تھام کر مدہم، بھیگتی آواز میں کہا۔اُس نے آنکھیں جھپک کر اُن سب کو خاموش تسلی دینا چاہی۔تھکاوٹ جیسے روم روم میں بسی ہوئی تھی، دِل کا درد حد سے سَوا تھا اور دماغ کی شیریانیں گویا پھٹ جانے کو تھیں لیکن وہ اُن چاروں کو مزید پریشان نہیں کرنا چاہتا تھا۔نفی میں سَر ہلاتے ہوئے اُس نے گویا سب کو خاموش تسلی دی تھی لیکن اُسکا زرد پڑتا چہرہ اُسکے اندرونی خلشتار کا پتہ بخوبی دے رہا تھا۔اِس سے پہلے کہ وہ سب مزید کچھ پُوچھتے دروازہ کُھلنے کی آواز پر اُن سب کے ساتھ سُفوان نے بھی چہرہ پھیر کر دیکھا اور اُسکو اندر روتا دُھوتا آتا دیکھ کر اُسکی رگ رگ میں زہر سرائیت کرنے لگا۔اُن چاروں بھائیوں نے بھی نفرت سے چہرہ پھیر لیا تھا لیکن وہ مائدہ تھی۔۔۔۔

"سُفوان۔۔۔کیا ہوا ہے آپکو؟" روتے ہوئے وہ جیسے ہی قریب آئی، اِس سے پہلے کہ وہ سُفوان کا ہاتھ پکڑتی، سُفوان نے بےدردی سے اُسکا ہاتھ جھٹک دیا اور وہ ہق دق سی اُسکو دیکھنے لگی جو اب اُسکی شکل تک دیکھنے کا روادار نہیں تھا۔

"کیوں اِیسے کر رہے ہیں سُفوان۔مُجھ معصوم کی کیا غلطی۔۔۔"اِس سے پہلے کہ وہ مزید ٹسوے بہا کر اپنی بات مکمل کرتی سُفوان کی دھاڑ پر خوفزدہ ہو کر تیزی سے پیچھے ہوئی، بےیقینی اور صدمہ شدید تھا۔

"دفع کرو اِس عورت کو میری نظروں کے سامنے سے دانی۔ نہیں تو میں اِس کا قتل کر بیٹھوں گا۔" اُٹھ کر بیٹھتے ہوئے وہ پھنکارا تو مائدہ نے اُسکی آواز کی سختی پر تیزی کانوں پر ہاتھ رکھ لیا۔ سُفوان اور اُسکے ساتھ اِتنی سخت اونچی آواز میں بات، یہ اِنہونی تھی، یہ ناممکن تھا۔۔۔

"فلحال یہاں سے چلی جائیں، نہیں تو ہم سب آپکا بچا کُچا ادب لحاظ بُھول جائیں گے۔" ارحم نے آگے کو ہو کر غراتے ہوئے کہا تو مائدہ نے کانوں پر سے ہاتھ اُٹھاتے ہوئے بے یقینی سے پلٹ کر اپنے باقی دیوروں کو دیکھا جن کی آنکھوں سے نفرت کے شُعلے نکل رہے تھے۔ اِتنی نفرت اور ذلت اُس نے کب سہی تھی۔۔۔۔

"سُفوان دیکھیں یہ مُجھ سے کیسے بات کر رہا ہے ارحم۔۔۔ میں۔۔" اِس سے پہلے کہ وہ کچھ اور کہتی سُفوان ایک جھٹکے سے اُٹھا، اُسکا ہوا میں اِشاررہ کرتا ہاتھ بےدردی سے جھکڑ کر گھسیٹتا ہوا اُسکو دروازے کی جانب لے جانے لگا۔ وہ جو اُسکے اِس قدر جارہانہ عمل پر ششدر رہ گئی تھی، بےیقنی سے ساتھ گھسٹتے ہوئے سُفوان کے چہرے پر دَر آنے والی نفرت، سختی اور تنفر کو ڈوبتے دِل اور پھٹتی آنکھوں سے دیکھنے لگی اور اِس سے پہلے کہ وہ سنبھل کر کچھ کہتی سُفوان نے ایک جھٹکے سے دروازہ کُھول کر اُسکو باہر دھکیل دیا، لڑکھڑا کر دیوار کا سہارا لیتے ہوئے وہ حیرت بھری نظروں سے اُس شخص کو دیکھ رہی تھی جو اُسکا شوہر تھا اور جو ہمشیہ اُس پر جان نثار ہی کرتا آیا تھا۔ کیا اب دوبارہ وہ کبھی اپنا کھویا ہوا مقام اِن سب کی نظروں میں حاصل کر پائے گئی؟ بالکل ویسے ہی جیسے اُس نے مَنّت کو دربدر کیا لیکن وہ تو حدید، اپنے محبوب شوہر کے ساتھ بے حد خوش و خُرم تھی تو کیا کبھی وہ سُفوان کی آنکھوں میں پہلے جیسی مُحبت، عزت اور مَان دیکھ بھی پائے گی؟؟۔ یہ سُوچ آتے ہی اُسکا

دِل جیسے گہری کھائی میں لڑھکتا جا رہا تھا۔واقعی کسی نے سچ کہا ہے کہ دِلوں کو جاتے راستے بے حد دُشوار گُزار اور پھسلن زدہ ہوتے ہیں اور جو ایک بار اِس رستے پہ چلتے ہوئے لڑکھڑا کر پھسلا وہ کبھی اپنا وہ پہلا مقام، وہ رتبہ مَر کر بھی نہیں حاصل کر سکتا۔

"دوبارہ میری نظروں کے سامنے آئی تو یا طلاق تمہارے اِس مکر و فریب والے کریہہ چہرے پر دے ماروں گا یا تمہارا قتل اپنے ہاتھوں سے کر کے پھانسی چڑ جاؤں گا۔"چبا چبا کر ایک ایک لفاظ حقارت اور نفرت سے ادا کرتے ہوئے اُس نے اُس عورت کے مُنہ پر دروازہ دے مارا جس نے آج تک ہر جانب سے محبتیں ہی سمیٹی تھیں، جسکا ہمشیہ سراہا ہی گیا تھا لیکن اب وقت اپنی چال اُلٹی چلنا شروع ہو گیا تھا۔مکافاتِ عمل کی چکی اُس مائدہ نامی لڑکی کو بہت باریک پیسنے کو قدرت نے بالکل تیار کر رکھی تھی۔۔۔

-----@-------@-------@-------@------@-------

"حُرمت۔۔۔"وہ کوئی ایک گھنٹے سے اُسکے دونوں ہاتھوں کو یونہی مضبوطی سے تھامے اُسکا نام دقعتاً فوقتاً دُوہرائے جا رہا تھا۔وہ جو پہلے اُسکے اِتنے شدید ردِ عمل پر ساکن اور ششدر سی تھی اب دو گھنٹے بعد اُسکے ساتھ بیٹھی کافی حد تک سنبھل گئی تھی لیکن جب جب وہ اُسکو پُکارتا اُسکی جان شہسوار کے تھامے گئے ہاتھوں میں آ سِمٹتی۔اب کی بار بھی اِیسا ہی ہوا تھا تیزی سے سُرخ پڑتے چہرے کے ساتھ اُس نے مَنّت اور حدید کی شوخ اور اُسکی عجیب ورفتہ نظروں پر نگاہیں تیزی سے جُھکا لی اور شہسوار وہ سانس رُوکے اُسکے ملکوتی حُسن سے سجا چہرہ دیکھ رہا تھا۔

"حُرمت۔۔۔میں تمہیں کچھ بتانا چاہتا ہوں۔" شہسوار کے مدہم لہجے پر اُس نے بامُشکل اپنی بھاری ہوتی پلکیں اُٹھا کر اُسکو دیکھا جو بس مُٹھی بھر فاصلے پر پاس ہی تھا، خواب سے زیادہ قریب۔مَنّت کی جانب جی جان سے متوجہ حدید بھی شہسوار کی آواز پر اُنکی سِمت شہسوار کی انداز پر دیکھنے لگ گیا۔
حُرمت کی اُلجھی سوالیہ نظریں دیکھ کر اُس نے بےاِختیار کھنکھار کر اپنا گلا صاف کیا اور مَنّت کی شہسوار کی اِس قدر بوکھلاہٹ پر ہنسی چھُوٹ گئی۔
"شاید تم نہیں جانتی حُرمت لیکن میں۔۔۔میں تم سے ایک زمانے سے مُحبت کرتا آیا ہوں، بچپن سے اور اب تک کرتا ہوں۔" اُسکی روشن آنکھوں میں دیکھتے ہوئے اُس نے دھیمے لہجے میں کہہ کر حُرمت کے گِرد گویا فسوں سا بکھیر دیا تھا۔وہ بےیقینی سے آنکھیں پھیلائے اُس شخص کو دیکھ رہی تھی جو اُسکی عمر بھر کا حاصل تھا، جس سے مُحبت کرتے کرتے وہ شاید تھکنے لگی تھی اور اُسکی سماعتیں جو عرصے سے اِعتراف کے لیئے ترس رہی تھیں وہ محو ہو کر اُس شخص کو سُن رہی تھیں جو آج بھی مکمل تابناکی سے اپنا اثر چھوڑتا تھا، جسکی موجودگی آج بھی جاندار تھی۔
"اپنے دِل میں ہر پَل موجود تمہاری اِس مُحبت کا تمہیں بتانا چاہتا تھا ہمشیہ سے لیکن ماں کا ادب اڑے آ جاتا تھا۔دِل کے ہاتھوں مجبور ہونے کے باوجود بھی کبھی تمہیں نظر بھر کر نہیں دیکھ سکا لیکن تم یقین کرو تم اِس دِل کی ہمیشہ سے مکین رہی ہو۔" مدہم آواز میں کہتے ہوئے اُس نے حُرمت کی آنکھوں کو بھیگو ڈالا تھا اور اِس سے پہلے کہ اُسکی آنکھیں چھلک پڑتیں تیزی سے کہتے ہوئے اُس نے یقین دِلانے کو اُسکا سَرد ہاتھ اپنے عین دِل کے مقام پر رکھ دیا۔لمحے بھر کو وہ ساکن سی اُسکے مضبوط دِل کی تیز ہوتی دھڑکنوں کو سُنتی رہی لیکن پھر اُن دھڑکنوں کا پیغام سُن کر اُسکی پلکیں لرز کر

پھر سے رخساروں پر سایہ فگن ہو گئیں۔حدید جو بھیگتی آنکھوں سے حُرمت کے خوشی اور بے یقینی سے دھمکتے چہرے کو دیکھ رہے تھا اُسکو خبر نہیں ہوئی کہ اُسکی آںکھ سے آنسو بس چھلک جانے کو بے تاب تھا۔اِس سے پہلے کہ وہ آںسو ارزاں ہو کر گرتا مَنّت نے ہتھیلی اُسکے چہرے پر پھیر کر اُس آنسو کو اپنے ہاتھ میں سمیٹ لیا۔حدید نے چونک کر اُسکو دیکھا جو حدید کے دیکھتے ہی پوری دلکشی سے مُسکرائی تھی اور حدید دِل کو سنبھالتا اُس مسحور کرتی، دھڑکن روک دیتی ہنسی کو دیکھتا رہ گیا جس نے اُسکو پہلی نظر میں ہی اپنا اسیر، اپنا دیوانہ بنا ڈالا تھا۔۔۔

ے تمہیں ہنستا ہوا جو سُن لوں میں

تو ساتوں سُر، سماعتوں میں سما کر رقص کرتے ہیں۔۔۔

-----@-------@-------@------@------@-------

اُن سب کا ولیمہ یاور اور قوسین صاحب کی بے حد فرمائش پر رکھا گیا تھا حالانکہ مَنّت اور حُرمت نے بہت منع کیا لیکن وہ حدید اور شہسوار ہی کیا جو یہ بات سُن کر عقل پکڑ لیں۔لوگوں کو یہی کہا گیا کہ یہ ایک عام فیملی گیدرنگ ہے۔حُرمت اور مَنّت ایک جیسے ہی سلور رنگ کے کامدار شرارے میں ملبوس، سَر پہ حجاب اور بے حد نیچرل سے میک اپ کے ساتھ سب میں نمایاں نظر آ رہی تھیں۔ ارباب کے ساتھ کھڑیں وہ دونوں اُسکو زاور کے حوالے سے بہت چھیڑ رہیں تھیں کیونکہ زاور کے گھر والے آناً فاناً اُنکے گھر جا کر انگھوٹی پہناتے ہی شادی کی تاریخ بھی رکھ آئے تھے۔ارباب پہلے تو مَنّت کے اِتنے تبدیل رویئے، اُسکی شوخی اور شرارت کو دیکھ کر کتنے دن دنگ رہی لیکن پھر اُن سب کو

ایک ساتھ ہنستے مُسکراتے دیکھ کر وہ بھی اُنکے ساتھ اب کافی کمفرٹیبل محسوس کرنے لگی تھی اِنفیکٹ اُسکی اب بہت زیادہ اُن دونوں سے دوستی بھی ہو چکی تھی۔

"کچھ شرم کر لو بغیرتوں عمر کے آخری حصے میں ولیمے کروا رہے ہو لیکن مُجھ غریب کا کچھ خیال نہیں ہے۔" زاور نے شہسوار کو کہنی مارتے ہوئے اُسکی نگاہ جو حُرمت کے گرد ہی منڈلا رہی تھی کو اپنی جانب متوجہ کیا، شہسوار نے گھور کر اُسکو دیکھا جو شکل پر دُنیا جہان کی محصومیت لے آیا تھا۔ حدید نے ملامت بھری نظروں سے زاور کو دیکھ کر مَنّت کو دیکھا جو کسی کام کے غرض سے شاید اندر جانے لگی تھی۔ زاور اور شہسوار سے آنکھ بچا کر وہ کچھ سُوچ کر تیزی سے پیچھے لپکا۔ یہ یاور صاحب کے فارم ہاوس کا پچھلا حصّہ تھا جہاں کافی مدہم روشنیوں کے باعث ہاتھ کو ہاتھ سُجھائی نہیں دیتا تھا لیکن وہ اُس اندھیرے میں بہت آرام سے چل رہی تھی اور حدید بغور اسکو دیکھ رہا تھا جو اپنے کلچ سے سیل فون نکال کر اُس پہ کسی کا نمبر ڈائیل کر رہی تھی۔

"سلام! کیا بنا اُس لڑکی کا جسے وہ امیرزادے تنگ کر رہے تھے؟" حدید جو بالکل خاموش قدموں سے اُسکے عقب میں تھم گیا تھا اُسکی سَرد، تحکم آواز پر اُسکے کان کھڑے ہو گئے۔ ایک ہاتھ سے اپنے کان کی لّو کو مسلتے ہوئے وہ حدید کو یکسر مُختلف لگ رہی تھی پہلے والی ہنستی، کھکھلاتی بنّت سے۔ اب تو وہ تاریک اور سَرد سی محسوس ہو رہی تھی لیکن پھر بھی اُسکی آواز کے رعب اور تحکم پر حدید کے چہرے کو بڑی بھلی سی مُسکراہٹ چُھو گئی اِس خیال سے کہ کون سُوچ سکتا ہے اِس دھان پان سی لڑکی کے بارے میں کہ وہ اصل میں کون ہے اور کیا کرتی پھرتی ہے۔

"ہاں سہی ہے۔اِس بُری طرح خوفزدہ کرنا کہ آئیندہ اِیسی گھٹیا حرکت کرنے سے پہلے ہزار بار سُوچیں اور اُس لڑکی کو لے کر یاور صاحب کے گھر چھوڑ آؤ۔"آخری کلمات میں حکم جاری کر کے اُس نے کال ڈراپ کی لیکن اپنے بالکل عقب میں اُسکو کسی کی موجودگی کا اِحساس ہوا۔اندھیرے میں اُسکی حسیات ویسے بھی بہت تیز ہو جاتی تھیں اب تو کسی کی سانسوں کی مدہم آواز بھی وہ سُن پا رہی تھی۔ اپنے ہاتھ میں پہنی انگھوٹی پر ہاتھ پھیرتے ہوئے اُس نے تیزی سے پلٹ کر پیچھے کھڑے شخص کو سنبھلنے کا موقع دیئے بغیر شانے سے دبوچ کر، اُسکی گردن پر اپنی انگھوٹی سے نکلتا نوکیلا ننھا سا پھلدار چاقو رکھتے ہوئے دیوار سے لگا دیئے۔چند پل تو وہ یونہی حدید کے مُسکراتے، شریر چہرے کو دیکھے گئی اور پھر تیزی سے انگھوٹی والا ہاتھ نیچھے کر کے وہ اُس کے کالر پر اپنی مضبوط گرفت ڈھیلی کرتے جیسے ہی پیچھے ہونے لگی حدید نے اُسکا کالر پر رکھا ہوا ہاتھ یونہی اپنی گرفت میں لے کر اُسکے پلٹنے کی کوشش ناکام بنا دی۔

"اِتنا بھی ہر وقت محتاط نہیں رہنا چاہیئے۔اب تم مُجھ پر اپنی حفاظت سے متعلق بھروسہ کر سکتی ہو۔" اُسکا وہی ہاتھ اپنے دِل کے مقام پر رکھتے ہوئے اُس نے کہا تو مَنّت نے چونک کر اُسکو دیکھا کیونکہ اُسکا دِل اِتنے اچانک حملہ کیئے جانے پر بھی نارمل دھڑک رہا تھا۔

"اپنی حفاظت والی بات نہیں ہے بس مُحتاط رہنے کی عادت ہو گئی ہے۔"یونہی اُسکے پاس کھڑے اُس نے مدہم لہجے میں کہا تو حدید نے بغور اُسکی لرزتی پلکیں دیکھیں۔

"تم مُجھے کچھ بتانا چاہتی ہو؟؟" حدید کے یقین بھرے سوال پر اُس نے قدرے تعجب سے حدید کو دیکھا جو اُسکی حیرت پر اب محضوظ ہو رہا تھا۔

"ہاں لیکن آپکو شدید دھچکا بھی لگ سکتا ہے۔"اُس نے بھی مُسکرا کر کہا تو حدید کا قہقہ بے ساختہ تھا۔ مَنّت یک ٹک اُس خاموش رات میں اُسکی ہنسی دیکھ رہی تھی۔

"ہو سکتا ہے مُجھے بالکل حیرت نہ ہو، بالکل دھچکا نہ لگے۔"حدید نے شانے اچکا کر کہا تو مَنّت نے ٹھٹھک کر مشکوک نظروں سے اُسکے چہرے کے تاثرات کو دیکھا اور وہ ورفتی نظروں سے اُسکے چاند کی روشنی میں دھمکتے چہرے کو دیکھے گیا۔شاید حدید نے پہلی بار اُسکو یوں کامدار کپڑوں میں، میک اپ اور زیوارات میں دیکھا تھا ورنہ وہ تو ہمیشہ سے بہت سادہ سے حلیئے میں بھی حدید کے دِل پر کمند ڈالتی تھی۔

"اچھا پھر آپکو ابھی میرے ساتھ کہیں چلنا پڑے گا۔"پرجوش ہو کر کہتے ہوئے اُس نے حدید کو ہنسنے پر مجبور کر دیا تھا۔

"ہاں چلو لیکن سب کو بتا تو لینے دو۔"اُسکو ہاتھ نرمی سے چھوڑتے ہوئے کہا گیا جس پر مَنّت نے تیزی سے اُسکے ہونٹوں پر خاموش کروانے کے لیئے انگلی رکھی لیکن حدید کے بدلتے تاثرات پر اُس نے جھینپ کر تیزی سے اپنا ہاتھ واپس کھینچ لیا اور چند قدم پیچھے کو ہوئی۔

"نہیں کسی کو نہیں بتانا۔آپ بس یہیں رُکیں میں چینج کر کے آتی ہوں دو منٹ میں۔"انگلیوں سے اِشارہ کرتے ہوئے وہ تیزی سے پلٹی اور اِس سے پہلے کہ حدید کچھ کہتا وہ شرارہ چٹکیوں میں سنبھال کر بھاگتی ہوئی اندر کی جانب غائب ہو گئی تو وہ بے اِختیار گہرا سانس لے کر رہ گیا۔سَر اُٹھا کر اُس نے ستاروں سے مزین آسمان کو دیکھا اور مُسکرا دیا کیونکہ آج مَنّت اُسے اپنے گہرے راز میں شریک کرنے لگی تھی یعنی اب اُن دونوں کے درمیان کچھ بھی راز نہیں رہنے والا تھا۔گہرا سانس لے کر اُس

نے دوبارہ وہاں دیکھا جہاں سے وہ منظر سے اُوجھل ہوئی تھی اور پھر وہ اُسکو دو منٹ سے بھی زیادہ جلدی آتے دیکھ کر لمحے بھر کو ٹھٹھکا گیا اور اُسکا حلیہ۔۔۔وہ نیچے سیاہ گھٹنوں تک آتی شرٹ، سیاہ کھُلے ٹراوزر اور سیاہ ہی اُوور کوٹ میں ملبوس، سُر پر سیاہ حجاب پہنے بھاگ کر آ رہی تھی اور وہ کتنی دیر ساکن سا اُسکو آتا دیکھتا رہا جو سیاہ لباس میں، اُس سیاہ رات میں بھی چودھویں کے چاند کی مانند دُور سے بھی دھمک رہی تھی۔

"چلیں۔۔۔"حدید کی کھُوئی کھُوئی آں‌کھوں کے آگے ہاتھ لہرا کر اُس نے مُسکراتے ہوئے کہا تو وہ جیسے کسی ٹرانس سے باہر نکلا اور سَر ہلا کر اُسکے پیچھے ہو لیا۔اُسکو عقبی حصّے میں جاتے دیکھ کر وہ چونکا تھا لیکن قدم تھمے نہیں تھے اور اُسکی حیرت وہاں دو سیاہ حدید ٹریل بائکس کو دیکھ کر مزید دو چند ہو گئی۔اُسکی حیرت سے بے نیاز اُس نے ایک بائیک کے پاس آ کر اُس پر پڑا سیاہ ہیلمٹ ہاتھ میں تھاما اور پھر حدید کی جانب اُچھال دی جس نے یک دم اُسکو تھام لیا تو وہ بے ساختہ مُسکرائی تھی۔

"ماشاءاللہ! آپکی ٹرینگ اور آپکے ریفلیکس بہت پرفیکٹ ہیں۔"دوسرا ہیلمٹ پہنتے ہوئے اُس نے توصیفی انداز میں کہا تو حدید کے چہرے کو اب کے مُسکراہٹ چھُو گئی تھی۔اُسکی دیکھا دیکھی ہیلمٹ پہن کر وہ دوسرے بائیک کے قریب آ کر اُس پر ہاتھ پھیرنے لگا۔

"تم ٹریل بائیک بھی چلا لیتی ہو؟؟" حدید کے سوالیہ انداز پر اُس نے ٹھٹھک کر حدید کو دیکھا۔بائیک پر ہاتھ پھیرتے ہوئے اُسکا لہجہ بے حد عام سا تھا لیکن اُس میں کئی اِسرار پُوشیدہ تھے۔

"بالکل! ہیوی بائیک بھی خود سیکھا تھا اور بھی سے کیا مُراد ہے؟؟" بیٹھتے ہوئے اُس نے انگشن میں چابی گُھماتے ہوئے ہیلمٹ کا شیشہ نیچے کر کے حدید کو دوسرے بائیک پر بیٹھنے کو کہا جو مُسکرا کر خود بھی ہیلمٹ پہن کر بیٹھ گیا تھا۔

"مطلب کہ ہاتھ چلانے کے علاوہ اور کیا کیا ہنر ہیں میری بیگم کے پاس۔" شرارتی لہجے میں کہہ کر اُس نے لمحہ بھر کو مَنّت کو چونکایا تھا لیکن پھر اُس نے کندھے بے نیازی سے اچکا دیئے۔

"ابھی سب پتہ چل جاتا ہے۔تو ہو جائے ریس۔۔۔" بائیک کو ریس دیتے ہوئے اُس نے آواز میں پُر اسراریت سمو کر کہا اور پھر حدید کے ساتھ ہی اُس کا بائیک اندھی طوفان کی طرح نکلا اور گیٹ کے قریب پہنچتے ہی لوہے کا دروازہ سینسر سے کُھلتا چلا گیا۔اب وہ دونوں بہت تیز رفتاری سے منزل کی جانب گامزن تھے۔ کبھی حدید آگے نکل جاتا اور کبھی وہ۔راستہ دُشوار گُزار تھا لیکن وہ دونوں بے حد اِطمینان سے گولی کی رفتار سے جا رہے تھے جیسے دونوں کا ہی یہ معمول کو۔حدید کو اُسکے بائک چلانے کے انداز پر اب ذرہ باربر بھی حیرت اور تحجب نہیں ہوا تھا کیونکہ وہ جان گیا تھا، سمجھ گیا تھا کہ اُسکی مَنّت عام عورتوں سے کِس قدر مُختلف ہے کیونکہ وہ ہمزاد تھی۔۔۔

طویل ریس کے بعد وہ دونوں اب ایک جنگل میں تعمیر شُدہ لکڑی کے دو منزلہ لیکن کشادہ سے گھر کے سامنے تھے جو پورہ اندھیرے میں ڈوبا ہوا تھا۔روشنی صرف اُن دنوں کے بائیکس کی ہیڈ لائیٹس سے لکڑی کے دروازے پر پڑ رہی تھی ورنہ اندھیرے میں اُس گھر کا نہ ہونا برابر تھا۔

"میں جیت گئی نہ۔" ہیلمٹ اُتارتے ہوئے اُس نے ایک ادائے بے نیازی سے، ایک ناز سے کہا تو حدید کا قہقہ اُس ویرانے میں بہت دُور تک گیا۔۔۔

"ہاں میری جان تم جیت گئی۔ تم ہمیشہ سے جیتتی ہی آئی ہو اور تم جیت کے لیئے ہی بنائی گئی ہو۔" اُسکی سِمت بڑھتے ہوئے جس طرح اُس نے کہا تھا مَنّت بے اِختیار جھینپ کر تیزی سے آگے بڑھی اور لوگوں کے سامنے وہ چاہے کتنی ہی مضبوط، سنجیدہ، سفاک اور خوددار عورت بن جائے حدید کے سامنے وہ ہمیشہ سے مَنّت ہی تھی نازک، جھینپ کر شرما جانے والی، تحفظ تلاش کرتی مَنّت۔۔۔

"کیا بتانا ہے مُجھے؟؟" اُسکو دروازے کی جانب بڑھتے دیکھ کر اُس نے پیچھے سے ہانک لگائی لیکن پلٹے بغیر اُس نے آنے کا اِشارہ کیا اور دروازہ دھکیلا کر اندر چلی گئی تو وہ بھی خاموشی سے اُسکے پیچھے ہو لیا۔ اندر بالکل گُھپ اندھیرا تھا، ہاتھ کو ہاتھ تک سُجھائی نہیں دے رہا تھا لیکن حدید اُسکا ہونا محسوس کر سکتا تھا اُس نے آگے کو ہو کر اُسکا ہاتھ تھاما تو وہ یک دَم مُسکرا دی اُسکی فکر پر۔۔۔

"ہو سکتا ہے میں آپکے اعصاب پر بم گرا دوں سُو دِل تھام کر رکھیں۔" اُسکا ہاتھ یونہی تھامے وہ نیچے بیسمنٹ کو جاتی سیڑھیوں کی جانب بڑھ رہی تھی۔ سیڑھیاں اُترنے تک اُن دونوں کے بیچ خاموشی ہی رہی تھی۔ سیرھیاں اُترتے ہی حدید نے اُسکا ہاتھ چھوڑا تو اُس نے دیوار پر ہاتھ مار کر بیسمنٹ کی ساری بتیاں روشن کر دیں۔ دو دونوں کی آنکھیں عام لوگوں کی طرح بھڑک اُٹھتی روشنی سے چندھیائی نہیں تھیں۔ کمرہ روشن ہوتے ہی حدید نے چہرہ گُھما کر چاروں طرف دیکھا۔ اُس کمرے میں ایک دیوار پر کل آٹھ ایل-سی-ڈیز لگی ہوئی تھیں اور دوسری دیوار پر دُنیا جہاں کا جدید اسلحہ ایک شیشے کے ریک میں نفاست سے سیٹ کر کے رکھا گیا تھا جبکہ ایک سائیڈ پر باکسنگ اور مرشل آرٹس رینگ تھا جبکہ وہیں دیوار سے پنچنگ بیگ جُھول رہا تھا۔ وہ کمرے کسی اور ہی دُنیا کا منظر پیش کر رہا تھا گُو کہ حدید کے ذاتی لائبریری سے مُنسلک کمرہ اِس سے بھی جدید اور عجیب تھا لیکن کسی عورت کے پاس اِیسا

کمرہ ہونا الگ بات ہے۔۔۔حدید نے چہرہ پھیر کر اُسکو دیکھا جو ایک بڑے سے ٹیبل پر جابجا بکھری مُختلف بندوقوں اور چاقوؤں کو ہاتھ پھیرتے ہوئے سَرسَری سا دیکھ رہی تھی۔حدید کو اُس پَل وہ زمانوں پہلے مرگلہ کی پہاڑوں پر رُوتی دُھوتی مَنّت سے یکسر مُختلف لگ رہی تھی لیکن پھر بھی وہ دِل کو عجیب سُوگواری اور کشش سے آج بھی اپنی جانب کھینچتی تھی۔سَر جھٹک کر اُس نے ٹیبل پر پڑی سیاہ رنگ کی ڈریگنوؤ پر ہاتھ پھیرتے ہوئے اُس کو ایک جھٹکے سے اُٹھا لیا جسکو کو حرفِ عام میں سنائپر سے جانا جاتا ہے۔مَنّت نے اُسکو گن کو بے حد محویت سے اُٹھا کر چیک کرتے دیکھا تو اُسکے چہرے پر مُسکراہٹ چھا گئی۔

"آپکو پسند آئی؟؟' اُسکی دِلچسپی محسوس کر کے مَنّت نے کہا تو حدید نے چونک کر سَر اُٹھایا۔مَنّت اُسکی آںکھوں میں کوئی اُلجھن، کوئی تحیر نہ دیکھ کر لمحے بھر کو ساکن ہوئی تھی۔

"بہت زیادہ، میں نے یہ باہر سے منگوائی ہے کچھ دِن میں ایک دوست لے آئے گا۔"سنائپر کو زوم کر کے اِدھر اُدھر گُھما کر اپنا فوکس چیک کرتے ہوئے اُس نے مصروف سے انداز میں کہا۔

"اچھا۔۔۔"مَنّت کی آواز میں مایوسی محسوس کر کے حدید نے قدرے چونک کر اُسکی جانب دیکھا جو اب بے دِلی سے ہاتھ میں پہنے سیاہ دستانے اُتار رہی تھی۔حدید چند لمحے نا سمجھی سے اُسکا بُجھتا چہرہ دیکھتا رہا۔

"کیوں کیا ہوا؟؟"گَن واپس ٹیبل پر رکھتے ہوئے اُس نے حیرت سے اِستفسار کیا تو مَنّت نے نفی میں سَر ہلایا اور پلٹ کر لکڑی کی بنی الماری کی جانب بڑھتے ہوئے اُسکو ایک جھٹکے سے کُھول کر اُس کے اندر سے کچھ تلاش کرنے لگی۔حدید کچھ پَل یونہی کھڑا رہا پھر قدم قدم اُسکے پیچھے چلتا ہوا آیا جو

چہرے پر کچھ پہن رہی تھی اور حدید کو قریب آتا محسوس کر کے وہ آہستگی سے پلٹی، لمحے بھر کو حقیقتاً حدید کا سانس کہیں اندر ہی اٹک کر رہ گیا اُسکے چہرے پر اُس سفید ماسک کو پہنے دیکھ کر جس نے دو سالوں تک حدید کی نیند اور سکون تجسس سے اُڑا رکھا تھا وہ لمحے بھر کو ٹھٹھکا لیکن اُسکے چہرے کے تاثرات ذرا بھی نہیں تبدیل ہوئے تھے۔مَنّت نے کسی قدر تعجب سے ماسک اُٹھا کر سَر پر رکھا تو حدید بے ساختہ اُسکا انداز دیکھ کر مُسکرا دیا۔

"حدید!۔۔۔میں ہمزاد ہوں۔"حدید کو ہنستے دیکھ کر اُس نے مدھم سَرگوشی میں انتہائی سنجیدگی سے کہا جیسے وہ نہ جانے کونسا راز اُس پر آشکار کر رہی تھی۔حدید کے چہرے پر دھیمی ہوتی مُسکراہٹ مزید گہری ہوئی تو مَنّت کے چہرے پر دَر آتی اُلجھن اب خفگی میں ڈھلنے لگی تھی۔

"کیا آپکو معلوم تھا؟؟" لمحے بھر کی جمع تفریق کے بعد وہ قدرے آگے کو ہو کر خفگی سے پُوچھنے لگی تو حدید کا قہقہ بے ساختہ تھا۔مُنّت نے چہرہ پھیر کر کینہ توز نظروں سے پھر سے اُسکو دیکھا جو یوں ہنس رہا تھا گویا اُسکو صدی کا سب سے مزاحیہ لطیفہ سُنا دیا گیا ہو۔مَنّت نے آگے کو ہو کر اُسکے شانے پر تھپڑ رسید کیا تو اُسکا قہقہ بے ساختہ تھا لیکن مُسکراہٹ۔۔۔اُس نے تیزی سے اپنے ہونٹوں پر ہاتھ رکھ کر مُسکراہٹ رُوکنے کی کوشش بالکل نہیں کی تھی۔

"سچ بتائیں مجُھے حدید۔۔۔"سفید ماسک زور سے سامنے پڑے ٹیبل پر اُچھالتے ہوئے اُس نے کہا تو حدید نے مصالحتی انداز میں ہاتھ اُٹھا کر اُسکو ٹھنڈا کرنا چاہا۔

"بس مجُھے ہمیشہ سے معلوم تھا کہ بہادر، سبق دیتا، مَرد مار، لوگوں کا گُمنام ہیرو ہمزاد میری ہی بیوی مَنّت حدید ہے۔"اُسکی جانب محضوظ ہوتی نظر اُچھال کر اُس نے کہا تو مَنّت دنگ ہو کر اُسکو دیکھنے لگی

اور حدید نے پھر سے اپنا اُبلتا قہقہ چُھپا لیا شاید وہ اُسکو کبھی یہ نہ بتانے کا اِرادہ رکھتا تھا کہ وہ شروع سے نہیں ہاں بعد میں اُسکو پہچان گیا تھا لیکن بھئی بتائے کیوں۔۔۔

مَنّت کتنے ہی لمحے ساکن سی اُسکو دیکھے گئی جسکے چہرے پر کوئی پریشانی، کوئی تفکر، کوئی عجیب سے تاثرات نہیں دَر آئے تھے۔اُسکو یوں گُم سُم سا محسوس کر کے حدید نے اُسکو دونوں شانوں سے تھاما تو وہ چونک کر اُسکو دیکھنے لگی۔

"میں جانتا ہوں تم ہمزاد ہو اور مُجھے ہمیشہ فخر رہے گا کہ میری بیوی اِس قدر بہادر ہے اور تم میرے شانہ بشانہ بہت دُور تک چل سکتی ہو اُس پیشے کی بدولت جس سے میں مُنسلک ہوں۔میں بے فکر رہوں گا تمہیں سب کے ساتھ چُھوڑ کر کیونکہ مُجھے معلوم ہے کہ تم ایک مجمع تک کی حفاظت کی اہل ہو اور یہ سب تم نے تنہا بہت محنت اور مُشقت سے حاصل کیا ہے۔سُو تم مجھے اپنے ساتھ پاؤ گی عمر بھر ہر قدم پر۔۔۔"آہستگی سے کہتے ہوئے وہ مَنّت کا دِل عجیب طرح سے پگھلا کر اُسکو موم کر رہا تھا، ایک طلسم میں پھر سے گرفتار کر رہا تھا۔

؎ تُجھ کو پرکھ لیا کہ فرشتہ صفت ہے تُو

تُجھ پر زمیں حلال ہے۔تُجھ ہر آسماں حلال۔۔۔

"شاباش اب بتاؤ کہ گن کا بتاتے ہی تمہارا چہرہ کیوں اُتر گیا تھا۔"اُسکے گالوں پر پھسل آتے آنسوؤں کو انگلیوں کی پُوروں پر صاف کرتے ہوئے اُس نے نرمی سے کہا تو مَنّت خفت سے سُرخ پڑ گئی۔ چہرے پر پھر سی خفگی چھانے لگی تھی۔

"اصل میں وہ ڈریگنوؤ میں نے آپکے لیئے بہت شوق سے منگوائی تھی لیکن آپ نے۔۔۔"جوش سے بات کرتے کرتے اُس نے پھر سے اداس ہو کر اپنی بات ادھوری چھوڑ کر اپنا چہرہ جُھکا لیا تو حدید کے چہرے کو بڑی بھلی سی مُسکراہٹ چُھو گئی۔

"تو چلو کوئی بات نہیں آج سے یہ میری ہوئی اور وہ جو منگوا رہا ہوں وہ تمہاری۔۔۔"ٹیبل پر رکھی سنائپر اُٹھاتے ہوئے اُس نے کہا تو مَنّت نے تیزی سے سَر اُٹھا کر لمحہ بھر کو بےیقینی سے اُسکو دیکھا اور پھر اُسکا چہرہ سُرخ گلاب کی مانند کِھل اُٹھا تھا اور اُسکے چہرے کی بحال ہوتی شادبی نے حدید قوسین کے دِل کو جیسے زندہ رہنے کے لیئے نئ وجہ سُونپ دی تھی۔۔۔

-------@--------@--------@-------@------@------

دو ماہ بعد۔۔۔

"منّت۔۔"وہ جو شیشے کے آگے تیار کھڑی اب حجاب پہننے کی تیاری کر رہی تھی ٹھٹھک کر پیچھے پلٹ کر دیکھنے لگی جہاں حدید ڈریسنگ رُوم میں سے خاکی یونفیارم پہنے بالکل تیار، تازہ دَم سا نکل کر اُسکی جانب آ رہا تھا۔مَنّت کے چہرے کو بےساختہ مُسکراہٹ چُھو گئی تھی۔

"کیسا لگا تھا پرسوں میرے ساتھ اپنا مشن مکمل کرتے ہوئے؟" حجاب پہن کر وہ تیزی سے ڈریسنگ سے اُسکی نیم بیج اُٹھا کر اُسکی جانب آتے ہوئے بولی تو حدید کی مُسکراہٹ بےساختہ تھی۔

"ہاں تم ہو تو کوئی پریشانی کہاں لاحق ہو سکتی ہے۔سچ بات ہے کہ تم زاور سے کہیں زیادہ کنوینینٹ ہو۔"اُسکو مُسکرا کر اب اپنے قریب یونیفارم پر چہرہ جُھکائے بیج لگاتے دیکھ کر اُس نے شرارت سے

کہا لیکن پھر کچھ یاد آنے پر اُسکی مُسکراہٹ تیزی سے سِمٹی۔مَنّت جو اُسکے باقی ماندہ بٹن بند کر کے پیچھے ہوئی تھی اُسکے چہرے کے تاثرات دیکھ کر چونک گئی۔

"کچھ بات ہے حدید۔"اُسکے انداز میں سوال نہیں تھا وہ یقین تھا جو وہ ہمیشہ سے حدید کے چہرے اور وہ اِسکے چہرے سے بھانپ لیتا تھا۔

"تم میرے ساتھ آج ہسپتال چل سکتی ہو؟؟" اُسکے کندھوں کو نرمی سے تھامتے ہوئے اُس نے کہا تو مَنّت کے ماتھے پر تیزی سے شکنوں کا جال سا بچھ گیا لیکن حدید کی نرم گرفت محسوس کر کے اُس نے لمحہ بھر کو سُوچ کر اثبات میں سَر ہلایا تو حدید بے ساختہ یوں کُھل کر مُسکرایا جیسے کوئی بڑا معرکہ سَر کر لیا ہو۔

وہ دونوں نیچے آئے تو سامنے سب ناشتے کی میز پر موجود خوش گپیوں میں مصروف اُن دونوں کے آنے کا اِنتظار ہی کر رہے تھے۔یاور صاحب نے اِشارے سے حدید سے پُوچھا جس نے انگوٹھا اُونچا کر کے اُنکو خاموش تسلی دی تھی۔حُرمت نے اُسکے چہرے کے بگڑے تاثرات دیکھ کر بے ساختہ اپنی مُسکراہٹ چُھپا کر شہسوار کو شریر نظروں سے دیکھا جس نے اُسکا ہاتھ تھپتھپا کر جیسے اُسکو مَنّت کو چھیڑنے سے باز رکھا تھا۔

"ہاں آپ سب میرے خلاف اب محاذ کھُول رہے ہیں۔مُجھے نہیں شکل دیکھنی اُنکی بابا۔"قوسین صاحب کی جانب آتے ہوئے اُس نے نروٹھے پَن سے کہا تو وہ اُسکی معصومانہ خفگی پر مُسکرا دیئے لیکن جانتے تھے اندر سے وہ کبھی بھی اُن لوگوں کو معاف نہیں کر سکتی تھی۔

"میرا بچہ، بس ایک بار جا کر دیکھ آؤ کہ وہ سب کہنا کیا چاہ رہے ہیں۔" قوسین صاحب نے اُٹھ کر اُسکے لیئے کرسی دھکیلتے ہوئے نرمی سے کہا تو وہ بے بسی سے اُن کو دیکھ کر یاور صاحب کو دیکھنے لگی جنہوں نے مُسکرا کر شانے اچکا دیئے پھر اُس نے چہرہ پھیر کر شہسوار کو دیکھا جس نے اپنا چہرہ اخبار میں مزید گُھسا لیا تو اُسکا مُنہ ہمدمی کی اِس غدازری پر کُھلا رہ گیا۔ حُرمت کو خونخوار نظروں سے گھور کر سَر جھٹکتے ہوئے کرسی پر دھپ سے بیٹھتے ہوئے وہ اب اپنے لیئے چائے نکال رہی تھی۔ ساتھ بیٹھتا حدید لمحہ بھر کو اُسکی اِس حرکت پر اُسے دیکھ کر رہ گیا کیونکہ مَنّت اُسکو پہلے سب کچھ نکال کر دیتی تھی سُو یہ ناراضگی کا بھرپور اِظہار تھا۔

راہداری میں کچھ پَل رُک کر گہرا سانس لیتے ہوئے اُس نے اپنے برابر کھڑے حدید کو ایک نظر دیکھا جس نے اپنا ہاتھ اُسکے شانے پر تسلی بھرا رکھا ہوا تھا اور پھر دروازہ دھکیل کر اندر داخل ہو گئی۔ اندر بستر پہ مائدہ لیٹی ہوئی تھی دُور سے بھی مَنّت اُسکے چہرے پر چھائی زردی، پژمردگی دیکھ سکتی تھی۔ وہ یوں نڈھال اور ڈھانچہ لگ رہی تھی گویا برسوں کی بیمار ہو۔ اُسکے برابر سُفوان سَر جُھکائے اُس سے رُخ پھیرے بیٹھا تھا اور باقی چاروں سمیت مُجاہد بھی اپنی خراب ٹانگ کے ساتھ وہیں ایک جانب نڈھال سا صوفے کے ہتھے پر بیٹھا تھا۔ دروازہ کُھولے جانے کی آواز پر سب نے بیک وقت وہاں دیکھا اور پھر مَنّت اور حدید کو دیکھ کر وہ پانچوں بے یقینی سے اُٹھ کھڑے ہوئے شاید وہ اِنتظار سے اُسکے کبھی نہ آنا آخذ کر بیٹھے تھے۔ مُجاہد کے گلے میں گلٹی ڈوب کر اُبھری اور پھر وہ نگاہوں کا زاویہ بدل کر کھڑکی سے باہر اسلام آباد پہ چھاتی سُوگوار شام کو دیکھنے میں محو ہو گیا لیکن اُسکی شرمندہ سماعتیں اُسی جانب

متوجہ تھیں لیکن اُن سب کی حالتوں کا اثر کم اَز کم مَنّت کو ہر گز نہیں ہوا تھا نہ ہی اُسکے دِل میں اُن سب کو دیکھ کر ترحم اور ہمدردی کوئی رمق بھی جاگی تھی۔

"میرے خیال سے میرا آپ سب لوگوں سے اِیسا کوئی تعلق نہیں ہے کہ آپ مُجھ سے مِلنے کے لیئے میرے شوہر سے ارضیاں کرتے پھیریں۔ آپ سب کو افسوس ہو گا یہ سُن کر کے میرے دِل میں آپ لوگوں کے لیئے کچھ بھی قابلِ قدر نہیں نہ نفرت، نہ ترحم اور نہ معافی کا خیال۔۔۔"قدم قدم چلتی وہ عین اُن سب کے رُوبرو آ کھڑی ہوئی تو سُفوان نے بھیگتی آںکھوں سے اُسکو دیکھا جو بالکل سپاٹ تھی۔حدید نے ایک نگاہ مَنّت کے سَرد تاثرات پر ڈالی اور پھر سُفوان کو دیکھا جو نگاہوں کا زاویہ تیزی سے بدل گیا۔

"فرمائیں کیا کہنا ہے سُفوان صاحب؟؟" لمحے بھر کے توقف کے بعد اُسکی سَرد آواز پر اُسکے سب بھائیوں نے دنگ نظروں سے اُسکو دیکھا جسکو اُنہوں نے اپنی زندگی سے خود نکال کر اپنا سکون رفع کیا تھا۔سُفوان گُھٹنوں پر ہاتھ رکھ کر کھڑا ہوا لیکن اُسکے شانے ڈھلکے ہوئے اور نظروں ہنوز شرم اور ندامت سے جُھکی ہوئی تھیں۔

"ہم۔۔۔ہم سب معافی کے حقدار نہیں ہیں مَنّت لیکن یہ سب اِس عورت نے۔۔۔"مدہم آواز میں کہتے ہوئے اُس نے پلٹ کر بے چینی سے سَر پٹختی مائدہ کی جانب اِشارہ کرتے ہوئے کہنا چاہا لیکن مَنّت کے قہقے پر سب کے ساتھ مُجاہد نے بھی تیزی سے پلٹ کر اُسکو دیکھا صرف حدید تھا جو تعجب میں نہیں لگ رہا تھا۔مُنہ پر ہاتھ رکھتے ہوئے اُس نے اپنی ہنسی بامُشکل قابو کی تھی پھر گلا کھنکھارا۔

"جب معلوم ہے کہ معافی کے حقدار نہیں ہو تم سب تو تقریر کرنے کا مقصد اور اب تو خوفِ خدا کر لیں کیوں اپنی کمزریوں، اپنی بزدلیوں اور بے حسی کا سارا ملبہ ایک عورت پر تھوپ رہے ہیں لیکن اگر ایک عورت کے کندھے پر بندوق رکھ کر چلانے سے آپ پانچوں کو اب بھی کوئی تسکین مِلتی ہے تو اِیسا ہی سہی، اپنے بامُشکل زمانہ قدیم کے بعد نیم وا ہوتے ظمیر کو پھر سے تھپک تھپک کر سُلا دیں۔"
وہ بات نہیں کر رہی تھی اُنکے پہلے سے ندامت سے چُور چہروں پر کَس کَس کر کرارے تھپڑ جڑ رہی تھی۔مُجاہد نے اُن الفاظ پر نگاہیں تیزی سے اُس حسین چہرے سے پھیر لیں جبکہ وہ پانچوں شرمندگی بھری حیرت سے اُسکے برچھی کی مانند لگتے الفاظ کو سُن رہے تھے۔حدید نے اپنا چہرہ تیزی سے جُھکا لیا وہ نہیں جانتا کیوں لیکن اُسکو شدید ہنسی آئی تھی مَنّت کے انداز پر۔
" میں وہ نہیں ہوں جو معاف کر دیتے ہیں آسانی سے۔میں برابر مکافاتِ عمل چاہنے والوں میں سے ہوں اور خود کو بے چارہ سمجھ کر مُجھے گناہ گار بنانے کی ضرورت نہیں کیونکہ قصاص کا حق تو مُجھے میرے خُدا تک نے دیا ہے۔نہ میں اپنے باپ کے ساتھ کیا گیا سلوک بُھولی ہوں نا اپنی کردار کُشی اور میں مرتے دَم تک نہیں بُھولنے والی سُو اِس بُھول نما غلط فہمی سے نکل آئیں کہ آپ جیسوں کو معافی ملتی بھی ہے۔"دونوں ہاتھ سینے پر باندھتے ہوئے وہ اُن سب کو سنگ ریزے مار رہی تھی جیسے اُن سب نے اُس کو برسوں پہلے بِنا قصور کے مارے تھے فرق یہ تھا کہ وہ سب بہت سے لوگ اور اُسکے اپنے تھے اور اب فرق یہ تھا کہ وہ اکیلی تھی، زمانوں کے پھیر کے بعد اُن پر برستی ہوئی پھر بھی وہ الفاظ دِل چھلنی کرنی کی صلاحیت رکھتے تھے۔ارحم نے تیزی سے بھیگتی آنکھوں کو چُھپانے کے لیئے نظریں بدل لیں اور مائدہ وہ دَم سادھے گنگ سی اُسکو دیکھ رہی تھی جو آج بھی اُتنی ہی روشن،

باکردار، سبقت لے جانے والی تھی۔ دِل کا درد حد سے سوا تھا۔ دماغ کی نسیں بس پھٹ جانا چاہتی تھیں لیکن قدرت کبھی کبھار لوگوں کو اِتنی آسانی سے معاف نہیں کرتی، اِحتساب ہوتا ہے اور بہت کڑا ہوتا ہے، دراز رسی اِتنی مضبوطی سے کھینچی جاتی ہے کہ سانس تک گھٹتا محسوس ہوتا ہے، جینے کی خواہش کہیں اندر ہی دَم توڑنے لگتی ہے۔

"لیکن میرا آپ لوگوں سے نہ کل کوئی تعلق تھا، نہ آج ہے نہ میں آئیندہ کبھی رکھنا چاہتی ہوں سُو اگر آپ لوگوں کا کل کلاں کو جاگتا ظمیر معافی کا تقاضا کر رہا ہے دوبارہ سے سُونے کے لیئے تو ٹھیک ہے میں معاف کرتی ہوں آج سے، ابھی سے۔۔۔" آج وہ کہہ رہی تھی اور وہ سب ساکن، دَم سادھے سُن رہے تھے پہلے وہ سب کیچڑ اُچھالتے تھے، چیختے تھے، طنز کرتے تھے لیکن اب زمانہ اپنی رفتار بدل گیا تھا، قدرت کی عدالت کُھل گئی تھی۔ حدید نے اُسکے چہرے کو نرمی سے دیکھتے ہوئے اُسکے گرد اپنا بازہ پھلا کر اُسکو سہارا دیا، اُس نے چہرہ پھیر کر مُسکراتی نظروں سے حدید کو دیکھ کر دوبارہ سے سُفوان کو دیکھا جسکی آں کھیں بے تحاشہ رونے کے باعث لہو رنگ تھیں۔

"ہاں میں آپ سب کی احسان مند ہوں کہ آپ سب کی وجہ سے مُجھے وہ سب مِلتا گیا جو میں کھو دینے والی تھی، اُن سب کی قدر و منزلت میرے دِل میں بڑھانے کا ایک احسان ہے آپ سب کا سُو اُسکے توسط سے خود کو آزاد محسوس کرنا چاہتے ہیں تو بخوشی کریں لیکن مُجھ سے دوبارہ کوئی اُمید مت رکھیئے گا۔ کبھی میں آپ سب کو مکمل معاف کر کے بُھلا دینے میں کامیاب ہو جاؤں گی اور تب اللہ جانے اور اُسکے بندے جانیں۔" حدید کا ہاتھ تھامتے ہوئے اُس نے آخری نگاہ بے سُدھ کھڑے سُفوان پر ڈال کر اُن چاروں پر ڈالی جو اُسکے بھائی ہوا کرتے تھے لیکن وہ لوگ ہمدی کا کبھی مِل کر بھی نعم

البدل نہیں ہو سکتے۔واقعی کبھی کبھار اللہ پاک بہترین سے نواز دیا کرتا ہے جیسے اُسکو نوازا گیا تھا حدید جیسے محوب شوہر، قوسین اور یاور صاحب جیسے باپ، حُرمت جیسی کھُو کر مِلتی بہن اور ہمدی جیسے غمگسار بھائی سے۔خوشیاں زیادہ ہو گئیں تھیں اور دامن تنگ پڑنے لگا تھا۔مائدہ اور مُجاہد پر ایک نگاہِ غلط تک ڈالے بنا وہ حدید قوسین کا ہاتھ تھامے ہمیشہ کے لیئے اُن نڈھال اور رسواء کرتے رشتوں کے چُنگل سے نکل آئی تھی لیکن کون جانے کہ قدرت اُس عورت کے ساتھ کیا کرنے کا اِرادہ رکھتی تھی جسکا نام مائدہ تھی اور جسکی ایک بیٹی بھی تھی۔۔۔

میں چاہتی ہوں مکافاتِ عمل کا ہونا

میں چاہتی ہوں برابر مَلال پیدا ہوا۔۔۔

----@--------@-------@-------@------@-------

تمت الخیر

ختم شُد

ایک سفر تمام ہوا۔۔۔

ایک کہانی انجام کو پہنچی۔۔۔